مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
اصلاحاتِ کبریٰ
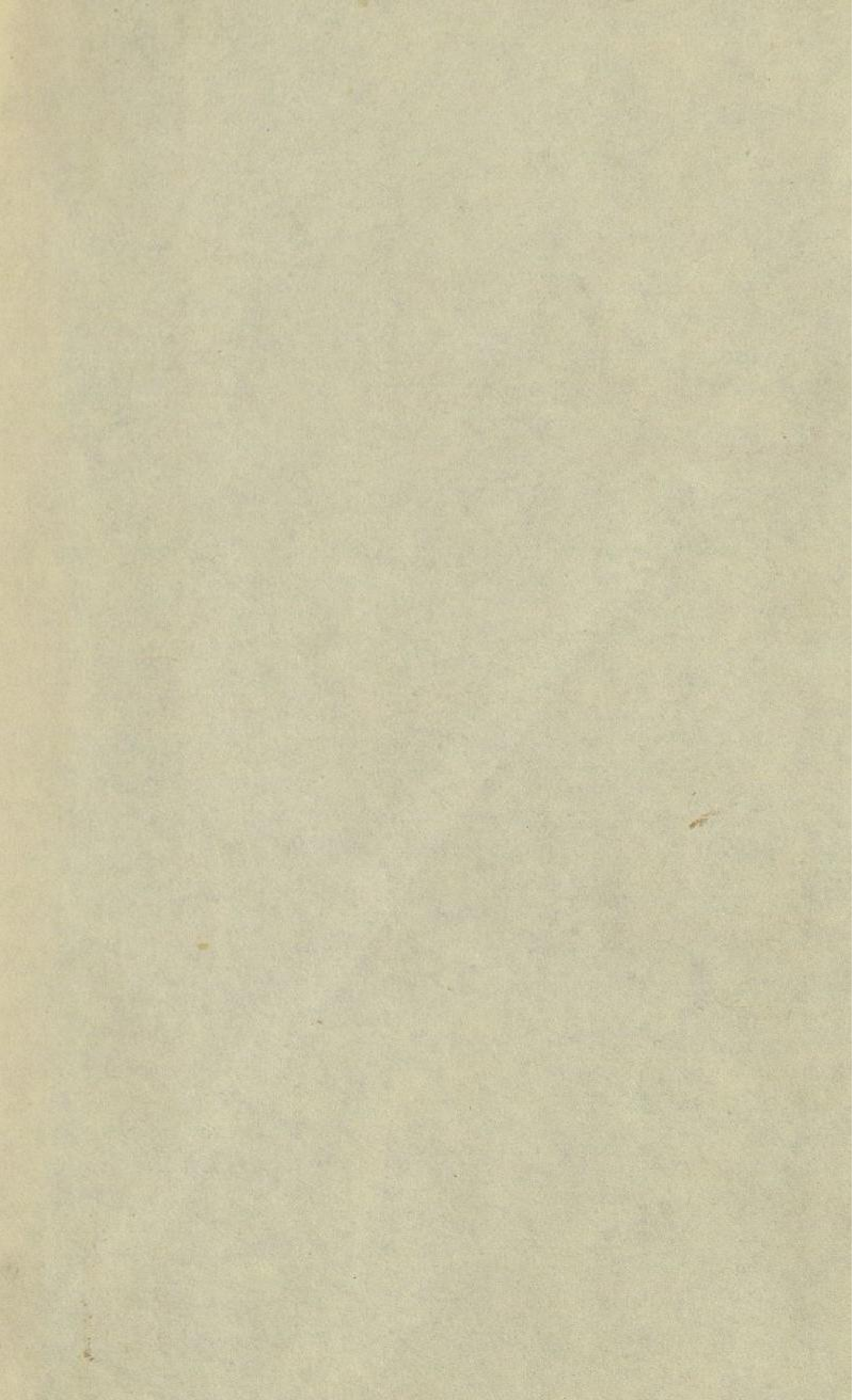
هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة

اِصلاحاتِ کُبریٰ

جس میں

دکھایا گیا ہے کہ جن ایام آشوب میں ختم المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس عالمِ ناسوت میں قدوم فرما ہوئے، اُس وقت صفحۂ ہستی پر عموماً اور سرزمین عرب میں خصوصاً کیا کیا خرابیاں اور برائیاں رونما تھیں اور دُنیا کے مُصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو کس طرح دُور کیا اور اُن میں کیا کیا اصلاحات فرمائیں،

مُرتّبہ

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز، پبلشرز، بک سیلرز

کشمیری بازار لاہور — بندر روڈ، کراچی

اصلاحاتِ کبریٰ

اصلاحات کبریٰ

جس میں دکھایا گیا ہے کہ جن ایامِ آشوب میں ختم المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمِ ناسوت میں قدوم فرما ہوئے، اس وقت صفحۂ ہستی پر عموماً اور سرزمینِ عرب میں خصوصاً کیا کیا خرابیاں اور برائیاں رونما تھیں اور دنیا کے مُصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس طرح دور کیا اور ان میں کیا کیا اصلاحات فرمائیں

مُرتّبہ

ابوالقاسم رفیق دلاوری

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز کتاب منزل

لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳۱۲

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے علمی پرنٹنگ پریس لاہور
سے طبع کرا کے کتاب منزل لاہور سے شائع کی۔

فہرست مضامین اصلاحات کبریٰ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم !

مُقدّمہ

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیّدنا محمدؐ و آلہ اجمعین

بعد از حمد و صلوٰۃ معلوم ہو کہ کسی سنگلاخ زمین سے صاف اور سیدھی سڑک نکالنا مشکل کام ہے لیکن کسی جمود پسند قوم سے اُس کے محبوب عقاید اور نکوہیدہ اطوار کا چھوڑانا اس سے بھی کہیں زیادہ مشکلات سے لبریز ہے۔ اس کتاب میں انشاء اللہ العزیز دکھایا جائے گا کہ حضرت خیر الانام سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قدوم فرما کر اقوام و ملل کی کیا کیا مروّجہ خرابیاں دُور کیں اور بالخصوص اپنی اکھڑ اور جمود پسند قوم کو کس طرح رذالتِ اخلاق کی پستی سے نکال کر محاسنِ اعمال و اخلاق کے ثریا سے ہمدوش کیا۔

اخلاق عرب قبل از اسلام

جن دنوں وحی الٰہی کے مہبطِ آخرین حضرت احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عالم ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے، اُن ایام میں عرب کی سرزمین تنزّل و ادبار کا گہوارہ بنی ہوئی تھی اور عربی قوم بُری طرح جہالت اور شرک کے بحرِ ظلمات میں دم توڑ رہی تھی۔ کوئی عیب ایسا نہیں تھا جس کے اہل عرب خوگر نہ ہوں اور کوئی برائی ایسی نہ تھی جو اُن کے رگ و پے میں سرایت نہ کر چکی ہو۔ اس کے علاوہ کفر و شرک میں وہ لوگ اتنے منہمک تھے کہ اُن کے قبول اسلام کی توقعات بالکل موہوم تھیں۔

انبیائے بنی اسرائیل کا عربوں کو بطور تمثیل پیش کرنا

عرب میں بت پرستی کے پاؤں ایسے مضبوطی سے گڑھے تھے کہ بنو اسرائیل کے انبیاء علیہم

علیہم السلام اپنی قوم کے سامنے اہل عرب کو بطور تمثیل پیش کیا کرتے تھے۔ جب کبھی آلِ یعقوب خدائے واحد کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے لگتی، تو انبیائے کرام اُن کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ تم تو سچے خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو حالانکہ بنو قیداد (یعنی اہل مکہ) اپنے جھوٹے معبودوں کی پرستش میں ایسی مضبوطی سے قائم ہیں کہ کوئی چیز اُن کو بُت پرستی سے پھیر نہیں سکتی۔ (بائبل۔ یرمیاہ ۲: ۱۰-۱۲)

عربوں کی بُت پرستی نے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا

عرب کے حدود میں متعدد انبیاء مبعوث ہوئے لیکن اہل عرب نے ان کا اثر قبول نہ کیا مسیحیت اپنے دورِ عروج میں دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا گئی لیکن عرب کا ریگستان مسیحیت کی ہمسائیگی میں واقع ہونے کے باوجود جوں کا توں خشک پڑا رہا۔ سر ولیم میور نے کتاب لائف آف محمد (علیہ التحیہ والسلام) میں لکھا ہے کہ گو عیسائی پانچ صدیوں تک ملک عرب میں عیسائیت پھیلانے کی کوشش کرتے رہے مگر بجز قلیل التعداد کے کسی نے مسیحیت قبول نہ کی یہود نے بھی اپنے دین کی ترویج کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے اور اُن کی طاقت بھی نصاریٰ سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ مگر آخر تھک کر رہ گئے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور سے پہلے ملک عرب کی حالت جس طرح ملکی اتحاد اور تمدنی اصلاح کے خلاف تھی، اسی طرح مذہبی اصلاح کو بھی قبول نہ کرتی تھی کیونکہ عربوں کے مذہب کی بنیاد نہایت شدید قسم کی بُت پرستی پر قائم تھی۔ جس پر شام اور مصر سے کئی حملے کئے گئے، مگر اُس نے صدیوں تک نہایت سختی سے ان حملوں کا مقابلہ کیا اور اس میں کسی قسم کے زوال و انحطاط کے آثار ظاہر نہ ہوئے

(لائف آف محمد صفحہ ۴۷)

اصلاح کی یاس انگیز حالت

الغرض عرب کی حالت ہمیشہ سے ایسی چلی آتی تھی کہ وہاں اصلاح میں کامیابی حاصل کرنے کی کوئی اُمید کبھی بار آور نہ ہوئی اور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تو جزیرۂ عرب تاریک ترین قعرِ جہالت میں غرق تھا۔ ایسا تاریک زمانہ دنیا کی تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ سر ولیم میور نے اس امر کی شہادت دی ہے اور لکھا ہے کہ محمد

(علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ایام شباب میں جزیرہ نمائے عرب میں آبائی مذہب پر قائم رہنے کا میلان بڑے زور کے ساتھ پایا جاتا تھا اور شاید کسی عصرِ ماضی میں اصلاح کی کبھی ایسی یاس انگیز حالت نہیں تھی جو اس وقت پائی جاتی تھی۔ (لائف آف محمدؐ ص ۴۷)

اضطراب اور بدامنی فساد و شورش

اور فساد و بدامنی کا یہ عالم تھا کہ کوئی انسان کسی وقت اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا اور عرب کی سرزمین ہر طرف اضطراب و بدامنی کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ ان ایام میں روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں کبھی لوگوں کو ملک کے آئندہ امن و امان کی بشارت سناتے اور انھیں یقین دلاتے کہ عنقریب خدائے قدیر اسلام کا ایسا بول بالا کریگا کہ مسافر تن تنہا صنعا (یمن) سے حضر موت تک کامل امن و سکون کے ساتھ سفر کرے گا تو اُسے خدائے واحد کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا (بخاری)

تو یہ سن کر لوگ حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگتے کہ یہ کیونکر ہو سکے گا؟

جمود پسند عربوں کی تہذیب و شائستگی

لیکن اس کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ اُفق مدینہ سے آتشیں شریعت کا جو شرارہ اڑا تھا۔ اُس نے کس طرح آناً فاناً خرمنِ جہل و ضلالت کو جلا کر خاکستر کر دیا اور یہ حقیقت منظر عام پر آگئی کہ اُنہی پس ماندہ اور جمود پسند عربوں کی حالت یہاں تک منقلب ہوئی کہ دنیا کی کوئی معاصر قوم تہذیب و شائستگی اور فہم و فرزانگی میں ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی اور امن و عافیت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک بڑھیا ہاتھوں میں سونا اُچھالتی ہوئی جاتی تھی لیکن اسے خدائے قاہر کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا تھا۔

حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت نے لوگوں کو رذائلِ اخلاق کے اسفل السافلین سے نکال کر تقویٰ و طہارت کے ذروۂ کمال تک اس حد تک پہنچایا کہ بدترین قسم کے فُسّاق و فُجّار آسمانِ تہذیب کے نجوم درخشاں بن گئے اور رہزنوں اور قزاقوں نے نہ صرف پاسبانوں کی حیثیت اختیار کر لی بلکہ کشور کشا اور سلطنتوں کے بانی قرار پائے۔

فقید المثال اصلاحات

اس میں شبہ نہیں کہ سطح ارضی پر کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے دنیا میں آکر کوئی حیات آفرین انقلاب نہ برپا کیا ہو۔ دنیا کا ہر پیغمبر اس عالم رفتنی وگزشتنی کو الوداع کہتے وقت اپنی قوم کے اندر صحتِ ایمان اور تہذیبِ اخلاق کے بہترین اثرات چھوڑ گیا۔ لیکن جریدۂ عالم اُن اصلاحات اور محاسنِ اخلاق کے ایسے اعلیٰ نمونوں کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے جو کائنات ارضی کے آخری نجات دہندہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

دوسری اقوام کے لیے دلیلِ راہ

یاد رہے کہ مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف عرب کی رائج الوقت خرابیاں اور رذائلیں دور کرکے اہل عرب کو بام رفعت پر پہنچایا بلکہ دنیا کی تمام دوسری اقوام بھی اپنی ترقی و عروج میں آپؐ کی زیر بار احسان ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس نے آپؐ کی تعلیمات حقہ سے استفادہ نہ کیا ہو۔ مسلمانوں نے تو کامل طور پر آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کو دلیل راہ بنایا لیکن دوسری اقوام بالخصوص یورپ نے بھی آپؐ کی تعلیمات سے بہت کچھ روشنی حاصل کی گو وہ زبان سے اس کا اعتراف نہ کریں۔

وہ نکتہ سنجیاں جو ارسطو اور افلاطون کی رسائی سے باہر تھیں

دنیا میں جس قدر مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اُن سب نے کم وبیش حقوق انسانی سے اس حد تک بحث کی ہے جہاں تک وہ اخلاق کے دائرہ میں آسکتے ہیں۔ بعض مذاہب نے اس میں زیادہ توسیع کی تو شادی بیاہ، وراثت اور وصیت وغیرہ کے مسائل کو بھی اس بحث میں داخل کر لیا۔ لیکن انسان کے یہ باہمی تعلقات ایسے نازک اور دقیق ہیں کہ ان کے متعین کرنے میں غیر ملہم بانیانِ مذاہب کو انتہا درجہ کی جانکاہی سے کام لینا پڑا لیکن اسکے باوجود وہ ان میں بُری طرح غلطیوں کا شکار ہوئے۔

ان تمام مسائل میں پیغمبر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نکتہ سنجیاں کیں۔ اسکی نظیر حکماء میں سے کسی کے ہاں نہیں مل سکتی۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کے علوم ومعارف

کی بنیاد وحی الٰہی تھی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن نکات تک ارسطو، افلاطون، سقراط، جالینوس وغیرہ حکماء کی بھی رسائی نہ ہو سکی۔ وہ ریگستان عرب کے ایک ناخواندہ کی تعلیمات میں پائے جاتے ہیں۔

اُمم سابقہ میں ان علمی نکات کا فُقدان

اور یہ کچھ حکمائے یونان پر موقوف نہیں بلکہ شریعت کی یہ نکتہ سنجیاں اسلام کے سوا اُن تمام مذاہب میں بھی مفقود ہیں جو انبیائے سلف میں سے کسی کے پیرو ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے سابقین کی شریعتیں وقتی اور مُختص المقام ہوتی تھیں۔ اسلیے اُمم سابقہ میں سے کسی نے اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو مِن وعَن محفوظ رکھنے کی طرف توجہ نہ کی۔ لیکن خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد قیامت تک کوئی اور پیغمبر مبعوث ہونے والا نہ تھا اس لیے خدائے حکیم و برتر نے آپؐ کے پیروؤں کو اس پر مائل کر دیا کہ آپکی تعلیمات اور آپؐ کی عملی زندگی کے ہر بڑے چھوٹے واقعہ کو قلمبند کریں۔

اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ جب دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم ناسوت میں تشریف فرما ہوئے تو اُس وقت دنیا میں اور سرزمین عرب کے اندر کیا کیا خرابیاں اور برائیاں رونما تھیں اور آپؐ نے ان کی کیا کیا اور کس کس طریق پر اصلاحات فرمائیں بنا بریں اس تالیف کو "اصلاحات کبریٰ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ دعا ہے کہ خدائے موفق اہل ایمان کو ان اصلاحات پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

حصہ اوّل

طبقۂ اناث کی مظلومی

فصل اوّل

اپنی شادی میں عورت کی بے بسی

عرب کے عہد جاہلیت میں ولی جس سے چاہتا۔ عورت کو اس کے پلّے باندھ دیتا تھا۔ عورت اپنا عندیہ ظاہر کرنے یا دخل دینے کی قطعاً مجاز نہ تھی۔ دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لاکر اس خرابی کا تدارک فرمایا۔

آپؐ نے حکم دیا کہ بیوہ سے اجازت لیے بغیر اس کا کہیں نکاح نہ کیا جائے۔ اسی طرح کنواری کا بھی اس وقت تک عقد نہ کریں۔ جب تک اُس کا اِذن نہ ہو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کنواری سے کیونکر اذن لیا جا سکتا ہے؟ وہ تو شرم کے مارے کوئی جواب نہ دے گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا چپ رہنا ہی اذن ہے (بخاری مسلم)

کنواری سے قبل از نکاح کہا جائے کہ ہم تمہارا نکاح فلاں شخص سے کرتے ہیں۔ اگر وہ کوئی جواب نہ دے تو یہی اس کی رضامندی ہے۔ اور اگر منہ پھیر لے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ناخوش ہے۔ ایسی حالت میں اس کے عقد سے باز رہنا چاہیئے۔

منکوحہ کو فسخ نکاح کا اختیار

اگر عورت کے اولیاء نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کسی جگہ کر دیا ہو تو اسلام نے اس کو فسخ نکاح کا حق دیا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی ایک نوجوان لڑکی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے پاس آکر کہنے لگی اماں جان! میرے چچا کا بیٹا بہت کچھ تباہ حال تھا۔

میرے باپ کو جو بھتیجے کی حالت زار پر رحم آیا تو اس کی خانہ آبادی کے لیے میری مرضی کے خلاف اُس سے میرا نکاح کر دیا۔ لیکن یہ عقد مجھے قطعاً گوارا نہیں۔ ام المومنین نے فرمایا کہ ذرا سے توقف کرو۔ رسول خدا ابھی تشریف لاتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آپ قدوم فرما ہوئے لڑکی نے اپنی عرضداشت پیش کی۔ آپؐ نے لڑکی کے باپ کو بلا بھیجا۔ جب باپ سے لڑکی کے بیان کی تصدیق ہو چکی تو آپؐ نے لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار دیا۔ لڑکی بولی یا رسول اللہ میں اپنے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو مسترد نہیں کرتی۔ مجھے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ عورتوں کو بھی ان کے نکاح میں کچھ دخل ہے یا نہیں؟ (النسائی)

مدینہ منورہ کے ایک شخص نے جس کا نام خدام تھا کسی سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے اپنے باپ کے نکاح کو ناپسند کیا اور وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اظہار ناراضی کرنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کا نکاح فسخ کر دیا اور اس لڑکی نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے عقد کر لیا (ابن ماجہ) اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی قدامہ بن مظعون رضؓ نے ان کی نوجوان لڑکی کا نکاح اُس سے پوچھے بغیر اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے کر دیا۔ لڑکی نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور چچا سے کہنے لگی۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرا عقد مغیرہ بن شعبہ سے کر دیں۔ قدامہ رضی اللہ عنہ نے پہلا عقد فسخ کر کے اس لڑکی کی مرضی کے مطابق اس کو مغیرہ کی زوجیت میں دے دیا (ابن ماجہ)

وساطت ولی کی اہمیت

جوان لڑکی کا عقد اس کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتا۔ نابالغہ کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی اور ولی کر دے تو نکاح درست ہو جائے گا لیکن بلوغ کے بعد اگر لڑکی اس نکاح سے ناخوش ہو تو اس کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ عرصۂ بلوغ میں قدم رکھنے کے بعد کتنی دیر تک لڑکی کو یہ اختیار حاصل رہتا ہے اس کی تفصیل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمایئے۔

ہر چند کہ جوان لڑکی اپنے نکاح میں ہر طرح سے مختار ہے لیکن شریعت اسلامی نے اس مطلق العنانی کو قطعاً گوارا نہیں کیا کہ کوئی لڑکی والدین کی وساطت کے بغیر از خود کہیں یہ پیوند قائم کرے کیونکہ اول تو اس میں ایک طرح کی بے شرمی ہے۔ دوسرے نکاح بلا اعلان

اور شہرت چاہیئے اور شہرت عورت کے اولیاء کی موجودگی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی تیسرے عورتیں عموماً ناقص العقل اور ناتجربہ کار ہوتی ہیں۔ اگر خود رائی سے کام لے کر نکاح کرے گی تو احتمال ہے کہ کسی برے آدمی کے پلے بندھ جائے۔ ان وجوہ کی بنا پر ایک حدیث میں جسے ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ولی کی اجازت اور اس کے مشورے کے بغیر نکاح کرنے والی عورت کو چھنال سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

عورت کو خُلع کا حق بخشنا

جس طرح مرد طلاق دے کر بیوی کو علیحدہ کرنے کا مجاز ہے اسی طرح شریعتِ حقّہ نے عورت کو بھی اختیار دیا ہے کہ اپنے دَینِ مہر سے دست بردار ہو کر یا وصول شدہ مہر واپس کر کے یا اپنی طرف سے شوہر کو کچھ مال دے کر اس کی قید نکاح سے مخلصی حاصل کر لے۔ مدینہ طیبہ کی ایک خاتون جمیلہ بنت سلول کے شوہر ثابتؓ بن قیس قبول صورت نہ تھے اس لیے بیوی ان کو پسند نہ کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جمیلہ آستان نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئیں یارسول اللہ! میں ثابت کے دین پر یا اُن کے خلق پر کوئی عیب چینی نہیں کرتی۔ لیکن مجھے یہ امر گوارا نہیں کہ مسلمان ہو کر شوہر کی ناشکری کروں۔ چونکہ وہ بدصورت ہیں میری نفرت میں کمی نہیں آئی۔ میں سخت مجبور ہوں۔ ایسی حالت میں میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیا تم ثابتؓ کا دیا ہوا باغ پھیر دو گی؟ جمیلہ نے کہا ہاں پھیر دوں گی۔ آپؐ نے ثابتؓ کو حکم دیا کہ باغ لے لیں اور دونوں میں جدائی کرا دی (ابن ماجہ)

حصول آزادی کے بعد لونڈی کو فسخ نکاح کا اختیار

اسلام سے پہلے لونڈیوں پر ایک ظلم یہ روا رکھا گیا تھا کہ وہ حصولِ آزادی کے بعد بھی شوہر سے نجات حاصل نہیں کر سکتی تھیں لیکن اسلام نے ان کو اختیار دیا کہ اپنے عہد غلامی کے نکاح کو بحال رکھیں یا فسخ کر دیں۔ جب اُم المومنین حضرت عائشہ طاہرہؓ نے اپنی لونڈی بریرہؓ کو نعمت آزادی سے سرفراز فرمایا تو وہ اُس وقت حضرت ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ کے غلام مغیث کے نکاح میں تھیں اور شریعت اسلامی نے لونڈی کو اختیار دیا ہے کہ آزاد ہونے کے بعد اپنے سابقہ ازدواجی تعلق کو بحال رکھے یا فسخ کر دے۔ چنانچہ مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا

کہ وہ اپنے خاوند کے پاس رہے یا جدا ہو جائے۔ بریرہ نے یہ عقد فسخ کر دیا۔

اب مغیثؓ کی یہ حالت تھی کہ وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے پھرتے اور روتے تھے اور آنسو ان کے رخساروں پر بہتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت عباسؓ سے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی محبت اور بریرہ کو اس سے کس قدر نفرت ہے۔ آخر شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے فرمایا بریرہ! کاش تو مغیث کے پاس لوٹ جائے۔ کیا نہیں دیکھتی کہ وہ تیرے بچے کا باپ ہے اور تجھ کو اس سے اولاد ہوئی۔" بریرہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! کیا یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ اگر حکم ہے تو پھر مجالِ انکار نہیں۔" آپؐ نے فرمایا کہ حکم نہیں بلکہ محض سفارش ہے۔ بریرہؓ نے کہا مجھے مغیثؓ نہیں چاہیئے۔ (ابن ماجہ)*

فصل ۲

بدسلوکی اور ذلت آمیز برتاؤ

عورت کی تحقیر

اسلام سے پہلے عرب میں عورتوں کی کوئی قدرو منزلت نہ تھی۔ مرد ان کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کی حیثیت نہ صرف ایک جائداد منقولہ کی سی تھی بلکہ بعض اوقات قمار بازیوں میں داؤں پر چڑھادی جاتی تھیں۔ صحیح بخاری کے باب اللباس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقولہ مذکور ہے کہ ہم لوگ عہد جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے لیکن جب قرآن نازل ہونے لگا تو اُس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ عورتیں بھی کوئی چیز ہیں۔

جنس ضعیف سے حسن سلوک کی تاکید

حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس ضعیف سے حسن سلوک کی جو تعلیم دی تھی اس میں فرمایا کہ عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کے لیے میری وصیت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے۔ اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں کے حق میں میری وصیت قبول کرو۔ (بخاری و مسلم)

اس لحاظ سے اُم البشر حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں عورت کی اصل پسلی ٹھیری۔ اور پسلی کا بالکل سیدھا ہونا محال ہے۔ اس لیے عورت کا بالکل راست اور ہموار رہنا اور اس کے تمام عادات و اطوار کا بدل دینا بھی محال ہے۔ بنابریں شفیق اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیویوں کے ساتھ حکیمانہ برتاؤ

کرو۔ نہ تو ان کی کج روی کو بالکل نظر انداز کردو کہ سرکش ہو جائیں اور نہ ہر بات میں مؤاخذہ کرو کہ زندگی تلخ ہو جائے۔ غرض عورت کو بالکل ہموار کرنے کی کوشش چھوڑ دو۔ کیونکہ جس طرح پسلی کی ہڈی کو بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح بیوی کو سیدھا کرنے کی پوری طرح کوشش کروگے تو طلاق تک نوبت پہنچ جائے گی۔ چنانچہ اس معنی میں آپؐ نے فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ تمہارے لیے ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہو گی۔ پس اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس کی کجی کی موجودگی ہی میں اس سے فائدہ اٹھالو اور اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ دوگے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے (مسلم)

جنس ضعیف کے ساتھ اچھا برتاؤ برتنے کے سلسلۂ تاکید میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مومنوں میں سے کامل ترین مومن وہ ہے جو خلق میں بہت اچھا اور اپنے اہل و عیال پر زیادہ مہربان ہو (ترمذی) اور دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو ان میں خلق کے اعتبار سے ممتاز ہو اور تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہوں (ترمذی)، اور فرمایا کہ کوئی مسلمان کسی مومنہ (یعنی مومنہ بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کو مومنہ کا ایک فعل ناخوش رکھتا ہے تو اس کا کوئی دوسرا فعل اس کو خوش دل کر دے گا (مسلم)

یعنی ایسی عورت بمشکل مل سکتی ہے جو تمام صفات خیر کی جامع ہو۔ اگر بالفرض کسی میں حُسن کی کمی ہو تو اس میں کوئی اور ایسی صفت بھی ضرور پائی جائے گی۔ جس پر مرد اپنے دل کو تسکین دے کر مطمئن و مسرور رہ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اپنی شریک حیات سے بغض رکھنا قرین دانش نہیں ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں

دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ آکر حجۃ الوداع میں جب کہ تمام اسلامی برادری جمع تھی جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم برطرف کر دیے تھے۔ ان مراسم میں عورت کے ساتھ بدسلوکی بھی داخل تھی۔ جس کو آپؐ نے ان الفاظ میں مٹایا۔

"عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ اور تم نے ان کی شرم گاہوں کو کلمۃ اللہ (ایجاب وقبول) کے ساتھ حلال کیا ہے ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بچھونوں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو (یعنی کسی غیر کے ساتھ خلوت نہ کریں یا یہ مراد ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں نہ آنے دیں) اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کو مقدور کے موافق نان ونفقہ اور پوشش مہیا کرو (مسلم)

بعض انبیاء علیہم السلام کی کثیر التعداد بیویاں

بائبل سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انبیائے بنی اسرائیل اپنے دینی وسیاسی مصالح کی تحت بڑی تعداد میں عقد تزویج کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب سلاطین (۱۱: ۳) میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محلات میں ایک ہزار عورتیں تھیں چنانچہ لکھا ہے کہ اس کی سات سو جوروان بیگمات اور تین سو حرمیں تھیں۔ اور کتاب ۲ سموئیل میں حضرت داؤد خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی انیس بیویوں کا ذکر ہے جن میں سے نو کے نام بھی مختلف مقامات پر درج ہیں اور ۲ سموئیل (۱۹: ۶) میں ان جوروؤں کے علاوہ حرموں کا بھی تذکرہ ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ یوآب بادشاہ داؤد علیہ السلام) کے پاس آکر کہنے لگا آج کے دن تیرے چاکروں نے تیری جان اور تیرے بیٹوں اور تیری بیٹیوں کی جانیں اور تیری جوروؤں کی جانیں اور تیری حرموں کی جانیں بچائیں۔"

تعدد ازواج النبی کے حکم ومصالح

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک نہایت عفت وعصمت کی تجردانہ زندگی گذاری۔ اس کے بعد غیر معمولی حسن وجمال کے مالک ہونے اور اعلیٰ درجہ کی حسینہ اور کم سن خواتین کی تمنائے عقد کے باوجود آپؐ نے چالیس سالہ ایک بڑھیا (حضرت خدیجہ طاہرہ) سے جو متعدد بچوں کی ماں تھیں اور ابوہالہ تمیمی اور عتیق مخزومی دو شوہر دیکھ چکی تھیں رشتہ ازدواج استوار کیا۔ آخر جب ام المومنین حضرت خدیجہ نے پینسٹھ سال کی عمر میں داعیٔ حق کو لبیک کہا تو آپؐ حضرت سودہ رضؓ کو جو آپ ہی کی ہم عمر

یعنی پچاس سال کی ایک معمر خاتون تھیں عقد تزویج میں لائے۔

ام المومنین سودہ رضہ ایک مصیبت زدہ خاتون تھیں جن کے شوہر کا نام سکران رضہ بن عمرو تھا۔ جب حضرت سودہ رضہ مشرف بایمان ہوئیں تو ان کی کوشش اور ترغیب سے ان کے شوہر سکران رضہ بھی خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ سکران رضہ کی رحلت کے بعد حضرت سودہ رضہ بہت دنوں تک بیوگی کی سیاہ چادر اوڑھے رہیں۔ لیکن ان کے مسن ہونے کے باعث کسی نے ان سے نکاح کی رغبت نہیں کی تھی۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضہ کی رحلت کے بعد ان کے سلسلہ مصائب کو منقطع کرنے کی خاطر نبوت کے دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضہ علی الترتیب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیاں تھیں۔ ان دونوں سے نکاح کرنا بہت سے مصالح پر مبنی تھا۔ حضرات شیخین رضہ سے حضور سرور کونین کی کوئی نسبی قرابت نہیں تھی۔ اس لیے آپؐ نے ان کی خدمات اور جان نثاریوں کے پیش نظر انھیں اپنے سے قریب تر کرنے کے لیے ان سے رشتۂ مصاہرت قائم کیا۔ علاوہ ازیں ان کی صاحبزادیوں سے نکاح کا مقصد دونوں کی اساس خلافت کا مضبوط کرنا بھی تھا۔ مزید براں ان دونوں محترم خاتونوں نے اتقان قرآن، تحفظ کتاب اللہ، نشر احادیث اور تعلیم نسواں کے متعلق جو کام کیے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ام المومنین زینب بنت جحش رضہ کے عقد نے متبنیٰ کی ابنیت کے بت کو توڑا یہ اتنی بڑی اصلاح تھی کہ جمود پسند ارباب شرک کی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اُم المومنین میمونہ رضہ کی ایک بہن سردار نجد کی بیوی تھیں۔ اس نکاح سے ملک نجد میں صلح اور امن اور اشاعت اسلام کے دروازے کھل گئے حالانکہ اس سے پیشتر اہل نجد اس درجہ شدید العداوت تھے کہ نقض امن اور فساد انگیزی گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ ستر قاریوں کے حادثۂ شہادت کے تذکرہ میں اس عداوت کی ایک جھلک ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں۔

الغرض آپؐ نے جس قدر نکاح کئے ان کی بنیاد فوائد کثیرہ، مصالح جمیلہ اور مقاصد حسنہ پر قائم ہوتی تھی۔ ان بابرکت نکاحوں کی بدولت بہت سے دل ملائے اور قابو میں رکھے گئے تھے۔

تعدد ازواج کی ایک اور اہم برکت

کثرت ازدواج نبوی کی ایک اور بڑی برکت ملاحظہ ہو۔ ہر چند کہ ہادیٔ انام علیہ التحیہ والسلام کے فیضان صحبت نے ہزار ہا مردوں کو قیامت تک کے لیے انسانیت کاملہ کا اکمل ترین نمونہ بنا دیا تھا۔ تاہم مردوں کی طرح طبقۂ اناث کو آپؐ کے شرف مجالست وہم نشینی کے مواقع حاصل نہ تھے۔ صرف ازدواج ظاہرات اس فیضِ صحبت سے کامگار ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ انہی کواکب درخشاں کی وساطت سے یہ نورِ مبین آہستہ آہستہ عالم نسواں میں پھیلتا گیا۔ حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی قریباً نصف صدی تک ازواج مطہرات کی حیات طیبہ عالم نساء کے لیے شمع ہدایت بنی رہی۔ اگر امہات المومنین نہ ہوتیں تو آج طبقۂ نسواں کے متعلق ہزار ہا امور پردۂ خفا میں مستور رہتے اور شریعت مطہرہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتی۔

ازواج مطہرات کا روزانہ اجتماع

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر روز نماز عصر کے بعد تمام ازدواج مطہرات کے حجروں میں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے تشریف لے جاتے۔ ہر ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھیرتے۔ اخیر میں ان کے ہاں تشریف لے جاتے جن کی اُس رات باری ہوتی۔ اور پھر رات کو وہیں قیام فرماتے۔ آپؐ کی بیک وقت نو بیبیاں تھیں۔ آپؐ باری باری ایک ایک دن سب کے گھر میں رہتے۔ اس طرح پہلی بی بی کے پاس جن سے باری شروع ہوتی آپؐ نویں دن تشریف لاتے۔ اور ازواج طاہرات کا معمول تھا کہ جس بی بی کی باری ہوتی تمام ازواج ان کے گھر میں جمع ہو جاتی تھیں۔ دیر تک وہیں آپؐ کے پاس مذہبی احکام و مسائل سیکھتیں اور پھر ان کے ذریعہ سے وہی احکام و مسائل امت کی تمام عورتوں تک پہنچتے۔ امہات المومنین کچھ رات گئے اپنے اپنے گھروں کو مراجعت فرماتیں۔ صحیح

مسلم مع شرح)

جس بیوی کا دن ختم ہوتا اور دوسری کی باری کا وقت شروع ہوتا آپؐ اُس بیوی سے جانے کی اجازت مانگتے۔ معاذہ نے جو حدیث کی راویہ ہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ جب حضور سرورِ دو جہاں آپ سے اجازت مانگتے تو آپ کیا کہتی تھیں؟ ام المومنین نے فرمایا میں اس کے جواب میں کہتی تھی یا رسول اللہ! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس رحمت کو کسی دوسری جگہ نہ جانے دیتی۔ (مسلم)

ازواج طاہرات پر شفقتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج طاہرات پر بڑے مہربان تھے اور ان پر بڑی شفقتیں فرماتے تھے۔ ہم لوگ اپنے گھروں میں حاکمانہ حیثیت سے داخل ہوتے اور مہمانوں کے انداز پر خانگی امور سے بے تعلق رہتے ہیں اور کبھی گوارا نہیں کرتے کہ گھر کے کام کاج میں گھر والیوں کا ہاتھ بٹائیں۔ لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم باایں ہمہ فضل و رفعت اپنے گھروں میں جا کر خانگی اشغال میں اپنے اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے پوچھا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام گھر میں جا کر کیا کیا کام کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔

آپؐ کے دل میں امہات المومنین کی کہاں تک قدر و منزلت اور محبت و عطوفت تھی اس کو قارئین کرام چند اِن واقعات پر قیاس کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ ازواج مطہرات سفر میں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ ساربان اونٹوں کو تیز ہانکنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا دیکھنا یہ آبگینے ہیں (شیشے) ہیں (سیرۃ النبی) ایک دفعہ آپؐ کے خادم حضرت انس رضؓ اور حضرت ابو طلحہ انصاریؓ (جنھوں نے انس رضؓ کی والدہ محترمہ اُم سُلیم رضؓ سے نکاح کر لیا تھا) سفر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے اُم المومنین حضرت صفیہؓ رضؓ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا۔ اتفاق سے حضورؐ کے ناقہ کا پاؤں پھسلا اور آپ اور اُم المومنین دونوں زمین پر آرہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو طلحہ انصاریؓ معاً اپنے اونٹ پر سے کود پڑے اور جھٹ آپؐ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے یا رسول اللہ میں آپؐ کے قربان جاؤں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ آپؐ نے فرمایا تم پہلے عورت کی

خبر لو۔ چونکہ پردہ کا حکم ہو چکا تھا۔ حضرت ابو طلحہ رضؓ نے معاً اپنے چہرے پر کپڑا ڈالا اور ام المومنین کے پاس جاکر ان کو کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ حضرت صفیہ رضؓ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ابو طلحہ رضؓ نے سواری پر پالان درست کر کے دونوں کو سوار کرایا (مسلم)

آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ اگر اعتکاف کی حالت میں آپؐ کی کوئی رفیقۂ حیات کبھی آپؐ سے ملنے جاتیں تو آپؐ ضروری گفتگو کے بعد ان کو رخصت کرنے کے لیے باب مسجد تک مشایعت فرماتے۔ سید زین العابدین علی بن حسین رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت صفیہ رضؓ سے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف بیٹھے۔ میں آپ کی ملاقات کے لیے مسجد میں گئی۔ تھوڑی دیر تک باتیں کرنے کے بعد جب لوٹنے کو اٹھی تو آپؐ مجھے پہنچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (مسلم)

ازواج مطہرات کے حال پر آپ کی ایک شفقت یہ تھی کہ آپ ان کی کوئی جائز درخواست مسترد نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! آپؐ کے اصحاب رضؓ تو حج اور عمرہ دونوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں لیکن میں نے حج تو کیا ہے عمرہ نہیں کیا اس لیے درخواست ہے کہ مجھے بھی عمرہ کرائیے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ام المومنین کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) انھیں اپنے ساتھ لے جائیں اور اپنے پیچھے سوار کریں۔ آپؐ نے جناب عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ وہ انھیں موضع تنعیم سے عمرہ کرائیں۔ حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی بلندی پر ان کے منتظر رہے یہاں تک کہ ام المومنین عمرہ کر کے وہاں پہنچ گئیں۔ (بخاری) یہ اُن ایام کا واقعہ ہے جب آپؐ حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تھے۔

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے التماس کی یا رسول اللہ! آپ نے تمام ازواج (طاہرات) کی کنیت رکھی۔ ایک میں باقی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تم ام عبداللہ ہو (ابن ماجہ) حضرت عائشہ رضؓ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ آپؐ نے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی طرف منسوب کر کے ان کی کنیت ام عبداللہ تجویز فرما دی۔

امہات المومنین کی ناز برداریاں اور خاطر داریاں

پاکستان اور ہندوستان کے مرد جنس ضعیف کے حق میں سخت بے انصاف واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنے حقوق تو عورتوں سے بہ جبر منواتے اور سختی سے ان پر عمل کراتے ہیں لیکن ان کے حقوق کی طرف چنداں التفات نہیں رکھتے۔ حضرت سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم جس حد تک ازواج طاہرات کی خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے کیا اس کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔ یہاں چند واقعات بطور نمونہ حوالہ قرطاس کئے جاتے ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی کم سنی میں نکاح کر چکے تھے اور ان کی والدہ محترمہ اُم رومان رضی اللہ عنہا کو اس بات کا بڑا اشتیاق تھا کہ اپنے لخت جگر کو جلد سے جلد حرم نبوی میں دیکھیں۔ اس لیے سیدہ عائشہ رضہ کو ایسی ایسی مقوی غذائیں کھلاتی رہتی تھیں جو غیر معمولی بالیدگی میں ممد ہوں۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قد خوب بڑھا۔ چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ میں آستان نبوت کی زینت بنی ہیں تو باوجودیکہ اس وقت ان کا سن نو سال کا تھا۔ لیکن قد و قامت کے لحاظ سے چودہ پندرہ سال کی دکھائی دیتی تھیں۔

تاہم ان کی خو بو ہنوز بالکل چھوٹی بچیوں کی سی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو وہ اپنے کھیلنے کی گڑیاں اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی اپنی گڑیوں کے ساتھ کھیلتی تھی اور میری ہمجولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو میری ہمجولیاں آپ کو دیکھ کر چھپ جاتیں۔ لیکن آپ ان لڑکیوں کو بلا کر میرے پاس بھیجدیا کرتے۔ (بخاری و مسلم) اور یہ آپ کا کمال خلق تھا کہ بچوں پر شفقت کرتے اور ان کو کھیل کود سے منع نہ فرماتے اور چونکہ گڑیوں میں جاندار کی سی شکل نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ تصویر کے حکم میں نہیں۔

اسی طرح اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حبشی (عید کے دن) مسجد میں برچھیوں سے کھیل رہے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے

ساتھ میرا پردہ کر رکھا تھا تاکہ میں آپ کے کانوں اور مونڈھوں میں سے ان کا کھیل دیکھ سکوں۔ آپؐ بہت دیر تک میری خاطر کھڑے رہے اور میں آپؐ کے دوش مبارک پر رخسار سے رکھ کر تماشا دیکھتی رہی یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کیا ابھی تم سیر نہیں ہوئیں؟ میں نے کہا ابھی نہیں۔ آخر کتنی دیر کے بعد میں خود ہی ہٹ گئی (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے۔ ان گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا۔ جس کے کپڑے کے دو پر بھی تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! میں گڑیوں کے بیچ میں یہ کیا چیز دیکھتا ہوں۔ انھوں نے کہا یہ گھوڑا ہے۔ پوچھا اس کے اوپر یہ کیا ہے؟ بولیں یہ گھوڑے کے پر ہیں۔ فرمایا کیا گھوڑے کے پر بھی ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ کہنے لگیں۔ کیا آپؐ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر بھی تھے یہ سن کر آپؐ ہنسنے لگے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح حضرت عائشہ طاہرہ رضؓ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ تیز قدمی میں باہم مقابلہ کریں۔ اس وقت میں دبلی پتلی تھی۔ اس لیے آپؐ سے آگے نکل گئی۔ اور ایک مرتبہ جب میں بر اندام ہو گئی اور دوبارہ مسابقت کی نوبت آئی تو میں پیچھے رہ گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری یہ سبقت تمھاری اُس سبقت کا جواب ہے (ابوداؤد) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اپنی شریک زندگی کو خوش کرنے کے لیے اس کے ساتھ کھیلنا روا ہے بشرطیکہ کھیل خلاف شرع نہ ہو اور دوڑنا بھی مباح ہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو میں اس کو سمجھ جاتا ہوں۔ بولیں آپؐ کیونکر معلوم کرتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تم خوش ہوتی ہو اور تمھیں کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے تو یوں قسم کھاتی ہو کہ خدائے محمدؐ کی قسم اور جب ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ ابراہیمؑ

کے رب کی قسم! حضرت عائشہ رضؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میں تکدر کے وقت آپؐ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ناخوشی دینی امور میں نہیں ہوتی تھی جو ایمان میں خلل انداز ہو۔ بلکہ سوکنوں کی وجہ سے کبھی دل میں رنجش پیدا ہو جاتی تھی اور سوکنوں کی جلن عورتوں میں فطری چیز ہے شریعت نے اس بارہ میں عورتوں پر کوئی گرفت نہیں کی۔

ازواج سے ترک کلام

حضرات! بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کا یہ اُسوۂ رسول تھا۔ جس کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے۔ تعدّد ازواج کی حالت میں شوہر کو بیویوں سے اور بیویوں کو شوہر سے طرح طرح کی شکایتیں پیدا ہوا کرتی ہیں اور تصادم باہمی کے اکثر مواقع پیش آتے ہیں اور جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ میں آرہا ہے متعدد ازواج والے آپے سے باہر ہو کر سبّ و شتم اور مار پیٹ پہ اتر آتے ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت نو ازواج کے ساتھ اس خوبی سے گزر اوقات کی کہ نہ کسی بیوی پر کبھی ہاتھ اٹھایا اور نہ کبھی سخت کلامی اور ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا۔ کیونکہ یہ طرزِ عمل آپؐ کی عظمت شان کے منافی تھا۔ ان مواقع میں جہاں لوگ مار پیٹ سے کام لیتے ہیں آپؐ کی طرف سے اظہار ناراضی کا طریقہ ترک کلام تھا اور ظاہر ہے کہ آپ کا ترک کلام امہات المومنین کے لیے کس قدر تکلیف دہ اور روح فرسا ہو سکتا تھا۔

ایک دفعہ آپ اُم المومنین حضرت صفیہّ رضؓ سے کسی بات پر ناخوش ہوئے (اور ان کو شرف ہمکلامی سے محروم کر دیا) صفیہّ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضؓ سے کہا کہ اگر تم رسول خدا کو مجھ سے راضی کر دو تو میں اپنی باری کا دن تم کو دیتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے یہ شرط منظور ہے۔ اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی اوڑھنی لی جس کو زعفران سے رنگا تھا اور اس پہ پانی کا

چھینٹا دیا تاکہ زعفران کی خوشبو پھیل جائے۔ پھر حضور اقدس کے پاس جا بیٹھیں آپؐ نے ان سے فرمایا عائشہ! تم میرے پاس سے چلی جاؤ۔ آج تمھاری باری نہیں ہے۔ وہ کہنے لگیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اس کے بعد بتایا کہ صفیہ رضؓ نے مجھے اپنی باری اس درخواست کے ساتھ دی ہے کہ میں حضورؐ کو ان سے راضی کرادوں۔ یہ سن کر آپؐ ان سے راضی ہو گئے (ابن ماجہ)

بیوی کے بعض حقوق

بیوی کے بعض ایسے حقوق جن سے لوگ عام طور پر غافل اور بے خبر ہیں یہاں لکھے جاتے ہیں:-

مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ رقم طراز ہیں۔ بیوی کا حق ہے کہ وہ شوہر کے ماں باپ سے جدا رہنے کا مطالبہ کرے۔ پس اگر بیوی اس کی خواہش کرے اور ماں باپ اس کو شامل رکھنا چاہیں تو شوہر کو جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو ان سے شامل رکھے بلکہ واجب ہوگا کہ اس کو جدا رکھے۔ اگر کسی کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ کی خدمت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس شخص کو جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے۔ اور ماں باپ پر خرچ کرے۔ الوادالنوادر صـ۴۸۶، صـ۴۸۷

مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے اپنی بعض تصنیفات میں یہ لکھا ہے:- کہ بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ شوہر اس کو کچھ ایسی رقم بھی دے جس کو وہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکے۔ جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس رقم کی مقدار اپنی اور بیوی کی حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے۔

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ گھر کے کام کاج عورت پر واجب ہیں یا نہیں اور شوہر بیوی کو ان کاموں کے انصرام پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام محی الدین نوویؒ شارح مسلم اس حدیث کی شرح میں جس میں حضرت اسماء ذات النطاقین رضؓ کا سر پر گٹھلیاں لانا مذکور ہے لکھتے ہیں کہ روٹی پکانا، کپڑے دھونا، جانوروں کی خدمت کرنا وغیرہ ایسے کام ہیں جو مروت اور حسن معاشرت میں داخل ہیں اور عورتیں قدیم سے اپنے خاوندوں کے یہ کام کرتی آئی ہیں لیکن یہ کام

عورت پر شرعاً واجب نہیں۔ اس کا جی چاہے تو کرے۔ ورنہ نہ کرے۔" اس کے بعد امام نووی رحہ رقم فرماہیں کہ عورت پر صرف دو ہی کام واجب ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر کے گھر میں رہے۔ دوسرے یہ کہ مجامعت سے انکار نہ کرے۔"

لیکن ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کبھی اتنی بے مروت اور خود غرض نہیں ہو سکتی کہ گھر کے کام کاج سے جس کی انجام دہی میں اس کی اور اس کی اولاد کی بھی بہتری ہے، پہلو تہی کر کے ثواب آخرت سے محروم رہے۔ تاہم مرد کو اس کا ممنون احسان رہنا چاہیئے کہ بیوی نے ایسے کام بھی رضاکارانہ اپنے دوش ہمت پر اُٹھا رکھے ہیں۔ جو اس کے فرائض میں داخل نہیں۔

اسلام نے عورت کو ایک حق یہ بھی دیا ہے کہ اگر بخیل شوہر اہل و عیال کی لازمی اور ناگزیر ضروریات پر خرچ کرنے میں بخل کرے تو بیوی بقدر حاجت بلا اجازت اس کے مال میں سے خرچ کرے۔ امیر معاویہ رض کی ماں ہند (جگر خوار) نے فتح مکہ کے دن حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بارگاہ نبوت میں التماس کی یا رسول اللہ! میرا شوہر ابو سفیان (بن حرب) بڑا بخیل آدمی ہے۔ وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو۔ اگر میں اس کے مال میں سے کچھ اس کی اجازت کے بغیر لے لوں تو مجھ پر کچھ گناہ تو نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس قدر لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کفایت کر سکے۔ (ابو داؤد)

فصل ۳

بیواؤں پر متوفی شوہر کے اقرباء کا جبری قبضہ

عہد جاہلیت میں جنس ضعیف کو جن مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا تھا ان میں ایک ظلم یہ تھا کہ خاوند کے مرنے پر اس کا وارث اس کی بیوی کا بھی مالک ہو جاتا تھا۔ مگر مرنے والے کا باپ یا بیٹا نہیں بلکہ وہ جس سے نکاح ہو سکتا ہو۔ بیوہ کو یا اس کے اقرباء کی مرضی اور خواہش کو اس زن و شوئی کے جبری تعلق میں کوئی دخل نہ تھا۔ متوفی کا وارث یا تو عدت کے بعد خود اس سے نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے کے حوالے کر دیتا یا دونوں میں سے کوئی بات پسند نہ کرتا تو اس کو خادمہ کی حیثیت سے گھر میں پڑا رہنے دیتا۔ (ابوداؤد)

بسا اوقات مرنے والے کے ورثاء بیوہ کو اس غرض سے بھی ایذائیں دیتے تھے کہ وہ مال جو اس نے شوہر کی وراثت میں پایا ہے واپس کر دے۔ جب ابوقیس بن اسلت انصاری کا انتقال ہوا تو ان کی بیوہ کبشہ بنت معن انصاریہ پر ان کے سوتیلے بیٹے قیس نے چادر ڈالی اور نکاح کا وارث ہوا۔ کبشہ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ اقربائے شوہر سے میرا پیچھا چھڑائیے تاکہ میں دوسری جگہ نکاح کر سکوں۔ اس وقت سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء آیت ۱۹)	اے مومنو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً وارث اور مالک بن جاؤ کرو۔ اور انھیں اس غرض سے مقید نہ کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر اس صورت میں کہ ان سے کوئی صریح ناشائستہ حرکت سرزد ہو اور ان کے ساتھ

خیر و خوبی سے گذران کرو۔

اس آیت کے نزول کے بعد مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقربائے بیوہ کو پوری طرح اختیار دیا کہ عدت گزرنے کے بعد جہاں چاہیں بیوہ کا نکاح کر دیں۔ ان واقعات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا ظلم و بیداد کی کتنی مختلف صورتوں میں مبتلا تھی اور اسلام نے آکر کن کن خرابیوں کی اصلاح کی۔ آیت میں جبر کی قید واقعی ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ اگر عورت رضامند ہو تو وہ سچ مچ میراث اور ملک ہو سکتی تھی ؏

فصل ۴

بیواؤں کو یکسالہ عدت کی مصیبت

عرب کے عہد جاہلیت میں عورت بیوہ ہونے کے بعد ایک سال تک عدت بیٹھتی تھی۔ جس عورت کا شوہر مر جاتا وہ سخت میلے کچیلے اور گلے سڑے کپڑے پہن کر کسی کھنڈر میں چلی جاتی یا تاریک کوٹھڑی میں جا بیٹھتی اور ایک سال تک تیل خوشبو سرمہ اور ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرتی۔ ایک سال کے بعد گدھا، بکری یا کوئی پرندہ لاکر اس کے بدن سے رگڑا جاتا۔ یہ مالش ایسی شدید ہوتی تھی کہ بسا اوقات جانور اس رگڑ سے ہلاک ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد بیوہ کو اونٹ کی ایک مینگنی دی جاتی۔ وہ اس کو دور پھینک دیتی۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ اب وہ عدت سے نکل چکی ہے (مسلم، ابوداؤد، موطاء مالک رح)

لیکن مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرافات کی ممانعت کے علاوہ عدت کی مدت چار مہینے دس دن کر دی۔ اور دوسرے اقرباء کا سوگ صرف تین دن تک جائز رکھا۔ خواتین اسلام ان عدتوں کی سختی سے پابند تھیں۔ جب اُم المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان بن حرب نے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے تو اُم المومنین نے تین دن کے بعد خوشبو لگائی اور زینب بنت ابی سلمہ سے جو اس حدیث کی راویہ ہیں فرمایا کہ مجھے خوشبو کی حاجت تو نہ تھی لیکن میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اُس عورت کے لیے جو خدا پر اور یوم جزاء پر ایمان رکھتی ہے یہ کسی طرح حلال نہیں کہ کسی مرنے والے کے غم میں تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ ہاں شوہر کی موت پر چار مہینے اور دس دن تک سوگ کرنے کا حکم ہے۔ (مسلم و ابوداؤد)

فصل ۵

بیواؤں کو گھر سے بے دخل کر دینا

عہد جاہلیت میں بیویاں جو شوہروں کی زندگی میں گھر کی چار دیواری کے اندر مالکانہ حیثیت رکھتی تھیں وہ شوہر کے مرنے کے بعد وہاں سے یک بیک اس طرح بے دخل کر دی جاتی تھیں کہ گویا ان کو کبھی اس گھر سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ اس بے دخلی کے بعد وہ اِدھر اُدھر گھر کے کسی کونے میں خادمانہ حیثیت سے بسر اوقات پر مجبور ہوتی تھیں۔ ہر چند کہ بیوہ عورت ظہور اسلام کے بعد اقربائے زوج کی ملک متصور نہیں ہوتی تھی تاہم شوہر کے مرنے کے بعد اس کو فی الفور گھر سے نکال دیا جاتا تھا۔ بعض اسلامی گھرانوں میں بھی یہی معمول چلا آتا تھا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ مہاجرین کی بیویاں بارگاہ نبوت میں یہ شکایت لے کر آئیں کہ ہمیں مکانوں کی تنگی رہتی ہے اور بالخصوص جب ہمارے شوہر انتقال کر جاتے ہیں تو ان کے ورثاء ہم کو مکانوں سے نکال باہر کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کدھر جائیں اور غربت میں کس کا سہارا ڈھونڈیں مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آیندہ مہاجروں کی بیویاں ان کی رحلت کے بعد ان کے گھروں کی وارث ہوں گی۔ چنانچہ اس حکم کے بعد جب حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رض نے اس سرائے فانی کو الوداع کہا تو ان کی بیوی ان کے مکان واقع مدینہ کی وارث قرار پائیں۔ (ابوداؤد)

فصل ۶

بیواؤں کی کس مپرسی

حضرات! آپ نے گذشتہ تین فصلوں میں بیواؤں کی مظلومی کی ایک جھلک دیکھی۔ بیوہ دنیا کا ایک نہایت ناچار و ناتواں گروہ ہے۔ جو سر سے شوہر کا ظلِ عاطفت اُٹھ جانے سے بالکل بے یار و مددگار اور بے مونس و غم خوار رہ جاتا ہے۔ یہودیوں میں بیوہ اپنے متوفی شوہر کے خویش و اقارب کی ملک ہو جاتی تھی اور ان کے سامنے اس کو یا اُس کے اقرباء کو چون وچرا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ ہنود میں بیوہ کے سرے سے زندہ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اسی لیے اس کو اپنے شوہر کی چتا سے لپٹ کر خودکشی کر لینی چاہیئے۔ اور اگر وہ ستی نہ ہوتی تو دنیا کی تمام راحتوں اور لذتوں سے دست بردار رہ کر ساری عمر سوگ میں گزارتی تھی۔ ہندوؤں میں یہ رواج ہزارہا سال سے چلا آرہا ہے۔ یہودیوں کی طرح عربوں میں بھی جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ بیوہ اپنے شوہر کے اعزہ کی ملک ہو جاتی تھی۔ اس سے جو چاہتے تھے سلوک کرتے تھے اور اسے اس بات کا قطعاً اختیار نہ تھا کہ اپنی مرضی سے کہیں نکاح کرے۔ آخر سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے اور آپؐ نے آکر اس مظلوم فرقہ کی فریاد رسی کی۔

اسلام نے سب سے پہلے اس کے سر سے اعزۂ شوہر کے جابرانہ تسلط کا قلع قمع کیا اور ساتھ ہی یک سالہ عدت کے طویل زمانہ کو صرف اتنی مدت تک محدود کر دیا جس کے اندر اس کے طبعی غم میں تخفیف ہو سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ اس کو اپنے شوہر سے حمل تو نہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد اس کو ہر قسم کی جائز زیب و زینت کی اجازت دی اور اس کو نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دی کہ کسی شریک زندگی کی معیت

در فاقت اختیار کرے۔ الغرض جس معاشرے سے دوسروں نے اس کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اس میں اس کے لیے از سر نو عزت کے ساتھ داخل ہونے کے مواقع فراہم کیے اور رانڈوں کے نکاح ثانی کے لیے کلام الٰہی میں حکم ہوا وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ ۲۴:۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیکس طبقہ کی امداد کے لیے قوم کو خاص طور پر متوجہ کیا اور ان کی طرف اعانت کا ہاتھ بڑھانے والے والوں کے لیے بڑے اجر و ثواب آخرت کی بشارتیں سنائیں۔ اس سلسلہ میں آپ کے چند ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں۔

فرمایا جو کوئی بیوہ عورت اور محتاج کی حاجت روائی میں کوشاں ہے۔ وہ ثواب میں اُس شخص کے برابر ہے جو فی سبیل اللہ جہاد کرتا ہو (بخاری و مسلم) اور فرمایا بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا اُس شخص کی مانند ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے یا دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ (مسلم، مالک، ابوداؤد) اور فرمایا جو کوئی بیواؤں یا مسکینوں کے لیے کمائے اور محنت کرے اس کا درجہ اُس شخص کے برابر ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے (مسلم) اور فرمایا بیواؤں اور مسکینوں کے کام کر دینا اور ان کی حاجات و ضروریات میں ساعی ہونا جہاد فی سبیل اللہ کی مانند یا اس شخص کے ثواب کے برابر ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات کو عبادت الٰہی میں قیام کرتا ہو (ترمذی)

یتیم بچوں کی خاطر نفس کُشی کرنے والی بیوہ

پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیواؤں کی تسکین خاطر کے لیے جن کی چھوٹی چھوٹی اولاد ہو اور وہ اس وقت تک نکاح ثانی سے باز رہیں۔ جب تک بچے بڑے نہ ہو جائیں بڑے ثواب آخرت کا مژدہ سنایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپؐ نے درمیانی اُنگلی اور سبابہ کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن وہ عورت مجھ سے ایسی ہی قریب ہوگی جس کے رخسار سیاہ پڑ گئے ہوں یعنی وہ عورت جس کا شوہر انتقال

کر گیا ہو۔ صاحب جمال اور صاحب منصب ہو مگر اپنے یتیم بچوں کی خاطر نفس کُشی کرے۔ اور اُس وقت تک دوسرا نکاح نہ کرے جب تک اُس کے بچے بڑے ہو کر اس کی پرورش سے مستغنی ہو جائیں یا دنیا سے گزر جائیں (ابو داؤد) رخسار سیاہ پڑنے سے ترکِ زینت کی طرف اشارہ ہے۔

بیواؤں کی دستگیر و جائے پناہ ذاتِ گرامی

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد تو بیواؤں اور یتیموں کی دستگیر اور جائے پناہ تھی ہی۔ اس کے پہلے بھی آپ ان کے ملجا و ماوی تھے۔ چنانچہ جب آپؐ کم سن تھے تو مکہ معظمہ میں امساکِ باراں ہوا۔ آپؐ کے چچا ابو طالب نے آپؐ کے توسل سے پانی کے لیے دعا کی تو خوب بارش ہوئی۔ ابو طالب نے آپؐ کی مدح و توصیف میں ایک بڑا قصیدہ کہا تھا جس کا مطلع یہ ہے

وَلَمَّا رَأَیْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِیْھِمْ   وَقَدْ قَطَعُوْا کُلَّ الْعُرىٰ وَالْوَسَائِل

بخاری اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ اس قصیدہ میں ایک شعر یہ بھی تھا:۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ   ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

(آپؐ گورے رنگ والے ہیں۔ آپؐ کے رخ انور کے وسیلہ سے لوگ طلبِ باراں کرتے ہیں۔ آپؐ کی ذات ہمایوں یتیموں کی کفیل اور بیواؤں کی دستگیر و جائے پناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ امساک باراں کے ایام میں جب آپؐ منبر پر بیٹھتے اور میں ابو طالب کے اس (مؤخر الذکر) شعر کا تصور کر کے آپؐ کے روئے مبارک کی طرف دیکھتا تو معاً بارش ہونے لگتی اور قبل اس کے آپؐ منبر سے نیچے اتریں مدینہ طیبہ کے پرنالے پانی سے بھر جاتے۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ الاستسقاء صحیح بخاری باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذ قحطوا)

فصل ۷

بیویوں میں عدم مساوات

اگر کسی کے گھر کوئی منکوحہ ہو تو اس کے حقوق ادا کرنے میں عدل و انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ اس عدل و انصاف کی ضرورت ان لوگوں کو اور بھی زیادہ ہے۔ جن کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں ہوں۔ عہد جاہلیت میں اگر کوئی یتیم لڑکی کسی کی سرپرستی میں ہوتی تھی تو وہ اس کے جمال یا مال کی وجہ سے اس سے نکاح تو کر لیتا تھا۔ مگر چونکہ اس کی طرف سے بازپرس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ مہر بہت کم مقرر کرتا اور اس کے حقوق کی رعایت بھی نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی سرپرستی کے احسان میں اس کو لونڈی سے زیادہ وقعت نہیں دیتا تھا۔ اور جن لوگوں کے گھروں میں متعدد بیویاں ہوتی تھیں وہ ظاہری سلوک کے لحاظ سے بھی مساوات نہیں برتتے تھے۔ لیکن رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرابیوں کی پوری طرح اصلاح فرمائی۔

اس سلسلہ میں خدائے مہیمن نے سورۂ نساء کی تیسری آیت میں فرمایا کہ اگر تم انصاف نہیں کر سکتے تو کسی یتیم لڑکی کو اپنی زوجیت میں مت لاؤ۔ دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ جہاں چاہو نکاح کر لو۔ بیک وقت چار بیویوں تک کی اجازت ہے۔ لیکن اگر ان میں بھی برابری نہ ہو سکے تو ایک بیوی پر اکتفا کرو۔

اگر عدل نہ ہو سکنے کا گمان غالب ہو تو متعدد بیویوں سے نکاح کرنا بایں معنی ممنوع ہے کہ نکاح کرنے والا گناہ گار ہو گا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نکاح صحیح نہ ہو گا۔ الغرض متعدد بیویاں ہوں تو ان سے مساوات ملحوظ رکھنا اسلام کے مؤکد احکام میں داخل ہے۔

بیویوں میں انصاف ملحوظ نہ رکھنے کی تاکید میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرے بلکہ کسی ایک طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن اُس کا حشر ایسے حال میں ہوگا کہ اُس کا نصف دھڑ (مفلوج اور) گنجا یعنی ایک طرف کو جھکا ہوگا۔ جس طرح وہ دنیا میں ایک طرف مائل تھا۔ ترمذی و ابوداؤد

امام ابن جوزیؒ رقم طراز ہیں کہ بعض اشخاص اپنی ایک بیوی کی جانب دوسری سے زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ تقسیم میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور اس بات کو سہل انگاری سمجھ کر خیال کرتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور ایک کی دوسری سے زیادہ وقعت و خاطر داری کرے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اپنا ایک جانب کا دھڑ کھینچتا ہوگا۔ یہ دھڑ گرتا ہوا یا جھکتا ہوا ہوگا۔

یہ تو آپؐ کی تعلیم تھی۔ آپؐ کے عمل کی نسبت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے خواہر زادہ عُروہ بن زبیرؓ سے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج کی تقسیم میں کسی کو دوسری پر تفوق نہ دیتے تھے (ابوداؤد) آپؐ نے ہر حرم محترم کے لیے ایک دن اور ایک رات کی باری مقرر فرما رکھی تھی (ابوداؤد) جب کبھی آپؐ عازم سفر ہوتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے۔ جن کا نام نکلتا ان کو ساتھ لے جاتے۔

بیویوں میں انصاف و مساوات برتنے کی حضور خیرالورےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال قائم کی اس کی نظیر جریدۂ عالم میں کہیں نہ مل سکے گی۔ آپؐ اُس مرض میں بھی سخت تکلیف اٹھا کر ازواج طاہرات کے گھروں میں باری باری پہنچتے رہے جس میں آپؐ کا وصال ہوا ہے۔ لیکن چونکہ سخت ایسی علالت میں روزمرہ کی نقل مکانی سخت ناقابل برداشت تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ اگر بیبیاں اجازت دیں تو ایک گھر میں قیام کر کے تکلیف سے بچیں۔ آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ اُنس تھا۔ اس لیے آپؐ جہاں پہنچائے جاتے وہیں دریافت فرماتے کہ میں کل کہاں ہوں گا؟ (یعنی کل کس حرم کی باری ہوگی؟) تمام امہات المومنین ایام رنجوری

اسی گھر میں مجتمع رہتی تھیں جہاں آپؐ منتقل کیے جاتے تھے۔ روز روز دوسرے دن کی باری پوچھنے سے امہات المومنین اس نتیجے پر پہنچیں کہ آپؐ حضرت عائشہ رضہ کے گھر رہنے میں خوش ہیں۔ چنانچہ بالاتفاق سب نے کہا ہم نے اپنی اپنی باری معاف کی۔ آپؐ جناب عائشہ رضہ کے حجرہ میں رہیں۔ چنانچہ آپؐ وہاں ٹھیرائے گئے۔ آخر وہیں انتقال کیا اور وہیں سپرد لحد ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ جس مرض میں آپؐ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ آپؐ نے اُس میں تمام ازواج مطہرات کو بلوا بھیجا اور فرمایا اب مجھ میں اس کی طاقت نہیں کہ باری باری سب گھروں میں جا سکوں۔ اس لیے اگر اجازت دو تو یہیں (حضرت عائشہؓ کے گھر میں) رہوں۔ سب نے بخوشی اس کی اجازت دی اور آپؐ تادم واپسیں وہیں قیام فرما رہے۔ (بخاری)

ظاہری برتاؤ میں مساوات

بیویوں میں ایسا انصاف و مساوات کہ میزان عدل کا کوئی پلّہ دوسری طرف نہ جھکے۔ مرد پر واجب ہے۔ لیکن وہ اس میں اُسی حد تک مکلف ہے۔ جہاں تک ظاہری معاملات یعنی شب باشی، خوراک پوشش اور دوسری ضروریات زندگی مہیّا کرنے اور حقوق خانہ داری کا تعلق ہے۔ دلی رابطہ اور قلبی رحجان کے کم و بیش ہونے میں مرد معذور ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم میں پورا پورا عدل ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی کہا کرتے تھے الٰہی! میری یہ تقسیم انہی امور میں ممکن ہے جو میری قدرت میں ہیں پس مجھے اُس چیز میں ملامت نہ کرنا کہ جس کا تو مالک ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

محبوب ترین زوجۂ مطہرہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ازواج میں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ لیکن یہ محبت ریشمین لباس اور طلائی زیورات کی صورت میں

کبھی ظاہر نہ ہوئی۔ تمام ازواج کا جو لباس تھا وہی حضرت صدیقہ کا بھی تھا۔ چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں۔ ما کانت لاحدانا الا ثواب واحد (ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک کپڑا تھا۔ بخاری) حضرت عائشہ رض گھر کے کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ خود آٹا گوندھتی تھیں۔ خود گھر کے کپڑے دھوتی تھیں آنحضرت ؐ کے کپڑے دھوتی تھیں (بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ کے وجوہ واسباب فضیلت

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رض میں بچپن ہی سے ذکاوت، جودت ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔ سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ شادی کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ دولت، حسن وجمال، حسب ونسب اور دینداری۔ لیکن تم ان اوصاف چہارگانہ میں دینداری کی تلاش کیا کرو (مسلم وابوداؤد) اسی اصول کے تحت وہی زوجۂ مطہرہ آپؐ کی زیادہ منظور نظر تھیں جو سب سے زیادہ متقی ومتدین تھیں اور جن سے دین کی خدمت سرانجام ہوئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تقویٰ وطہارت، خوف وخشیتِ الٰہی، حفظ احکام اور فہم مسائل میں تمام ازواج طاہرات سے ممتاز تھیں۔ اسی لیے آپؐ ان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔

البتہ اوائل دعوت میں جب مسلمان صدہا مشکلات کے حصار میں گھرے ہوئے تھے تو حضرت خدیجہ طاہرہ رضؓ کی ذات سے دین حنیف کو اس سے بھی زیادہ تقویت نصیب ہوئی۔ جو مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ رض سے ظہور میں آئی۔ اس لیے آپؐ ان کو ضعیف العمر ہونے کے باوجود بہت چاہتے تھے اور ان کی رحلت کے بعد جب کبھی آپؐ نہایت محبت بھرے الفاظ میں اُن کا ذکر خیر فرمایا کرتے تو حضرت عائشہ رض کو بھی ان پر رشک آجاتا تھا۔

ازواج میں سب سے حسین بی بی حضرت جویریہ رض تھیں۔ جب حضرت صدیقہ رضؓ نے پہلی مرتبہ ان کو دیکھا تو گھبرا اٹھیں اور انھیں اپنی ناقدری اور تخفیف رتبہ کا یقین

ہوگیا لیکن ان کا خیال غلط تھا کیونکہ قدر و منزلت کا باعث حسن و جمال نہیں بلکہ علم و فضل دینی خدمات اور تعلق باللہ تھا۔ جناب صدیقہ طاہرہ رضؓ میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودئ مزاج کے حاصل کرنے میں ہر وقت ساعی رہتی تھیں اور آپؐ کو کبیدہ خاطر دیکھ کر گھبرا جاتی تھیں۔ (مسند امام احمد)

امہات المومنین میں صرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی ہمسری کا زعم تھا۔ وہ دوسری ازواج طاہرات سے بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے ساتھ میرا عقد سات آسمانوں پر خود رب العالمین نے کیا اور تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کیے (ابن ماجہ) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ دوسری ازواج طاہرات اور بالخصوص ام المومنین حضرت زینب رضؓ چاہتی تھیں کہ رسول خدا اس محبت اور دلی تعلق میں بھی مساوات برتیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ عدل و مساوات آپؐ کے بس سے باہر تھا۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں قیام فرما تھے۔ حضرت زینب رضؓ خلافِ معمول اجازت لیے بغیر غصے میں بھری ہوئی اندر چلی آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپؐ کی نظر میں تو ابوبکرؓ کی بیٹی کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی سخت کلامی کی۔ لیکن آپ ضبط و تحمل کا پہاڑ تھے۔ اس لیے کسی بات کا کچھ جواب نہ دیا اب انھوں نے جناب عائشہؓ کا رخ کیا اور ان کو سخت سُست کہنے لگیں۔ لیکن حضرت صدیقہؓ نے تحمل و برداشت سے کام لیا اور مطلق لب کشائی نہ کی۔ جب حضرت زینب رضؓ کا دریائے خشم اور زیادہ موجزن ہوا تو آپؐ نے حضرت صدیقہؓ سے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے صفائی پیش کرو۔ حضرت عائشہؓ ایک تو حق پر تھیں۔ دوسرے نہایت اعلیٰ درجہ کی شُستہ بیان اور مقررہ تھیں۔ انھوں نے دو ہی تین باتوں میں حضرت زینبؓ کا ناطقہ بند کر دیا۔ یہاں تک کہ لعاب دہن ان کے منہ میں خشک ہوگیا۔ چونکہ حضرت زینب کا شکوہ بیجا تھا اور وہ سراسر زیادتی کر رہی تھیں۔ اس لیے جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو آنحضرتؐ کا رخ انور جگمگا اٹھا (ابن ماجہ)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینبؓ نے آکر یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ دوسری زوجات سے زیادہ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ جب سیدہ زینبؓ تقریر کر چکیں تو صدیقہ طاہرہؓ نے مرضی مبارک پاکر اس فصاحت سے تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہوگئیں۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو آخر ابو بکرؓ کی دختر (درخشندہ اختر) ہیں (بخاری وغیرہ)۔

فصل ۸

ترکہ سے محروم رکھنا

اہل عرب صنفِ ضعیف (عورتوں اور لڑکیوں) کو ترکہ کا کوئی حصہ نہ دیتے تھے وہ نابالغ لڑکوں کو بھی اس حق سے محروم رکھتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا کہ میراث وہ لے جو دشمن سے لڑ سکے اور تلوار چلا سکے۔ سرور دو جہاں علیہ التحیہ والسلام نے اس رسم کا بھی قلع قمع کر دیا۔

اس کی تقریب یہ پیدا ہوئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحُد میں شربت شہادت نوش فرمایا۔ ان کی بیوی حضرت سعدؓ کی لڑکیوں کو رسول اللہ کے پاس لائیں اور عرض پیرا ہوئیں یارسول اللہ! یہ دونوں سعدؓ کی بیٹیاں ہیں۔ جو آپ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شریک تھے اور آخر داد شجاعت دے کر شہید ہوئے ہیں۔ سعدؓ کے عم زاد بھائیوں سوید اور عرفجہ نے رواج کے مطابق سعد کی ساری جائداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب میں اپنی موجودہ بیوگی اور بے کسی کے عالم میں ان بچیوں پہ کہاں سے خرچ کروں اور افلاس و ناداری میں ان کا نکاح کس طرح کروں اس کے علاوہ یہ امر بھی حضور سے مخفی نہیں کہ لوگ عام طور پر اُس لڑکی سے نکاح کی رغبت کم کرتے ہیں جو بے زر و مال ہو۔"

آپ نے عرفجہ اور سوید کو بلا کر حکم دیا کہ سعدؓ کا ترکہ ابھی تقسیم نہ کرو کیونکہ اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہے لیکن ہنوز اس کی مقدار معلوم نہیں۔" یہ حکم پا کر عرفجہ اور سوید چلے گئے اور آپ حکم الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔ چنانچہ بارگاہ احکم الحاکمین عز اسمہٗ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ اللہ سبحانہ تمہاری اولاد کے بارہ میں تم

لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (الیٰ آخرہ) (۴:۱۱) کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو

اس فرمان کے بعد آپ نے حضرت سعد بن ربیع رضؓ کے عم زاد بھائیوں کو دوبارہ بلا بھیجا اور فرمایا کہ سعد کی دو بیٹیوں کو دو تہائی اور بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر جو باقی بچے وہ تم لے لو (ابن ماجہ و لباب النقول) غرض تمام جائداد چوبیس حصوں میں تقسیم ہوئی۔ سولہ حصے دو بیٹیوں کو، تین حصے بیوہ کو اور پانچ حصے بھائیوں کو ملے۔

یہ پہلا دن تھا کہ اس صنف نازک کی دادرسی کی گئی۔ اسلام نے شوہر کے ترکہ میں سے اس کا قرض ادا کرنا سب سے اول ضروری قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اگر شوہر کی اولاد ہو تو بیوی کو اس کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ اور نہ ہو تو چوتھا حصہ عطا کیا ہے۔

غیر مسلم کا اعترافِ حقیقت

اسلام نے جو جنسِ ضعیف کو میراث کا حصہ دے کر مظلوم عورتوں کے زخمِ دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا اس نے غیر مسلموں سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ مسٹر ہیوے لاک ایلیس نے سائیکالوجی آف سیکس میں لکھا۔

"عربوں نے اصلاح و ترقی کی طرف جو قدم اُٹھایا اس سے جنس ضعیف کو بہت فائدہ پہنچا خصوصاً میراث کے متعلق عورتوں کو خوب سیر چشمانہ اور فیاضانہ حقوق ملے۔ اس سے پیشتر مدینہ کے دستور قدیم کے بموجب عورتوں کو جائداد کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا لیکن جب محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ (منورہ) تشریف لائے تو قرآن نے وہاں کے قدیم رواج کو منسوخ کر کے عورت کو پہلے سے کہیں بلند سطح پر لا کھڑا کیا۔ (سائیکالوجی آف سیکس مطبوعہ لندن جلد ۶ صفحہ ۳۹۴)

فصل ۹

حائضہ کو گھر سے نکال دینا

جنس ضعیف پر مشرکین عرب اور یہود کا ایک ظلم یہ تھا کہ حائضہ کو انتہا درجہ کا نجس قرار دے رکھا تھا۔ جب کسی عورت کو ماہانہ ایام آتے تو اس بے گناہ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ اس کو گھر سے علیحدہ کر دیا جاتا اور گھر کے تمام افراد اس کے ساتھ کھانے پینے سے احتراز کرتے آخر اسلام آیا اور اس نے عورتوں کی اس تکلیف کو رفع کیا۔

حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ حائضہ عورتوں کو اپنے ساتھ کھلاؤ پلاؤ۔ ان کو گھروں میں رکھو۔ مقاربت کے سوا کسی قسم کا میل جول منع نہیں۔ جب یہود کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا علم ہوا تو کہنے لگے یہ صاحب ہماری ہر بات میں مخالفت کرتے ہیں۔" جب انصار نے یہود کا یہ مقولہ سنا۔ تو حضرت عباد بن بشیر انصاریؓ اور حضرت اسید بن حضیر انصاریؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور یہود کا یہ مقولہ بیان کر کے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! جب وہ حضور کو مخالف ہی سمجھتے ہیں تو پھر ان کی پوری پوری مخالفت کیوں نہ کی جائے اور ہم حالت حیض میں بھی علی رغم الف یہود کیوں مباشرت نہ کریں۔

چونکہ یہ مشورہ حق و صدق سے دور اور احکام شریعت کے خلاف تھا۔ اس لیے اللہ کے برگزیدہ رسول پر سخت شاق گذرا۔ آپ نے ان کی بات کا تو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ غصہ سے آپؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دونوں صاحبوں کو یقین ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اس ناراضی کی تاب نہ لا کر دونوں اٹھ کر اپنے گھروں کو چل دیے۔ اتنے میں کہیں سے دودھ آگیا آپؐ نے کسی کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ بلا لائے۔ جب وہ ڈرتے ڈرتے آئے تو آپؐ نے ان کو دودھ پلایا۔ اس وقت ان کی تسکین ہوئی کہ آپؐ ناراض نہیں ہیں (ترمذی ابوداؤد)

فصل ۱۰

حقوق نسواں سے بے اعتنائی

جس طرح یونان کا فلسفہ، اٹلی کی مصوری اور ایران کی نفاست پسندی دنیا بھر میں مشہور تھی۔ اسی طرح یورپ کی سرزمین میں رومن سلطنت کے ملکی قوانین سب سے اعلےٰ تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس اعلیٰ ترین قانون میں عورت شادی کے بعد شوہر کی زر خرید ہو جاتی تھی۔ اس کے تمام مملوکات خود بخود شوہر کی ملک ہو جاتے تھے۔ وہ کسی کی ضامن نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ مرتے وقت کوئی وصیت نہیں کر سکتی تھی۔ (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ رومن)

انگلستان میں بھی مدت تک رومن آئین سے ملتے جلتے قوانین نافذ رہے یعنی شادی کے بعد عورت کا وجود شوہر کی ملک ہوتا تھا۔ وہ خود کسی سے کوئی عہد و پیمان نہ کر سکتی تھی۔ اس کی تمام جائیداد شوہر کی ملک ہو جاتی تھی اور وہ جس طرح چاہتا اس میں تصرف کر سکتا تھا۔

یہودیوں کے ہاں نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اس کی قیمت منکوحہ کے باپ کو ملتی تھی۔ عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہاں یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا تھا۔ باپ مرتا تھا تو اس کی بیویاں بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں اور وہ ان کو بیویاں بنا لیتا تھا عرب میں جنس ضعیف سے دوسرے جو ظالمانہ سلوک ہو رہے تھے اس کی کسی قدر تفصیل اسی کتاب کے دوسرے مقامات پر آپ کی نظر سے گذرے گی۔

چونکہ دنیا میں صنفِ ضعیف ہمیشہ ذلیل رہی ہے۔ اس لیے کسی نامور آدمی کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا اسلام دنیا کا سب سے پہلا اور سب سے آخری مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی

کی اور عزت و حرمت کے ساتھ دربار میں ان کو مردوں کے پہلو میں لا بٹھایا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ مستورات کے ساتھ آپؐ کا طرز عمل اور حسن سلوک کیا تھا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع زندگی کا ایک مشہور واقعہ ایلاء ہے جبکہ آپؐ ازواج مطہرات سے مہینہ بھر کے لیے علیحدہ ہو گئے تھے۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلاء کی جو روایت ہے اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول منقول ہے کہ ہم لوگ مکہ میں عورتوں کو ناقابل التفات سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر کہ جس کی وہ مستحق ہیں۔ مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے ارشادات گرامی اور مؤکد احکام میں حقوق نسواں قائم کئے۔ آپؐ کے برتاؤ نے اس کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

آپؐ خواتین کی جائز درخواستوں کو ہمیشہ شرف قبول بخشتے تھے اور ان سے کبھی بے اعتنائی نہ فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ لکھا جاتا ہے۔ چونکہ دربار رسالت میں ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ خواتین کو پند و نصائح سننے کے بہت کم مواقع حاصل تھے۔ ایک دفعہ مستورات نے حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! ہم مردوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ہمارے لیے مردوں سے الگ ایک خاص دن مقرر فرما دیا جائے۔ آپؐ نے ان کی درخواست کو شرف پذیرائی بخشی اور اس دن سے خواتین کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا (بخاری کتاب العلم)

فصل ۱۱

دُختر کُشی کی رسم

اہل عرب میں جس قدر اخلاقی اور عملی رذائل پائے جاتے تھے۔ اُن میں سب سے زیادہ سفاکی اور بے رحمی کا کام لڑکیوں کو زندہ گاڑ دینا تھا۔ یہ نفرت انگیز کام خود والدین اپنی خوشی اور مرضی سے انجام دیتے تھے۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ بعض عرب تو لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی گڑھا کھود کر اس میں زندہ دبا دیتے تھے۔ بعض پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر لے جاکر گرا دیتے۔ بعض جنگل میں لے جاکر کسی کنوئیں میں دھکیل دیتے بعض بھیڑ کی طرح ذبح کر کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ اور امام ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ بعض سنگ دل اپنی دختر کو مارنے کے بعد کتے کو اس کا گوشت کھلا کر پالتے تھے۔

زید بن عمروؓ کی کفالتِ دختراں

نزول وحی سے کچھ مدت پیشتر زید بن عمرو بن نُفَیل نامی ایک موحّد ملتِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ جو کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھُری پھیرنا یا اس کو زندہ درگور کرنا چاہتا تھا تو اُس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اُس کے باپ سے کہتے کہ جی چاہے تو لے لو۔ ورنہ میری ہی کفالت میں رہنے دو۔ (بخاری باب حدیث زید)

زید بن عمروؓ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حقیقی چچا تھے۔ ان کے مفصل حالات راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" (فصل ۶۶) میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴۰ لڑکیوں کی جان بچانے والے صحابی

ناجیہ نام ایک صحابی جب مشرف باسلام ہونے کے لیے بارگاہ نبوی میں حاضر

ہوئے تو انھوں نے قبول اسلام کے بعد دریافت کیا یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں جو نیک کام کیے ان کا بھی مجھے اجر ملے گا یا نہیں؟ فرمایا وہ کیا کام تھے؟ بولے ایک مرتبہ میری دو اونٹنیاں گم ہو گئی تھیں۔ میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں دو مکان دکھائی دیے۔ میں ان کی طرف گیا۔ ایک مکان میں ایک پیر مرد نظر آیا۔ اُس سے میں باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں آواز آئی کہ گھر میں ولادت ہوئی۔ بوڑھے نے پوچھا کیا ہوا؟ جواب آیا لڑکی۔ اس نے کہا اس کو دفن کر دو۔ میں نے بڈھے سے کہا دفن نہ کرو میں اس کو خریدتا ہوں۔ چنانچہ میں اس لڑکی کو خرید کر اپنے گھر لے آیا۔ اسی طرح میں نے ظہور اسلام سے پہلے قریباً ساٹھ دفن ہونے والی لڑکیوں کو بچایا۔ اس کا مجھے کچھ اجر ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا چونکہ اب خدائے برتر نے تمھیں شرف اسلام سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس لیے تمھیں ان نیکیوں کا اجر بھی ملے گا۔ (اسد الغابہ)

دختر کشی کا کفّارہ

قیس بن عاصم تمیمی نام ایک عرب جب مدینۃ الرسول میں آکر دائرہ ایمان میں داخل ہوئے تو انھوں نے بارگاہ نبوت میں گذارش کی یا رسول اللہ! میں اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑتا رہا ہوں۔ کوئی ایسی صورت بھی ہے جس سے اس جرم کی تلافی ہو جائے؟ آپؐ نے فرمایا قیس! تمھیں ہر لڑکی کے عوض میں ایک بُردہ آزاد کرنا چاہیئے۔ قیسؓ نے جواب دیا حضورؐ! میرے پاس ان اونٹوں کے سوا جو میرے قبضہ میں ہیں اور کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر لونڈی غلام نہیں ہیں تو ہر لڑکی کے عوض میں ایک اونٹ کی قربانی ضروری ہے (مسند بزار و طبرانی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دختر کشی اتنا بڑا جرم تھا کہ جس کا کفارہ قبول اسلام کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہوا حالانکہ اسلام اپنے تمام سابقہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے مگر یہ مسئلہ مستثنیات کے حکم میں ہے۔

اعترافِ جرم

قیس بن عاصم مذکور کے مشرف باسلام ہونے کے بعد بعض انصار نے لڑکیوں

کے زندہ درگور کرنے کا واقعہ ان سے دریافت کیا۔ انھوں نے سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیان کیا کہ میرے گھر میں جو لڑکی پیدا ہوتی۔ میں اُسے گڑھے میں دبا دیتا تھا۔ کیوں کہ اس کے زندہ رہنے میں مجھے عار آتی اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا گاڑتے وقت کسی لڑکی پر کبھی رحم بھی آیا تھا یا نہیں؟ تو کہنے لگے ہاں ایک بیٹی پر رحم آیا تھا۔ جو میرے سفر کے ایام میں پیدا ہوئی تھی اور اس کی والدہ نے اس کو اپنی بہنوں کے پاس بھیج دیا تھا۔ جب میں سفر سے واپس آیا اور اپنی بیوی سے اس حمل کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ تمھارے جانے کے بعد ایک مردہ بچہ پیدا ہوا تھا جسے دفن کر دیا گیا تھا۔ میں اس جواب پر مطمئن ہو کر خاموش ہو گیا۔ کئی سال اسی طرح گذر گئے۔

لڑکی کا قریب البلوغ ہونا اور ماں سے ملنے آنا

قیسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب میں وطن سے باہر تھا تو لڑکی چوری چوری اپنی ماں سے ملنے آئی۔ وہ اس وقت قریب البلوغ تھی۔ اتفاق سے میں بھی واپس آکر اچانک گھر آنکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری بیوی نے ایک خوبصورت لڑکی کے بالوں میں کنگھی کر کے موباف ڈال رکھا ہے اور بالوں میں چھوٹی چھوٹی کوڑیاں پرو رکھی ہیں اور اُسے یمنی اشرفیوں کا ہار بھی پہنا رکھا ہے۔ میں نے بیوی سے پوچھا یہ کس کی لڑکی ہے؟ یہ سن کر بیوی رونے لگی۔ آخر روتے روتے ظاہر کر دیا کہ یہ تمھاری وہی بیٹی ہے جو تمھارے سفر میں جانے کے بعد پیدا ہوئی تھی اور میں نے مادری محبت سے مجبور ہو کر اسے چھپا رکھا تھا۔ یہ سن کر میں بظاہر خاموش اور انجان بن گیا۔ لیکن دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ کسی دن اس کو ٹھکانے لگا دوں گا۔

باپ سے سوال کہ کس جرم کی پاداش میں مجھے گاڑتے ہو؟

قیسؓ کہتے ہیں کہ جب اس لڑکی کی ماں کو اطمینان ہو گیا کہ میں اسے ہلاک نہیں

کروں گا تو ایک دن اسے چپ چاپ باہر لے گیا اور اس کو دفن کرنے کے لیے گڑھا کھودنے لگا۔ وہ میرے پاس بیٹھی میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور ابا ابا کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔ وہ ساتھ ہی ساتھ میرے کپڑوں سے مٹی بھی جھاڑ رہی تھی۔ جو گڑھا کھودنے میں میرے کپڑوں پر پڑ رہی تھی اُسے کیا خبر تھی کہ میں یہ گڑھا اُسی کے لیے کھود رہا ہوں۔ جب گڑھا خوب گہرا ہو گیا تو میں نے جھٹ لڑکی کو اُٹھا کر اس میں پھینک دیا اور جلدی سے اُس کے اوپر مٹی ڈالنے لگا۔ وہ کہتی جاتی تھی میرے باپ تم میرے ساتھ یہ کیا سلوک کر رہے ہو اور میں نے کیا قصور کیا ہے کہ زمین میں گاڑتے ہو؟ لیکن میں نے ایک نہ سنی اور اس پر برابر مٹی ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ چھپ گئی اور اس کی آواز بند ہو گئی۔ اس لڑکی کا قلق آج تک میرے دل میں ہے۔

یہ المناک واقعہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اشک بار ہو گئے اور فرمایا یہ بڑی سنگ دلی ہے۔ جو شخص رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

ایک اور جگر دوز واقعہ

اسی طرح ایک اور صحابی نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے عہد جاہلیت کا واقعہ بیان کیا کہ عرب میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا کہیں کہیں رواج تھا۔ میری ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ میں نے بھی انتہائی شقاوت کے ساتھ اسے زندہ زمین میں گاڑ دیا۔ وہ روتی اور ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس کے نالہ و شیون کی طرف سے کان بہرے کر کے اس پر مٹی ڈال رہا تھا۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگر دوز واقعہ کو سنا تو آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مکرر بیان کرو۔ صحابی مذکور نے اس المناک واقعہ کو دوبارہ بیان کیا۔ آپؐ زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ روتے روتے ریش مبارک بالکل تر ہو گئی۔ (مسند دارمی)

لڑکیاں شرم و عار کا باعث تھیں

باوجودیکہ اہل عرب کے عقیدہ میں فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ مگر پھر بھی لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔ رب ودود نے ان لوگوں کی اس ذہنیت پر تعریض کرتے ہوئے اپنے کلام پاک میں فرمایا۔ (ترجمہ) اور (فرشتوں کو) خدا کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ سبحان اللہ خدا کے لیے بیٹیاں اور ان کے لیے (من مانے) بیٹے اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی "خوش خبری" سنائی جائے تو رنج کے مارے اس کا منہ کالا پڑ جائے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے اور جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے اور دل میں منصوبے سوچے کہ بیٹی کو بحالت ذلت لیے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے (۱۶: ۵۹)

یعنی باوجود اس کے کہ خود بیٹیوں سے عار رکھتے ہیں لیکن خالق ارض و سماء کے لیے بیٹیوں کا ہونا موجب عار نہیں سمجھتے حالانکہ وہ بیٹے بیٹی سے بے نیاز ہے۔

قتل بنات کا دوسرا سبب

قتل دختراں کا دوسرا سبب عربوں کا عام فقر و افلاس تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ لڑکی ہوگی تو اس کی ضروریات زندگی کا بوجھ ناحق سر پر پڑے گا۔ اس لیے وہ اس کے خون ناحق سے ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ اپنا رزق اور اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو نہیں کھلاتا بلکہ خدا ئے برتر ہی سب کو کھلاتا ہے اور وہی ہر جان دار کی روزی کا میر سامان ہے۔ اور خود رب السمٰوٰتِ والارض نے فرمایا:۔

(ترجمہ) اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اس کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ (۱۷: ۳۱)

مولانا اشرف علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جاہلیت میں بعض آدمی بیٹیوں کو خوف فقر سے مار ڈالتے تھے۔ پس اس آیت میں اولاد سے مراد بنات ہوں گی۔ اور اولاد

کے عنوان سے تعبیر کرنا اظہار تعلق واختصاص کے لیے ہے کہ جوشِ ترحم ہو۔"

شرک کے بعد لڑکی کا قتل سب سے بڑا گناہ ہے

ایک مرتبہ ایک صحابی نے ہادئ دین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بہت بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ (اس کی ذات، صفات، استعانت اور بندگی میں) کسی کو شریک ٹھہرانا۔ پوچھا۔اس کے بعد؟ فرمایا اپنی بچی کو قتل کر دینا۔ پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ اس ارشاد کے بعد سورۂ فرقان کی یہ ۶۹ ویں آیت اُتری (ترجمہ) اور اللہ کے خاص بندے وہ (بھی) ہیں جو اللہ کے ساتھ بحیثیت معبود کسی دوسرے کو نہیں پکارتے اور جس کی بلا وجہ جاں ستانی کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کے قتل سے باز رہتے ہیں اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اور جو کوئی ان افعال کا مرتکب ہوگا اسے ان کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر مبتلا رہے گا۔ (ابوداؤد)

لڑکیوں کا وجود باعث رحمت ہے

الغرض جاہلی عرب میں لڑکیوں کا وجود عموماً بلا ومصیبت، اور سخت منحوس سمجھا جاتا تھا لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے اس کو رحمت بنا دیا۔ لڑکیاں مومنوں کے لیے کہاں تک موجب رحمت اور باعث برکت ہیں۔ اس کی تفصیل ۲۶ ویں فصل میں زیر عنوان "لڑکیوں کی تحقیر" ہدیۂ ناظرین کرام کی گئی ہے ۔

فصل ۱۲

ذی محرم عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا

عرب میں ایک ظلم یہ تھا کہ دو حقیقی بہنوں یا بیوی کی حقیقی خالہ یا پھوپھی سے بیک وقت نکاح کر لیتے تھے۔ جس سے اقرباء میں شجر بغض و نفاق کی بیماری ہوتی رہتی تھی اور یگانوں میں پھوٹ پڑتی تھی۔ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت کر کے اس خرابی کا انسداد فرمایا۔ آپ نے حکم دیا کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ جمع نہ کیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

فیروز دیلمیؓ نے بارگاہ نبوی میں گذارش کی یارسول اللہ! میں مسلمان ہوا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک کو رکھ لو اور دوسری کو علیحدہ کر دو۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا امیر معاویہ کی بہن تھیں۔ ان کی ایک ہمشیر کا نام عزہ بنت ابوسفیان تھا۔ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ نے التماس کی یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ میری بہن عزہ کو بھی شرف زوجیت سے سرفراز فرمائیں۔ اس وقت انھیں معلوم نہ ہوگا کہ اسلام نے دو بہنیں ایک نکاح میں جمع کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ تمھاری بہن تمھاری سوکن بنے؟ انھوں نے جواب دیا کہ کچھ میں اکیلی ہی تو آپ کی بیوی نہیں ہوں۔ حضور کی اور بھی بیبیاں ہیں اور میری خواہش ہے کہ میری ہمشیر بھی اس شرف سعادت سے بہرہ اندوز ہو۔ آپ نے فرمایا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ (ابن ماجہ)

قاعدہ یہ ہے کہ ان دو عورتوں کا جمع کرنا جائز نہیں جن میں ایسا رشتہ ہو کہ اگر ایک کو

مرد فرض کریں تو دوسری سے اس کا عقد جائز نہ ہو۔ پس خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر ایک کو طلاق دی جائے تو اس کی خالہ یا بھانجی سے عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے۔ اگر مرد کسی عورت اور اس کے باپ کی مطلقہ جورو کو جو اس کی ماں نہیں یا ایک عورت اور اس کے بیٹے کی جورو کو پہلے شوہر سے ہو جمع کرلے تو اس میں کچھ قباحت نہیں کیونکہ ان میں باہم کوئی رشتہ نہیں

فصل ۱۳

طلاقوں کا غیر متناہی سلسلہ

ظہور اسلام سے پہلے عرب میں طلاقوں کی کوئی حد یا تعداد مقرر نہ تھی۔ مرد جس قدر طلاقیں بھی بیوی کو دے۔ عدت کے اندر رجوع کر سکتا تھا اگرچہ ہزار مرتبہ طلاق دے اور رجوع کرے۔ ظالموں نے بیکس منکوحات کی ایذا رسانی کے لیے معمول کر رکھا تھا کہ بلا تعداد طلاقیں دیتے اور پھر عدت کے اندر رجوع کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ بیچاریاں ہمیشہ بیچ میں معلق رہتی تھیں۔ نہ تو جفا پیشہ مردان کو بساتے تھے اور نہ آزاد کرتے کہ بیچاریاں کہیں اور ہی اپنے لیے ملجاء و ماویٰ تلاش کر لیں۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالمانہ رواج کو ختم کر دیا (موطائے امام مالکؒ، ترمذی، نسائی)

ایک شخص نے رسم جاہلیت کے مطابق اپنی بیوی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ اس کو طلاق دی اور جب عدت گذرنے لگی تو رجعت کر لی۔ پھر دوبارہ طلاق دی اور اس سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم! نہ تجھے اپنے ساتھ ملاؤں گا اور نہ کسی اور سے ملنے دوں گا رب جلیل نے اپنے حبیب و خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ حکم بھیجا کہ مرد تین طلاقوں کا مالک ہے۔ اس کے بعد اسے رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ (طلاق رجعی جس میں رجوع ممکن ہے) دو ہی مرتبہ کی ہے
اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ط .... اس کے بعد یا تو خوش اطواری کے ساتھ گھر میں
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ رکھ لیں یا خیر و خوبی کے ساتھ رخصت کر دیں۔
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ .... اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ پھر وہ اپنی عدت ختم کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو پھر یا

بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ ؕ
سورہٗ بقرہ آیات ۲۲۹، ۲۳۱)

تو ان کو رجعت کر کے خوش عنوانی سے نکاح میں روک لو یا حُسنِ اُسلوب سے رخصت کر دو لیکن تکلیف دہی اور ظلمرانی کے ارادہ سے ان کو مت روکو اور جو شخص ایسا کرے گا وہ اپنے لیے ہلاکت (اُخروی) کا سامان کریگا۔

پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلاق کا طریقہ یہ سکھلایا کہ مرد ایک طُھر میں ایک طلاق دے۔ دوسرے طُھر میں دوسری اور تیسرے میں تیسری۔ اگر اس اثناء میں میاں بیوی میں باہم موافقت ہو جائے تو طلاقوں کی تعداد تین تک پہنچنے سے پہلے باہم رجوع کر سکتے ہیں غرض آپ نے قطعی جدائی کے لیے تین حیض گذرنے کی مدت اس لیے مقرر فرمائی کہ اس عرصہ میں دونوں باہم میل جول کر لیں اور اگر طلاقوں کی تعداد تین تک پہنچنے کے بعد بھی موافقت نہیں ہوئی تو پھر علیحدگی ناگزیر ہے۔

فصل ۱۴

طلاق کے بعد محبوس رکھنا

عرب میں یہ بھی ایک مذموم رسم جاری تھی کہ اکثر لوگ بیوی کو طلاق دے کر گھر میں محبوس اور پابند رکھتے تھے اور ان کو نکاح ثانی نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس سے کبھی تو خواہ مخواہ مطلقہ کو ستانا منظور ہوتا تھا اور کبھی یہ مقصد ہوتا تھا کہ اس کو دق کر کے ادا کیا ہوا مہر واپس لیں یا معاف کرا لیں یا کوئی حصہ چھڑوا لیں۔

اور کبھی مطلقہ کو نکاح ثانی سے اس لیے روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح میں جانا عار خیال کیا جاتا تھا۔ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام خرابیوں کی بھی اصلاح فرمائی اس اصلاح کے سلسلہ میں قرآن کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

اور ان کو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ان پر ظلم و زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کریگا وہ اپنی جان پر ظلم کریگا اور جب

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو اس بات سے ان کو نہ روکو کہ وہ (آئندہ چل کر دوسرے) شوہروں سے نکاح نہ کریں۔

(سورہ بقرہ آیت ۲۳۱)

فصل ۱۵

ظہار کی رسم

اسلام سے پہلے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے محرمات نسبی یا عارضی سے تشبیہہ دیتا۔ مثلاً کہتا کہ تم میری ماں بہن ہو یا میری ماں بہن کی جگہ ہو یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہہ دیتا جس کا دیکھنا حرام ہے جیسے کہتا کہ تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں یا بہن کی پیٹھ یا ران وغیرہ تو میاں بیوی میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جاتی تھی۔ اس کو اصطلاح شرع میں ظہار کہتے ہیں۔ اب بھی یہ حکم ہے کہ جب تک کفارۂ ظہار ادا نہ کیا جائے عورت مرد پر حرام رہتی ہے۔ گو ظہار سے طلاق نہیں پڑتی لیکن اس سے قربت حرام ہو جاتی ہے۔ عہد جاہلیت میں اگر مرد غصے میں آ کر بیوی سے ظہار کر بیٹھتا تو دونوں میں دائمی جدائی ہو جاتی اور عورت ساری عمر مرد پر حرام سمجھی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ظہار میں انتہا درجہ کی خانہ بربادی تھی۔ اسلام نے کفارہ کے ذریعہ سے اس تباہ کاری کی تلافی فرما دی۔

ایک مرتبہ اوس بن صامت انصاری رضؓ نے جو حضرت عبادہ بن صامت رضؓ کے بھائی تھے غصے میں آ کر اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضؓ کو اس قسم کا کلمہ کہہ دیا۔ بعد میں دونوں سخت نادم ہوئے۔ اب محترمہ خولہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے ظہار کا شکوہ کرنے لگیں۔ اس وقت آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ خولہ رضؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! ظہار کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟

چونکہ اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ تھا اور اس کے متعلق ہنوز کوئی خدائی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور شرائع سابقہ میں ظہار کرنے والے مرد پر عورت

ابد اًحرام ہو جاتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اب تمہارے اتحاد و اجتماع کی کوئی صورت نہیں ہے۔" یہ سن کر حضرت خولہؓ اپنے خاوند کی شکایت کرنے لگیں کہ حضورؐ میری جوانی کا زمانہ جاتا رہا۔ میں نے اپنا حسن و جمال اپنے شوہر کے گھر میں گزارا۔ اعزا و اقارب چھوٹ گئے اور میں بوڑھی ہو گئی تو وہ اب مجھ سے ظہار کر بیٹھا ہے۔ لیکن اب وہ اپنی اس حرکت سے سخت نادم ہے۔ کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ ہم دونوں پھر مل بیٹھتے۔

آپؐ نے فرمایا کہ اب تمہارا باہمی تعلق منقطع ہو گیا۔ خولہؓ سخت مضطرب ہوئیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! اس صورت میں گھر بالکل تباہ ہو جائیگا۔ بچے پریشان مارے مارے پھرینگے نہ کوئی والی وارث ہوگا نہ سرپرست۔ جب آنحضرتؐ کی طرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا تو محترمہ خولہؓ نے درگاہ خداوندی کی طرف رجوع کیا اور گڑگڑا کر ان الفاظ میں اظہار کرب و اضطرار کرنے لگیں بار خدایا! میرے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں ان کو شوہر کے سپرد کردوں تو کس مپرسی میں برباد ہو جائیں گے اور اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوکے مرینگے اور ہم خود بھی ایک دوسرے سے الگ ہو کر تباہ حال رہیں گے اور بالخصوص میرا تو تیری ذات پاک کے سوا دنیا میں کوئی سہارا ہی نہیں ہے۔ الٰہی مجھ بیچاری کا تو ہی مالک ہے۔ میری فریاد رسی کر۔ مجھے اس غم سے نجات دے اور اس بارے میں اپنے رسول پر کوئی حکم نازل فرما جس سے میری مصیبت دور ہو۔"

اتنے میں آپ پر آثار وحی ظاہر ہونے لگے۔ حضرت خولہؓ اب تک عرض معروض کر رہی تھیں۔ ام المومنین نے فرمایا خولہ! اب خاموش ہو جاؤ۔ کیا تم حضورؐ کے رخ انور کو نہیں دیکھتیں کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس وقت سورۂ مجادلہ کی پہلی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"حق تعالےٰ نے اس عورت کی عرضداشت سنی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی اور خدا کے سامنے اپنی شکایت کرتی تھی۔ خدا تمہاری گفتگو سن رہا تھا اور وہ تو ہر چیز کا شنوا و بینا ہے۔ بعض لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں لیکن وہ اس تشبیہ سے ان کی مائیں نہیں

بن جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے (ظہار میں) یہ لوگ ایک نامعقول بات کہتے اور دروغ گوئی کرتے ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ عفو کرنے والا آمرزگار ہے۔ جو لوگ ظہار کرنے کے بعد اپنے قول کی تلافی کرنا چاہتے ہوں وہ اختلاط سے پیشتر ایک لونڈی یا غلام آزاد کریں۔ اس حکم میں تمھارے لیے نصیحت ہے اور اللہ عزاسمہٗ کو تمھارے تمام اعمال و کردار کی پوری اطلاع ہے۔ جس کو لونڈی غلام میسر نہ ہوں، وہ اختلاط سے پہلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے۔ جس کسی کو روزوں کی استطاعت نہ ہو۔ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ کے مطیع و منقاد رہو۔ احکام مذکورہ خدائی آئین و ضوابط ہیں۔"

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے فراغت پاکر حضرت خولہؓ سے فرمایا کہ اپنے شوہر کو بلالو۔ جب وہ آئے تو آپؐ نے ان کو یہ آیتیں سنائیں اور فرمایا کہ ان میں سے جونسا چاہو کفارہ ادا کرو۔ (لباب النقول و لبغوی)

فصل ۱۶

کثرت ازواج کا رواج

عرب میں نکاحوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی اور اہل عرب کثیر الازواجی میں ضرب المثل تھے۔

قبیلۂ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن مسلمہ رض جب اسلام لائے تو اس وقت ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں۔ وہ عورتیں بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ آپ نے غیلان رض سے فرمایا کہ چار کو رکھ کر اوروں کو علیحدہ کر دو۔ انھیں چھ بیویوں سے مفارقت اختیار کرنی پڑی (موطائے مالک، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) وہب بن زمعہ بن مطلب اسدی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت اُن کی آٹھ ازواج تھیں۔ انھوں نے حسب فرمان نبوی چار کو رکھ کر باقی کو علیحدہ کر دیا۔ (ابوداؤد)

نوفل بن معاویہ دیلی رض کی پانچ منکوحہ تھیں۔ جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں حکم دیا کہ چار کو رکھ لو اور ایک کو علیحدہ کر دو۔ انھوں نے ایک کو علیحدہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ) قیس بن حارث صحابی رض مشرف باسلام ہوئے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو علیحدہ کر دو۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ (ابن ماجہ)

فخر عالم ؐ کا تعدد ازواج

تعدد ازواج النبی کے حِکَم و مصالح پر دوسری فصل میں روشنی ڈالی گئی تھی اصل یہ ہے کہ خدا کے بعض مرسلوں کو تبلیغی اور ملی ضروریات کے تحت بعض خصوصیات

سے بھی نوازا جاتا تھا جن میں سے ایک کثرت ازدواج تھی۔ اگر کبھی افراد یا قوموں میں کینہ و عداوت ہو اور پھر نکاح کی بدولت ان کا آپس میں کوئی رشتہ قائم ہو جائے تو عداوت مرتفع ہو کر محبت اس کی جگہ لے لیتی ہے اور جہاں عداوت نہ ہو وہاں محبت روبہ ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ نکاح کے بعد بیوی کے بھائی بہنوں سے اتنی الفت اور شیفتگی ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات اپنے حقیقی بھائی بہنوں سے بھی نہیں ہوتی۔ اسی معنیٰ میں سلطان دارین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نکاح سے بڑھ کر ازدیادِ محبت کا کوئی اور ذریعہ نہیں دیکھا گیا۔ (ابن ماجہ) چنانچہ حضورؐ نے جو عقد کئے ان میں سے اکثر ایسے تھے جو رفع وحشت و عداوت اور ازدیاد انس و محبت کے پیش نظر کئے گئے تھے۔

علاوہ ازیں بیواؤں کی پرورش اور ان کی دستگیری بھی آپؐ کا ایک مقصد تزویج تھا۔ محض اس مفلوک الحال طبقہ کی اعانت کے لیے آپ بیوہ کے نکاح کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ بجز حضرت عائشہ صدیقہؓ کے آپؐ نے جتنے عقد کیے وہ سب بیواؤں ہی سے کیے۔ آپؐ نے سب سے پہلی شادی عین عالم شباب میں جب کہ آپؐ کا سن مبارک پچیس برس کا تھا ایک چہل سالہ خاتون حضرت خدیجہؓ سے کی تھی۔ کیا دنیا کا کوئی نوجوان اتنی سن رسیدہ عورت سے عقد کرنے پر بخوشی آمادہ ہو سکتا ہے؟

تعدد ازدواج کی ضرورت

حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بیک وقت چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حمل اور رضاعت کی مدت میں جو ڈھائی تین سال تک چلی جاتی ہے۔ تعلقات زناشوئی کو طباً و عقلاً ناروا قرار دیا گیا ہے اور اس طویل عرصہ تک مرد کے فطری جذبات کو دبا کر مفاسد و فتن کے دروازے کھولنا کسی طرح قرین دانش نہ تھا۔ اس لیے شریعت اسلامی نے تعدد ازدواج کی اجازت دیدی۔

علاوہ ازیں مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس قسم کی ہے کہ ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کی تسکین کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ مرد اور عورت کے ملاپ کی حالت میں مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ عورت کے لیے تین چار منٹ کے عمل کے نتائج کا سلسلہ مدت رضاعت ملا کر ڈھائی تین سال تک چلا جاتا ہے۔ پھر حمل کے بغیر بھی ہر جوان اور تندرست عورت کے لیے ہر مہینہ میں ہفتہ عشرہ کی معذوری ایک فطری امر ہے۔

اور وہ قانونی نظام سخت ناقص ہے جو مرد کی طبعی ضرورت اور عورت کی طبعی مجبوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لیے کوئی سہولت جائز نہ رکھے۔ بالخصوص ان گرم ملکوں کے لیے جہاں کے مردوں کو ایک دن بھی جنسی اختلاط کے بغیر چین نہیں پڑتا اور عورت کی یہ حالت ہے کہ تیس چالیس سال کی عمر میں چار پانچ بچے جن کر بڑھیا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مرد کے لیے یہ عین جوشِ جوانی اور ہیجان خیز جذبات کا زمانہ ہے اور جوشِ جوانی میں ایسی بڑھیا از کار رفتہ کی طرف مرد کا میلان طبع نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں مرد کو تعدد ازواج کی ممانعت کر کے حرام کاری کا دروازہ کھولنا ایک آسمانی ابدی قانون کے لیے ممکن نہ تھا۔ ان حالات میں مرد کے لیے تعدد ازواج کی اجازت ناگزیر تھی۔

ظاہر ہے کہ جس طرح بھوک پیاس پاخانہ پیشاب خواص انسانی میں داخل ہیں اسی طرح اگر مرد کے اعضا میں فتور نہیں تو اس کے لیے منی کا اخراج بھی ضروری ہے۔ ایسی حالت میں جوان عورت کی طرف اس کو رغبت ہوتی ہے۔ یہ طبعی تقاضا ہے جو کسی طرح رک نہیں سکتا۔ پس مومن متقی اس تقاضے کو اس کے محل میں صرف کرتا ہے۔ اور فاسق بے محل کام میں لاتا ہے۔ جس شریعت نے مسلمان کو حرام کاری سے بچنے کے لیے یہاں تک تہدید کی کہ جو کوئی پرائی عورت کو دیکھے گا قیامت کے دن پگھلا ہوا سیسہ اس کی آنکھوں میں ڈالا جائے گا۔ اگر وہ شریعت مرد کو حسب ضرورت تعدد ازواج کی اجازت نہ

دیتی تو وہ خدائی اور مطابق فطرت شریعت نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔ الغرض تعدد ازواج کی اجازت بالکل فطرت کے مطابق ہے۔ جن لوگوں میں متعدد نکاح کا دستور نہیں اور اُن میں اُسی بڑھیا کج خُلق بد سلیقہ ہی کو گلے باندھنے کی تاکید ہے۔ ان کے حالات کا جائزہ لیجئے تو آپ پر واضح ہو گا کہ ان کو کیا کیا مشکلات پیش رہتی ہیں۔ کہیں عورت کو زہر دے کر مارا جاتا ہے اور کہیں اس کی ہلاکت کے لیے ڈاکٹروں سے مدد لی جاتی ہے

فصل ۱۷

لڑکیوں کی توہین و تحقیر

لڑکیوں کو لڑکوں کے ہمدوش کرنا

اہل عرب لڑکیوں کو نہایت درجہ حقیر اور منحوس خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دختر کا تولد موجب صد ذلت و خسران اور منحت عار تھا۔ اسی بنا پر ان بیچاریوں سے سخت توہین آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ کھانے کپڑے اور تمام دوسری ضروریات زندگی میں نہ صرف لڑکوں کو ہر طرح سے اُن پر ترجیح دی جاتی تھی۔ بلکہ وہ بیچاریاں محض حقیر، پس ماندہ اور بچی کھچی چیزوں کی مستحق خیال کی جاتی تھیں۔ اور یہ استحقاق بھی صدقہ و خیرات کا پہلو لیے ہوئے تھا۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس مظلوم طبقہ کی دادرسی کی اور ذلت و مظلومی کے عمیق گڑھے سے نکال کر انھیں لڑکوں کے ہمدوش کر دیا۔

بیٹی پر بیٹوں کو ترجیح نہ دینے کی فضیلت

حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے شخص اپنی بیٹی کو زندہ گاڑا۔ نہ اس کو ذلیل رکھا اور نہ (کھانے پینے لباس اور عام برتاؤ میں) اس پر بیٹوں کو ترجیح دی تو حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا (ابوداؤد) اور فرمایا کہ جو شخص تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی پرورش کرے۔ ان کو اچھی طرح ادب سکھائے اور ان پر اس وقت تک برابر شفقت کرتا رہے جب تک وہ اس کی کفالت سے مستغنی نہ ہو جائیں۔ (یعنی بیاہی جا کر اپنے گھروں کو چلی جائیں) حق تعالیٰ اس کے لیے بہشت واجب کر دیتا ہے۔ ایک صحابی عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا دو کی پرورش کا بھی یہی ثواب ہے فرمایا! ہاں دو کا بھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں

فرماتے ہیں کہ اگر حاضرین میں سے کوئی صاحب ایک بیٹی یا بہن کی نسبت دریافت کرتے تو آپؐ ایک کی پرورش و کفالت کا بھی یہی ثواب بتاتے (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ)

سیدالمرسلینؐ کی رفاقت کا مژدۂ جانفزا

آنحضرتؐ نے فرمایا جو کوئی (اپنی یا بیگانہ) لڑکیوں کی اُس وقت تک برابر پرورش کرتا رہے جب تک وہ عمر جوانی تک نہ پہنچ جائیں۔ وہ قیامت کے دن اس طرح میرے ساتھ ہوگا۔ جس طرح میری یہ دو انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں۔ (بخاری) دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ بالغ ہوجائیں وہ اور میں (ہاتھ کی دو انگلیوں کو ملا کر اور ان کی طرف اشارہ کرکے) اس طرح (اکٹھے) جنت میں داخل ہوں گے۔ (مسلم و ترمذی) اور فرمایا جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش کی۔ ان کی تعلیم و تربیت کی۔ اور ادب و سلیقہ سکھایا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہا۔ پھر ان کی شادی کردی اس کے لیے جنت ہے (ابوداؤد، ترمذی) اور فرمایا جس کسی کے ہاں بہن یا بیٹی یا کوئی اور لڑکی ہو۔ نہ اس کو زندہ درگور کرے۔ نہ اس کی توہین کرے۔ اور نہ اُس پر لڑکے کو ترجیح دے تو حق تعالےٰ اُس کو جنت میں داخل کریگا (ابوداؤد)

افضل ترین صدقہ بیٹی کی کفالت ہے۔

ایک مرتبہ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضہ سے فرمایا کیا میں تم کو افضل صدقہ اور بہترین خیرات بتاؤں؟ انھوں نے کہا ہاں فرمائیے یارسول اللہ فرمایا سب سے افضل و برتر صدقہ اپنی اُس بیٹی کی پرورش و کفالت کرنا ہے جو (شوہر کی موت یا طلاق مل جانے کی وجہ سے) تمھارے پاس واپس آگئی ہو۔ اور تمھارے سوا اُس بے چاری کا کمانے والا بھی کوئی نہ ہو (ابن ماجہ) اور فرمایا جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی پیدائش اور موجودگی پر تنگ دل نہ ہو اور ان کو اپنی کمائی میں سے دل کھول کر کھلائے پلائے، اور پہنائے تو وہ تینوں قیامت کے دن

اس کے لیے عذابِ دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔ (ابن ماجہ) اور فرمایا جس کی دو بیٹیاں جوان ہو جائیں اور جب تک وہ اس کے پاس رہیں اُن سے برابر مشفقانہ سلوک کرتا ہے تو وہ اس کے لیے جنت کا ذریعہ بن جائیں گی (ابن ماجہ)

ان ارشاداتِ عالیہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لڑکی کا تولد والدین کے لیے کس قدر موجب خیر و برکت اور باعثِ رحمت و سعادت ہے۔

بناتِ طاہرات کے ساتھ آنحضرتؐ کا مشفقانہ برتاؤ

یہ تو معلّم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی۔ اب یہاں اس چیز پر قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے کہ خود اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا تھا؟ آپؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ زینب، سیدہ رُقیہ، سیدہ اُم کلثوم اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہن۔ آپؐ ان سب سے ہمیشہ مشفقانہ سلوک کرتے رہے کہ اس سے بہتر سلوک عالم تصور میں نہیں آ سکتا۔ آپؐ سیدہ زینب رضؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری وجہ سے ستائی گئی (بحوالہ زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم)

حضور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ ہم آپ کی صاحبزادی سیدہ اُم کلثوم (زوجۂ مطہرہ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کے جنازے پر حاضر ہوئے۔ آپ ان کی قبر پر بیٹھے تھے اور آپ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا (بخاری)

سیّدۃ النساء کی تعظیم

سنہ ھ تک مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بنات طاہرات رحلتِ گزین عالمِ جاوداں ہو چکی تھیں اور سب سے چھوٹی سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضؓ رہ گئی تھیں۔ آپ کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کا بڑا احترام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ آستانِ نبوت میں قدوم فرما ہوتیں تو آپ ان کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور یہ کہیں اور کبھی دیکھا سنا نہ گیا ہوگا کہ آپؐ کی طرح

کوئی باپ اپنی بیٹی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا ہو۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رنگ ڈھنگ بات چیت میں رسول اللہ کے مشابہ فاطمہ زہرا رضؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ جب وہ آپؐ کے پاس آتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے اور شفقت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ علیٰ ہذا جب آپؐ حضرت فاطمہ رضؓ کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں اور محبت سے آپؐ کا سر چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابو داؤد)

اور فرمایا فاطمہ رضؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے فاطمہ رضؓ کو اذیت دی اُس نے مجھے دکھ دیا اور جس نے فاطمہ رضؓ کو پریشان کیا اُس نے مجھے پریشانی میں ڈالا۔ (ترمذی)

نواسی پر شفقت

سیدہ زینبؓ بنت النبی کے بطن مبارک سے حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی دو اولادیں ہوئیں۔ علی اور اُمامہ۔ علی صغر سنی میں رحلت فرما ہوئے اور اُمامہ زندہ رہیں۔ چونکہ اُمامہ مرحومہ بیٹی کی یادگار تھیں اس لیے حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اُمامہ ہر وقت آپ کے پاس رہتیں اور آپؐ ان کو جان کی طرح عزیز رکھتے تھے اور حالت نماز میں بھی ان کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ حدیث میں اسی دختر فرخندہ اختر کے متعلق مروی ہے کہ آپؐ نماز کی حالت میں بھی ان کو گود میں لیے رہتے تھے۔ رکوع کرتے وقت بٹھا دیتے اور قیام کے وقت پھر اٹھا لیتے تھے (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

مروی ہے کہ ایک مرتبہ کہیں سے کوئی ہار آیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ میں اُس کو دوں گا جو دنیا میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ سب لوگ اس رائے پر متفق ہوئے کہ یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو ملے گا لیکن آپؐ نے وہ ہار اپنی کم سن نواسی اُمامہ رضؓ کو عنایت فرمایا (مسند امام احمد)

امت کی خوردسالہ بچیوں پر شفقت

یہ چند واقعات جو معرض تحریر میں آئے اپنی اولاد پر شفقت و عنایت کے تھے اور

اپنی اولاد پر ہر کوئی مہربان ہوتا ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ امت کی بچیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و عطوفت کا کیا حال تھا؟ اس لیے اس کی بھی ایک نظیر لکھی جاتی ہے۔

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اُن حضرات میں داخل تھے جنہوں نے اوائل اسلام میں مکہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور پھر جب اہل ایمان کو دار الہجرت مدینہ میں اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا تو وہاں پہنچ گئے تھے۔ ایک مرتبہ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ کپڑے آئے۔ ان میں نفیس قسم کی ایک چھوٹی سی کملی بھی تھی۔ جس میں سبز یا زرد پھول بنے ہوئے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ (خالد بن سعید رض کی صاحبزادی) اُم خالد کو میرے پاس اُٹھا لاؤ۔ حضرت خالد بن سعید رض خود اُٹھا لائے۔ آپ نے اُس بچی کو پیار کیا اور کملی ہاتھ میں لے کر اس کو پہنا دی۔ یہ لڑکی حبشہ میں پیدا ہوئی تھی۔ آپ نے حبشی زبان میں فرمایا سنا سنا۔ حبشی زبان میں سَنَاہ حَسَنَہ یعنی نیکی یا اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ اچھی چیز ہے۔

اس کے بعد لڑکی سے فرمایا کہ اس کملی کو پرانا کر اور پھر پرانا کر۔ (اس وقت آپ کی مہر نبوت (جو دونوں شانوں کے درمیان بیضۂ کبوتر کے مشابہ تھی۔ صحیح مسلم) کھل گئی لڑکی مہر نبوت (کو ایک غیر معمولی چیز پا کر اس) سے کھیلنے لگی۔ حضرت خالد بن سعید رض نے (اس کو سوء ادب پر محمول کر کے) لڑکی کو منع کیا لیکن آپ نے (اپنے کمال حسنِ خلق کے اقتضاء سے) فرمایا کہ منع نہ کرو۔ کھیلنے دو۔ (صحیح بخاری)

یاد رہے کہ آپ نے جو لڑکی سے فرمایا تھا کہ "اس . . . کو پرانا کر۔ پھر پرانا کر" تو اس سے صحابۂ کرام رض کو یقین ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کی عمر بڑی لمبی ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اُم خالد نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ لوگوں میں ان کے طول عمر کا چرچا تھا (بخاری)

دُختر حمزہ رض کی کفالت کے تین دعویدار

ملک سے دُختر کشی کی رسم بد کے قلع قمع کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے

تاکیدی احکام جاری فرماتے تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد حکم ہوا کہ آئندہ جو عورتیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوں اُن سے بیعت لیتے وقت یہ بھی اقرار لیا جائے گا کہ اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ اس جدوجہد کا یہ اثر ہوا کہ یا تو لوگ اپنے ہاتھ سے لڑکیوں کو دفن کر دیا کرتے تھے یا اب یہ حالت ہو گئی کہ ایک لڑکی کی کفالت و پرورش کے لیے بیک وقت تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معاہدۂ حدیبیہ کے بموجب عمرۃ القضا کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تھے۔ صحابۂ کرام رض کی ایک بڑی جماعت بھی ہمراہ رکاب تھی۔ جب تین دن کے بعد مراجعت فرما ہوئے تو سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے آئی۔ چچا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت حمزہ رض کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ بچپن میں ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ حضرت علی رض نے اس بچی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب حضرت علی رض اُن کے بڑے بھائی حضرت جعفر رض اور حضرت زید بن حارثہ رض تین بزرگوں نے اس بچی کی پرورش و کفالت کی خواہش ظاہر کی اور ان میں اختلاف رونما ہوا۔

حضرت علی رض نے فرمایا کہ میں اس بچی کی کفالت کا زیادہ حق دار ہوں کیونکہ میں نے اس کو پہلے لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رض کہنے لگے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کے علاوہ اس لڑکی کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ حضرت زید رض نے کہا کہ یہ میری (رضاعی) بھتیجی ہے۔ (اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید اور حمزہ رض میں رشتہ اخوت بھی قائم کر رکھا تھا) چونکہ حضرت جعفر رض کی بیوی اس بچی کی خالہ تھیں۔ آپ نے حضرت جعفر رض کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علی رض کی تسکین و دلداری کے لیے اُن سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور حضرت جعفر رض سے فرمایا کہ تم پیدائش اور خلق میں میرے مشابہ ہو اور حضرت زید سے فرمایا کہ تم تو ہمارے بھائی اور مولا ہو۔

فصل ۱۸

مہر کی رقم پر والدین کا قبضہ

شریعت اسلامی میں مہر منکوحہ کی قیمت نہیں کہ شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے بلکہ ایک نذرانہ ہے جو شوہر دلہن کو اس رقم کا مالک بنا کر نئے ماحول میں اس کی عزت افزائی کرتا اور اس کی مالی حیثیت کو مضبوط کرتا ہے۔ مہر کی اہمیت اور ادائے مہر کی تاکید شریعت مطہرہ میں بالکل ظاہر ہے۔ گو افسوس ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں اُمت کا عمل اس کے خلاف ہے۔

لوگوں نے عملی اعتبار سے مہر کو ایک فرضی اور موہوم چیز بنا رکھا ہے حالانکہ یہ رقم مرد کے ذمے ایک لازمی قرض ہے جس کا ادا کرنا واجب ہے حکم یہ ہے کہ مہر اپنی بیویوں کو برضا و رغبت خوش دلی سے ادا کر دیا کرو۔ لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء اس رقم کے ہرگز مستحق نہیں ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرتا تو مہر بیٹی کو نہ دیتا بلکہ خود لے لیتا تھا اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ اور بیویوں کے مہر خوشی سے ادا کر دیا کرو۔ پھر اگر وہ تم کو فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا اس میں سے کچھ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو تم اس کو مزے فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا (۴:۴) دار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔

یاد رہے کہ مہر دینا واجب ہے۔ مگر جب خود بیوی یا بصورت صغر سنی اس کے اولیاء کل مہر یا اس کا کوئی جزو معاف کر دیں تو معاف ہو سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اگر بیوی محبت کی رو میں بہہ کر پورا مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دے اور بعد میں پھر کبھی اس کا مطالبہ کرے تو یہ رقم واجب الادا اور شوہر اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائیگا کیونکہ اس مطالبہ کے یہ معنی ہیں کہ اس نے دلی رغبت اور خواہش سے مہر معاف نہیں کیا تھا۔

اور میں کہتا ہوں کہ مردوں کو اتنا غیور ہونا چاہیئے کہ معافی کا لفظ ہی کبھی درمیان میں نہ آئے بلکہ جوں ہی موقع ہو اور مالی حالت اس کی اجازت دے سب سے پہلے بیوی کا یہ قرض سر سے اتار دے۔ کسی کا احسان مند اور منت پذیر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ امام ابن جوزیؒ تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کہ مردوں کی ایک مذموم عادت یہ ہے کہ بیوی کا حق پورے طور سے ادا نہیں کرتے بعض اوقات یہ بی بی کو اس پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنا مہر معاف کر دے اور خاوند خیال کرتا ہے کہ اس کے ذمہ سے بیوی کا مہر ساقط ہو گیا ہے'' یاد رہے کہ اگر شوہر نے اپنی زندگی میں مہر ادا نہیں کیا تھا تو بیوی کا مہر شوہر کے قرض میں داخل ہے۔ بیوہ میراث تقسیم ہونے سے پہلے وصول کر لے اور اگر اس کے شوہر کے اقرباء کہیں کہ مرنے والے کی بیوی نے مہر معاف کر دیا تھا تو اُن کے قول کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

فصل ۱۹

ناکردہ گناہ خواتین پر بہتان تراشی

جاہلی عرب میں جب کوئی مرد چاہتا کسی پارسا و عفت مآب خاتون کو زنا کی تہمت لگا دیتا۔ چونکہ اس بہتان سے عورت کی حیثیت اس کی آئندہ زندگی میں بڑی نازک اور کمزور ہو جاتی تھی۔ اس خرابی کا تدارک ضروری تھا۔ چنانچہ شریعت مطہرہ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ جو شخص کسی عورت پر اس قسم کا الزام لگائے وہ چار چشم دید گواہ پیش کرے۔ اگر پیش نہ کر سکے تو ایک شریف خاتون کو متہم کرنے کے جرم میں اس کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اس شرعی سزا کو حدِّ قذف کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ جو لوگ پاکدامن عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں۔ پھر لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ (اپنے دعوے پر) چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً درّے مارو اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۲۴:۴) یہی لوگ (اصل) فاسق ہیں۔

کسی پارسا عورت پر زنا کی تہمت لگانے والا ساری عمر کے لیے مردود الشہادۃ ہو جاتا ہے یعنی اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائیگی۔ تہمت لگانے والا اپنی اس نالائق حرکت کے بعد سچی توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح کرلے تو خدائے غفور اس کو معاف کر دیگا اور فسق کی وجہ سے جس عذاب آخرت کا وہ مستحق ہوا تھا وہ استحقاق مرتفع ہو جائیگا۔ لیکن اس کی گواہی پھر بھی قبول نہیں کی جائیگی۔ کیونکہ وہ مدت العمر کے لیے مردود الشہادہ ہو چکا۔ اسی طرح توبہ کی وجہ سے اس کی حدِّ قاذف معاف نہیں ہوگی کیونکہ توبہ سے حد شرعی ساقط نہیں ہو جاتی۔

بنو بکر کے ایک فاسق کو دوہری سزا

عہد رسالت میں جب کوئی شخص کسی عفیفہ پر زنا کا الزام لگاتا اور پھر اپنے دعویٰ کا ثبوت

پیش نہ کر سکتا تو اس کو اسی درّوں کی سزا دی جاتی تھی۔ حسبِ روایت ابن عباسؓ قبیلہ بنو بکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے ایک عورت سے زنا کرنے کا چار مرتبہ اقرار کیا۔ چونکہ یہ شخص شادی شدہ نہیں تھا اس کو زنا کے جرم میں سَو دُرّے لگائے گئے۔ اس کے بعد اس سے عورت کے زنا کرنے کا ثبوت مانگا گیا تو وہ کوئی گواہ پیش نہ کر سکا۔ پھر عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے۔ اس لیے اب اس کو حدِّ قذف یعنی تہمت زنا کی پاداش میں اسی کوڑے مارے گئے (ابوداؤد)

اُمّ المومنین پر تہمت لگانے والوں کو حدِّ قذف

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جب (قرآن میں) میرا عذر نازل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں آپؐ نے میری براءت ظاہر فرمائی۔ اس کے بعد منبر سے اُتر کر آپؐ نے اُن مردوں اور ایک عورت کو جو تہمت میں منافقوں کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ حد مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان تینوں کو اسی اسی کوڑے لگائے گئے (ابوداؤد)

دو مرد حسّان بن ثابت اور مسطح بن اُثاثہ اور عورت اُم المومنین حضرت زینب رضہ کی بہن حمنہ بنت جحش تھیں۔ اگرچہ اس تہمت کے اصل بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اُس کے منافق پیرو تھے لیکن آپؐ نے ان کو حد نہ ماری کیونکہ حدّ گناہ تہمت سے پاک کرنے کے لیے ہے اور وہ منافق اس سے کسی طرح پاک نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ تو ابدالآباد جہنم میں رہیں گے۔

فصل ۲۰

یتیم لڑکیوں کے حقوق سے بے اعتنائی

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے کہ عرب جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی یتیم لڑکی مالدار اور صاحبِ جمال ہوتی تو اس کا کوئی ایسا ولی جس سے ملت ابراہیمی کے بموجب اس کا نکاح جائز ہوتا اُس سے نکاح کر لیا کرتا اور اگر لڑکی کم شکل یا بد صورت ہوتی تو نہ اس سے نکاح کرتا اور نہ کسی سے کرنے دیتا یہاں تک کہ وہ بیچاری کڑھتے کڑھتے موت سے ہم آغوش ہو جاتی اور وہ اس کے مال و زر پر قبضہ جما لیتا۔ اسی طرح جب کوئی ولی یتیمہ سے نکاح کر لیتا تو وہ اس کا مہر پورا ادا کرتا اور نہ اس کے دوسرے حقوق ادا کرتا۔

آنحضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے اس قسم کے نکاح کی ممانعت فرمادی۔ آپؐ کے اس امتناع کی تائید میں خدائے برتر کی طرف سے قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:-

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً (۴: ۳) اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنے حسب پسند دو دو تین تین یا چار چار عورتوں سے نکاح کر لو اور اگر یہ احتمال ہو کہ (بصورت تعدد ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔

یعنی اگر جانو کہ یتیم لڑکی سے نکاح کرنے کی صورت میں اس کے حقوق ادا نہ ہو سکیں گے کیونکہ اس کا حق مانگنے والا کوئی نہیں تو دنیا میں عورتوں کی کچھ کمی نہیں یتیمہ کو اپنے عقد میں نہ لاؤ۔ الغرض یتیم لڑکیوں کے متولیوں کو ان سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمادی گئی اور حکم دیا گیا کہ ان کا غیر جگہ عقد کیا جائے تاکہ متولیوں کے رعب سے غیر لوگ ان لڑکیوں کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

پرورش و کفالت یتیم کے فرائض

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یتیموں کی امداد و کفالت کی تاکید لوگوں کو کرتے رہتے تھے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم پرورش پا رہا ہو اور اس سے اچھا سلوک کیا جا رہا ہو اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہو (ابن ماجہ) اور فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو جہاں تک اُس کا ہاتھ پہنچا ہے وہاں تک ہر بال کے عوض میں اس کو ایک ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے اور جس نے کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کو اپنے گھر میں رکھا اور اس سے حسن سلوک کرتا رہا تو وہ جنت میں مجھ سے اتنا قریب ہوگا جس قدر کہ یہ دو اُنگلیاں ایک دوسری سے قریب ہیں۔ یہ فرماتے وقت آپؐ نے اپنے دستِ مبارک کی اُنگلیاں ملا دیں (احمد و ترمذی) اور فرمایا کہ جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے (کپڑے) میں شامل کر لیا حق تعالیٰ نے اس کے لیے جنت واجب کر دی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ)

ایک مرتبہ ایک بیوہ جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئی۔ اس وقت گھر میں تین کھجوروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اُم المومنینؓ نے وہ تینوں کھجوریں اس بیوہ کو دے دیں۔ اس نے ایک ایک کھجور دونوں بیٹیوں کو دی۔ پھر تیسری کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور وہ بھی دونوں میں بانٹ دی۔ اس کے بعد جب رسالت مآب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو اُم المومنین نے آپؐ سے اس شفقت مادری کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا وہ عورت اس عمل کی بدولت جنت کی مستحق ہوگی (ابن ماجہ)

حصّہ دوم

عام اعتقادی اور عملی خرابیاں

فصل اوّل

آباء و اجداد کی کورانہ تقلید

سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ حق کے اوّلین مخاطب کفار قریش تھے۔ لیکن ان میں سے بہت کم افراد شرف ایمانی سے سعادت اندوز ہوئے۔ قریش کی بہت بڑی اکثریت اپنے پرانے عقاید و اطوار پر جمی رہی۔ بعثت کے وقت اور اس سے پہلے مشرکین عرب میں جو جو اعتقادی اور عملی خرابیاں عام تھیں۔ اُن سے انشاء اللہ العزیز آئندہ صفحات پر قارئینِ کرام کو روشناس کرایا جائیگا۔ یہ خرابیاں اُنھیں عام طور پر آباو اجداد سے اِرثاً ملی تھیں۔

قریش کی طرف سے انکار و اعراض کا عذرِ لنگ

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایتیں عالمِ بالا سے ملی تھیں۔ قریش کی ہوس پرستیاں ان کے قبول کرنے سے مانع رہیں۔ جب کبھی آپ توحید باری تعالےٰ یا دوسری اصلاحی تعلیمات قریش مکہ کے سامنے تعلیم فرماتے تو ان کی طرف سے یہی عذر لنگ پیش کیا جاتا تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی عقاید و اعمال پر پایا ہے۔ جن پر ہم عمل پیرا ہیں اور ہماری سعادت اس میں ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے انہی کے راستے پر چلے جائیں۔ اس لیے ہم تمہاری کسی تحریک کو قبول نہیں کر سکتے۔

ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال رکھا تھا کہ مدعی نبوتؐ کی طرف سے وحی، ملائکہ، معاد وغیرہ قسم کی جو جو تعلیمات پیش کی جاتی ہیں۔ وہ مخفی اور غیر مرئی ہونیکے

باعث ہماری سمجھ سے باہر ہیں اس لیے حزم و احتیاط کا اقتضاء یہ ہے کہ بلاتامل اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔

تقلید آباء کی ہلاکت آفرینی

لیکن ظاہر ہے کہ جس دلیل سے اُنھوں نے اپنے اجداد کی تقلید ضروری خیال کی۔ اسی دلیل سے تقلید آباء کی ہلاکت آفرینی عیاں ہے کیونکہ قریش کا مسلک یہ تھا کہ انسان مر کر مٹی ہو جاتا ہے اور اسے مرنے کے بعد کسی حشر و نشر اور سزا و جزا سے سابقہ نہ پڑے گا۔ پس ظاہر ہے کہ قریش کے اس زعم کے بموجب کسی متنفس کو مستقبل میں کسی قسم کا کوئی خوف و خطر در پیش نہیں، بخلاف اہل اسلام، یہود، نصاریٰ وغیرہ آسمانی مذاہب کے جو اس حقیقت پر متفق ہیں کہ جو انسان تعلیمات انبیاء سے سرکشی کرتا ہے خدا کا غصہ اور غضب اس کے شامل حال ہو جاتا ہے اور چونکہ دنیا دار العمل ہے اس لیے یہاں تو اس کو اس کی سزا نہیں مل سکتی لیکن جب خدائے احکم الحاکمین یوم الجزاء کو تخت عدالت پر متمکن ہوگا تو انسان کے تمام نیک و بد اعمال اس کے حضور میں پیش ہونگے۔

اس کے بعد خدائے ذوالجلال منکروں اور سرکشوں کو ان کی نافرمانیوں کی سزا دے گا۔ اور جن لوگوں نے اطاعت و فرمان پذیری کی ہے وہ انعامات لامتناہی سے سرفراز ہوں گے۔ اور حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم صاف لفظوں میں فرمایا کرتے تھے اور قرآن کی بیسیوں آیتیں اس پر ناطق ہیں کہ جو کوئی حشر اجساد اور جزا و سزا کا منکر ہے وہ ابدالآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔ اسی معنی میں امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰ رض نے ایک سرکش دہری سے فرمایا تھا کہ اگر قیامت اور حساب کتاب کچھ نہیں جیسا کہ تو کہتا ہے تو ہم اور تم دونوں نجات پا گئے۔ لیکن اگر ہمارے عقیدے کے بموجب قیامت برپا ہوئی اور یقیناً برپا ہوگی۔ تو ہم ہر طرح سے فوز و فلاح سے بہرہ اندوز ہوں گے اور تو لازماً آتش جہنم کا ایندھن بنایا جائیگا

راہِ احتیاط

پس قریش کے لیے راہ احتیاط یہی تھی کہ وہ عقل اور دور اندیشی سے کام لے کر آباء پرستی سے کنارہ کشی اختیار کرتے اور اسلامی تعلیمات کی پیروی کر کے فلاح ابدی کے

آبِ حیات سے سیر کام ہوتے۔ حقیقت حال پر غور نہ کرنا اور اندھا دھند باپ دادوں کی روش پر چلنا عقل و خرد کو معطل اور بے کار کر دینا ہے۔ عقل انسان کو اس لیے بخشی گئی ہے کہ غور و تامل کرے اور دور اندیشی سے کام لے۔ شمع کا کام روشنی دینا ہے۔ انسان کو خدا نے شمع عقل دی ہے۔ اگر وہ اس شمع سے کام نہ لے اور اس کو دور پھینک کر اندھیرے میں چلنے لگے تو وہ ناگاہ کسی تاریک گڑھے میں گر کر ہلاک ہو گا۔ قریش کو عقل کی شمع سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے تقلید آبا کی تاریکی میں چلنے پر اصرار تھا۔ ارشاد باری ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۵ ع ۱۴)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نازل فرمائے ہوئے (قرآن) کی طرف اور رسولِ خدا کی طرف چلو (کہ جو حکم دیں سو مانو تو اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے باپ دادوں کو چلتے ہوئے پایا ہے وہی طریقہ ہمارے لیے بس کرتا ہے۔ کیا یہ لوگ اسی پُرانی لکیر کے فقیر رہیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے اور نہ راہ راست پر رہے ہوں؟

جہلا کی کٹ حجتی

جہلا کی سب سے بڑی حجت و دلیل ہمیشہ یہی رہی ہے کہ جو کام باپ دادا سے ہوتا چلا آیا ہے اُس کو کیسے چھوڑ دیں۔ ان کو متنبہ کیا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی کی راہ چل کر قعرِ ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا تم بھی ان کی پیروی میں نہنگِ زیاں و ہلاکت کے منہ میں جانا پسند کرو گے؟ ظاہر ہے کہ اگر خاندانی بزرگ اہل علم اور تابع حق ہوں تو ان کی روش اختیار کرنا ضروری ہے۔ ورنہ انکی مثال کی پیروی کرتے ہوئے خسران ابدی کا شکار بننا کسی طرح قرین دانش نہیں۔

ربِ شفیق و رحیم دوسری جگہ فرماتا ہے۔ (ترجمہ) نہیں بلکہ یہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور اُنہی کے قدم بہ قدم ہم بھی ٹھیک راستے پر چلے جا رہے ہیں اور اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے آپؐ سے پہلے جب کسی قریہ میں کوئی نذیر بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا۔ اور

انہی کے قدم بہ قدم ہم بھی ان کی پیروی کر رہے ہیں اس پر ان کے پیغمبر نے کہا کہ جس طریقے پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اگر میں اُس سے کہیں سیدھا راستہ (یعنی دین حق) لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تو بھی تم اُسی پُرانے ڈھرّے پر چلے جاؤ گے؟ بولے کچھ ہی ہو جو دین تم کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ ہم تو اُس کو ماننے والے ہیں نہیں۔ آخرکار ہم نے اُن سے اُن کی سرکشی کا بدلہ لیا (یعنی اُن کو سزا دی) سو دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیسا بُرا انجام ہوا۔ (۴۳: ۲۲-۲۵)

آبائی رسوم کے پجاریوں کی سزا اُخروی

خدائے شدید العقاب نے کفر نوازآباؤ اجداد کی لکیر پر چلنے والوں کے لیے آخرت میں کیا سزا تیار کر رکھی ہے اس کی نسبت ارشاد ہے۔ (ترجمہ)

(دوزخی) اُسی (تھوہر) میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر اس کے اوپر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ وغیرہ سے ملا ہوا) پینے کو دیا جائیگا۔ اس کے بعد ان کو جہنم کی طرف لوٹنا ہوگا۔ انھوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا۔ باوجود اسکے یہ بے تحاشا انہی کے پیچھے پیچھے لپکے چلے جا رہے تھے۔ (۳۷: ۶۶ : ۷۰)

تقلیدی دَور کا خاتمہ

قریش مکہ بھی برابر دوسرے کفار کی طرح باپ دادا کے رسوم کفریہ کی لکیر پیٹ رہے تھے آخر جب ۶ھ میں حُدیبیہ کے مقام پر اُن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہوا اور اُس عہد و پیمان کی بدولت اُس حالت جنگ کا خاتمہ ہوا جو ہجرت نبوی کے بعد سے قریش مکہ اور مسلمانوں میں قائم تھی تو کفار نہایت آزادی کے ساتھ صحابۂ کرام سے ملنے جلنے لگے اور انھیں خلوت و جلوت میں اہل ایمان کی تلقینات کے سننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس باہمی میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار اپنے رسوم کفریہ چھوڑ چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور قریش جیسے دشمنانِ دین نے بھی فتح مکہ کے دن اپنی قسمت اسلام کے دامن سعادت سے وابستہ کر دی اور اس طرح کورانہ آبائی تقلید کا سلسلہ عرب کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

فصل ۲

آئندہ زندگی اور وطن اصلی کا عدم تصوّر

مسلمان، یہود اور نصاریٰ اس پر متفق ہیں کہ موجودہ نظامِ ہستی کسی وقت فنا ہو جائیگا اور مالک الملک عزّ اسمہ، تمام انسانوں کے اعضائے جسمی کو جو مٹی میں مل کر یا کسی اور شکل میں فنا ہو چکے ہوں گے نئے سرے سے صورت و شکل بخش کر اعمال زندگی کی جواب دہی کے لیے اپنے سامنے حاضر کرے گا۔ اسی نشاۃِ ثانیہ کو قیامت، معاد، بعث اور حشر کہتے ہیں یہ حشر اجساد کوئی نئی زندگی نہیں بلکہ حیاتِ اُولیٰ ہی کا تکملہ و تتمہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ حشر نئے اجساد کی بعثت ہو تو کوئی شخص اپنے سابقہ اعمال کی جزا و سزا نہ پائے۔

وقتِ مرگ اور زمانِ قیامت کے مابین جو زمانہ اور کیفیت ہے۔ اُس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ حیاتِ برزخ کے اختتام پر انسان کو حیاتِ تازہ بخشی جائے گی۔ جسے حیاتِ جاوید کہنا چاہیئے۔ حیاتِ برزخ اور حیاتِ جاوید میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر سے انسانوں کو یکبارگی اور قاطبۃً سابقہ نہیں پڑتا بلکہ یہ حیات ہر ایک کو تقدیم و تاخیر کے ساتھ مل رہی ہے۔ اور حیاتِ جاوید سب کے لیے بیک وقت اور ہمہ گیر ہو گی۔ حیاتِ جاوید ابدی اور لازوال ہے۔ اس کا آغاز ہے لیکن انتہا کوئی نہیں۔

معاد کی ضرورت و اہمیّت

اہل عقل و خرد کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ باری تعالےٰ عادل اور صفتِ انصاف سے متصف ہے اور ہم ہزاروں لاکھوں انسانوں کو فسق و فجور، عیاری، غارت گری اور ظلم و جور کا ارتکاب کرتے اور کفر و شرک میں مستغرق دیکھتے ہیں۔ اکثر جرائم ایسے ہیں کہ حکومتوں نے ان کی کوئی سزا ہی مقرر نہیں کی۔ گو بعض جرائم میں حکومتیں کچھ سزا دیتی ہیں تاہم بہت سے مجرم قانونی گرفت سے بچ جاتے ہیں۔ بہت سے قبائح ایسے ہیں کہ تعزیراتِ حکومت ان پر دسترس

ہی نہیں پا سکتی بلکہ خود بہت سے حکام ایسے ایسے ذمائم و معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ دنیا میں ان کی سزا دینے والا کوئی نہیں۔

پس ظاہر ہے کہ اگر مجرموں کو کہیں دوسری جگہ بھی سزا نہ ملے مظلوموں کی داد رسی نہ ہو اور نیک نفسوں کو ان کی نیک کرداری کا کوئی انعام و صلہ نہ ملے تو آفرینندۂ کون و مکان جلّ سلطانہٗ کی صفتِ عدالت پر حرف آئے گا۔ اور تخلیقِ کائنات کی کوئی مفید غرض ظاہر نہ ہو گی۔ پس اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مرنے کے بعد تمام بنی آدم ایک معیّن وقت پر اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہوں۔ اسی کو ہم قیامت کہتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ تناسخِ ارواح کی صورت میں بھی یہ غرض حاصل ہو سکتی ہے تو ہم اس عقیدہ کا بطلان انشاء اللہ العزیز آئندہ صفحات پر ثابت کریں گے۔

حیاتِ اُخروی کا عملی ثبوت

امام فخر الدین رازی رح بعث و معاد کے ثبوت میں لکھتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے انسان کو دنیا میں یا تو اس کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے یا ضرر پہنچانے کے لیے یا نفع و ضرر دونوں کے لیے یا نہ نفع کے لیے اور نہ ضرر کے واسطے۔ لیکن ضرر رسانی تو اُس آقائے رحیم و شفیق کے کسی طرح شایانِ شان نہیں۔ اس لیے دوسری اور تیسری صورت تو باطل ٹھہری۔ آخری صورت بھی باطل ہے کیونکہ یہ حالت تو انسان کو اس وقت بھی حاصل تھی جب معدوم تھا۔

اب صرف پہلی صورت باقی رہ گئی کہ خدائے ودود نے انسان کو نفع رسانی اور منفعت بخشی کے لیے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ نفع رسانی یا تو حیاتِ دنیوی میں متصور ہے یا دارِ آخرت میں۔ ظاہر ہے کہ خدائے حکیم و خبیر نے دنیاوی زندگی میں تو انسان کے لیے نفعِ عاجل کا ارادہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں منافع قلیل اور مضار کثیر ہیں۔ انسان کو تھوڑی سی منفعت بھی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک بہت کچھ رنج اور دُکھ اُٹھا نہیں لیتا۔

پس جب یہ صورت بھی باطل ٹھہری تو انسان کی حیاتِ موجودہ کے بعد ایک

دوسری زندگی کا وجود ثابت ہوگا۔ جیسے ہم حشر و نشر اور قیامت سے تعبیر کرتے ہیں۔

قیامت کو خالق موجودات اپنے اطاعت شعار بندوں کو طرح طرح کی نعمتوں اور مسرتوں سے شاد کام فرمائے گا۔

قیامت برپا نہ ہونے کی مضرتیں

اگر دہریوں کے زعم کے بموجب نظام عالم ہمیشہ اسی نہج پر جاری رہے اور اسے زوال و انقطاع سے کبھی سابقہ نہ پڑے یا حسب گمان ہنود انسان کو ابدالدہر کولھو کے بیل کی طرح اس چکر (تناسخ ارواح) میں گرفتار رکھا جائے تو انسان کو سچی راحت و سرور کی زندگی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی اور (۲) انسان اپنے خالق و رزاق کی سعادت دید سے کبھی مشرف نہیں ہو سکتا اور (۳) ہستی باری تعالےٰ کے منکر اپنی کج رائی اور بے راہ روی پر کبھی متنبہ نہیں ہو سکتے اور (۴) اہل حق و صدق کو کفار و مشرکین کے مقابلہ میں حق پژوہی اور صدق شعاری کی کبھی ڈگری نہیں مل سکتی۔

پس عقل سلیم اس ضرورت پر مصر ہے کہ کبھی نہ کبھی یوم فصل و عدالت برپا ہو تاکہ حق باطل پر انقطاعی اور ناقابل انکار فتح پا سکے۔ رب ذوالمنن کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۱۷:۲۲)	حق تعالےٰ قیامت کے روز اہل اسلام، یہود، صابئی، نصاریٰ، مجوس (آتش پرست) اور دوسرے مشرکوں کے مابین فیصلہ کر دے گا (کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون) اللہ تعالیٰ ہر بات کو دیکھ رہا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قیامت ضرور برپا ہو گی تاکہ اسلام کفر پر فیصلہ کن فتح پائے۔

علاوہ ازیں ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو شخص تقویٰ و طہارت اختیار کرتا اور معاصی و ذنوب سے دامن کش رہتا ہے۔ وہ دوسروں سے زیادہ حوادث کا شکار ہوتا اور فقر و فاقہ کا آماجگاہ بنتا ہے۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ کفار و فساق عموماً راحت و عیش میں بسر کرتے ہیں۔ پس اگر بعث بعد الموت اور جزا و سزا کچھ نہ ہو تو خدا کے اطاعت کیش بندے

اُس کی حکومت کے باغیوں کے مقابلہ میں سخت حرمان نصیب، کم حیثیت اور غیر وقیع ٹھیرتے ہیں اور یہ امر اُس حکیم یکتا کی حکمت نوازی کے سراسر خلاف ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قیامت کا قیام ضرور ہے جس میں اس کے مخلص و مطیع بندے انعام واکرام کی دولت سرمدی سے مالا مال ہوں اور مجرم سیاہ کردار اپنے کیفر کردار کو پہنچیں حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (۳۸: ۲۸) (وقال)	توکیا ہم نیک کردار مومنوں کو قیامت کے دن کفار کے برابر کردینگے۔ جنھوں نے کفر وشرک اختیار کرکے زمین کو فساد کا آماجگاہ بنا رکھا ہے۔ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے مساوی کردینگے
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۤءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى (۵۳: ۳۱) (وقال)	(اور فرمایا) تاکہ ارباب معاصی کو ان کی معاصی کی سزا ملے اور اہل حسنات اپنی نیکیوں کا پھل پائیں
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى (۲۰: ۱۵)	(اور فرمایا) بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کو تمام خلائق سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ قیامت اس لیے قائم ہوگی کہ ہر شخص کو اسکے اعمال کی جزا مل جائے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بعث بعد الموت برحق نہ ہو تو کائنات کی پیدائش ہی بیکار اور عبث ٹھیرتی ہے کیونکہ کائنات کی افضل ترین مخلوق انسان ہے اور اسی کے لیے کارخانۂ عالم بنایا گیا ہے۔ اگر حشر و نشر اور جزا و سزا کچھ نہ ہو تو چونکہ دنیا میں نیک و بد کی پوری جزا و سزا نہیں۔ نیکوں کی نیکی رائگاں جائے اور بد کو بدی کی کوئی سزا نہ ملے۔ اس صورت میں عالم خراب ہو جائے۔

مزید براں انسان اس عالم میں تکمیل کے لیے آیا ہے۔ اور کسی دوسری جگہ سے بھیجا گیا ہے۔ اگر یہ چند روزہ زندگی اور یہ عالم مزرعۂ آخرت نہیں ہے تو اس تھوڑی سی زندگی کے لیے اتنے سامان مہیا کرنا عبث ہو جائے۔ روح تکمیل پانے کے بعد کسی اور عالم میں جانا

چاہتی ہے مگر موجودہ خراب آباد عالم روح کے لیے مقام راحت نہیں۔ پس اگر کوئی اور عالم نہیں تو یہ سب کچھ بے کار ہے

بعث ونشور سے کفار مکہ کا انکار

حق تعالےٰ نے کفار مکہ کے انکار بعث کے متعلق فرمایا:۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (۳۲: ۱۰) اور منکرین قیامت کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آجائیں گے؟

کفار کا یہ سوال استفہام انکاری تھا یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اہل جاہلیت کا عام طور پر یہی مذہب و مسلک تھا اور اس میں اہل جاہلیت کے اشعار ہیں۔ مثلاً ؎

حیاۃٌ ثم موتٌ ثم نشرٌ حدیثُ خرافۃٍ یا اُمَّ عمرو

(حیات ہے پھر موت ہے پھر زندگی ہے۔ اے اُمّ عمرو یہ محض خرافہ کی کہانی ہے)

کفار کا شبہ

کفار اس بنا پر بعث کے منکر تھے کہ انھوں نے سڑ گل جانے کے بعد اعادہ کو محال تصور کیا۔ وہ کہتے تھے کہ بدن کے اجزائے منتشرہ زمین کی تہ میں متفرق ہو گئے تو پھر وہ کس طرح انسانی شکل و صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ کبھی ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا جاتا ہے تو اعادہ کیونکر ممکن ہے؟ ارشاد باری ہے:۔

یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ۝ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (۷۹: ۱۰–۱۲) (منکرین قیامت) کہتے ہیں کہ کیا ہم (مرے پیچھے پھر) الٹے پاؤں (زندگی کی طرف) لوٹائے جائیں گے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب دگل سڑ کر کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گی۔ کہتے ہیں کہ ایسا ہوا تو یہ لوٹنا بڑے نقصان کی بات ہے۔

کہتے ہیں کہ کھوکھلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔ ایسا ہوا تو ہم بڑے خسارہ میں رہینگے کیونکہ ہم نے اُس زندگی کے لیے کوئی سامان تو کیا نہیں "، کفار یہ محض تمسخر سے کہتے تھے یعنی پیروانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا گمان کرتے ہیں۔ حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہی

نہیں۔ نقصان اور خسارے کا کیا ذکر؟ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ کفار سمجھ لیں کہ لوگوں کو دوبارہ زندگی بخشنا ہمارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔

جاہلیت کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

یخبرنا الرسول بانا سنحیی و کیف حیاۃ اصداء و ھام

(ہم کو رسول خبر دیتا ہے کہ ہم پھر زندہ کئے جائیں گے۔ بھلا سڑی ہوئی چیز کیونکر زندہ ہو سکتی ہے)

کفار مکہ اُس مادہ کو جس سے انسان مرنے کے بعد از سر نو زندہ کیا جائیگا ضعیف ٹھیراتے تھے۔ امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ حیات ثانی میں جس مادہ یعنی خاک کو تم ضعیف ٹھیراتے ہو وہ ضعیف نہیں۔ کیونکہ ابتداء میں انسان نطفہ تھا۔ پھر لوتھڑا بنا۔ پھر اس سے بندھی ہوئی بوٹی بنائی گئی۔ پھر آدمیوں کی جو اصل ہے یعنی آدمؑ وہ تو خاک ہی سے بنائے گئے تھے۔ علاوہ بریں خالق کردار نے جو خوبصورت قسم کی مخلوق پیدا کی وہ لازماً کسی ضعیف مادّہ ہی سے بنائی۔ چنانچہ خالق نے آدمی کو نطفہ سے اور طاؤس کو گول انڈے سے بنایا اور سبزی کا گچھا ایک گندے سڑے ہوئے دانے سے نکالا۔ پس انسان کو مادّے کی کمزوری کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ پیدا کرنے والے کی قدرت اور قوت کا لحاظ کرنا چاہیئے۔

رہا کفار کا یہ شبہہ کہ بدن کے متفرق اجزاء کس طرح جمع ہو کر دوبارہ انسانی شکل اختیار کریں گے۔ اس کے جواب میں امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خدائے قادر و توانا نے ہم کو متفرق ذروں کو جمع ہونے کا نمونہ دکھلا دیا ہے۔ چنانچہ جب سونے کے ریزے بہت سی خاک میں متفرق طور پر ملے ہوتے ہیں تو جب اس پر تھوڑا سا پارہ ڈالا جائے تو سونے کے سب ذرات متفرق جمع ہو کر باہم مل جاتے ہیں۔ پھر قدرت خداوندی میں کیا تردد و خلجان ہو سکتا ہے جس کی تاثیر سے بدون کسی چیز کے خلقت موجود ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر یہ فرض کریں کہ دوبارہ پیدا کرنے کی صورت میں اجسام پہلی مٹی کی بجائے کسی دوسری خاک سے پیدا ہوں گے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ آدمی تو مع الروح کا

نام ہے۔ اُس بدن کا نام نہیں اور جسم تو کبھی گل جاتا ہے اور کبھی موٹا ہو جاتا ہے اور بچپن سے بوڑھا ہو جاتا ہے حالانکہ آدمی وہی رہتا ہے۔

اس کے بعد امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے عجیب دلیل جس سے بعث ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ خدائے ذوالجلال نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں سے ایسے امور ظاہر فرمائے جو دوبارہ زندگی سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا منقلب ہو کر حیوان بن جانا اور پہاڑی کے جوف میں سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیدا کرنا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مُردے زندہ کر کے بعث کی حقیقت ظاہر فرمائی گئی۔

حیاتِ دنیا میں جزا و سزا ملنے کا زعم

نہ صرف اہل مکہ بلکہ سارے عرب اور دوسرے ممالک کے باشندے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مر کر پھر جینا نہیں۔ اعمال کی جزا و سزا اگر ہے تو اسی زندگی میں ہے۔ بُرے کاموں کی سزا یہ ہے کہ بیمار ہو گیا۔ اولاد مر گئی یا مال کا نقصان ہو گیا اور اچھے کام کیے تو تندرستی، مال و اولاد کی ترقی، عزت و آبرو حاصل ہو گی۔ یا دوسرے جنم میں اچھے یا بُرے عملوں کی جزا و سزا ملے گی۔ اس لیے وہ شہوت پرستی، جفاکاری، عیاری وغیرہ افعال قبیحہ کی مضرت کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں کرتے تھے۔ خلق خدا پر رحم کرنا، نفع پہنچانا، بڑوں کی تعظیم، محسن کی شکرگذاری کو وہ بھی نیکی جانتے تھے۔ لیکن اور بہت سی برائیاں تھیں۔ جو ان کے نزدیک مذموم نہیں تھیں یا اس کے برعکس ان کو عبادت جانتے تھے۔ جیسے بُت پرستی، شراب خوری، گانا بجانا، ناچنا کودنا، شادی غمی کے بے ہودہ مصارف، قتل اولاد، وغیرہ اور بہت سے نیک کاموں کو بد یا عبث سمجھتے تھے۔

قیامت کے متعلق کفار کا اختلاف رائے

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ دعوت و تبلیغ کا حکم الٰہی پہنچا اور آپؐ نے اس سلسلہ میں قیامت کا تذکرہ فرمایا تو کفار قریش اس عقیدہ میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ قیامت کے روز ہمارے بُت ہمارے شفیع بن کر ہم کو اللہ سے بخشوائیں گے۔ ایک فرقہ سرے سے قیامت کا منکر ہوا اور بولا کہ یہ ہڈیاں گل سڑ جانے کے بعد ہرگز

دوبارہ زندہ نہ ہوں گی۔ پس جو کچھ ہے یہی دنیوی زندگی ہے۔ اسی پر ختم ہے۔ دوبارہ جی کر اُٹھنا اور حساب کتاب ہونا سب کہنے کی باتیں ہیں۔

تیسرا فرقہ مذبذب سا تھا کہ شاید قیامت اور حشر و نشر ہو اور شاید نہ بھی ہو منکروں کی سمجھ بوجھ کا آخری کلام یہ تھا کہ اچھا اگر قیامت برپا ہونے والی ہے تو ہمارے سامنے یکبارگی کیوں رونما نہیں ہو چکتی اور جزا و سزا کے لیے اُس خاص دن کا کیوں انتظار ہے۔ ہر ایک کو اپنے نیک و بد اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں کیوں نہیں مل چکتا کہ اس کے دیکھنے سے لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو۔

حق تعالےٰ نے ان تمام مزعومات کی تردید میں سورہ نبا میں جزا کے روز قیامت پر موقوف رکھنے کا سبب بیان فرمایا۔ آگے وہ دلائل بیان فرمائے جو خدا کی قدرت و جبروت اور انعام و افضال کے نمونے ہیں۔ ان سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کیا ہے

گردش زمانہ سے موت آنے کا ادعاء

بعث و نشور کا انکار کرنے والے یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے اس دنیا حیات کے سوا آخرت میں کوئی اور زندگی نہ ہوگی اور ہم کو صرف زمانہ کی گردش سے موت آجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرور زمانہ سے قوائے بدنیہ تحلیل ہو جاتے ہیں اور ان امور طبعیہ سے موت آجاتی ہے۔ حق تعالےٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (۲۴:۲۵)

اور کہتے ہیں کہ ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس کہ یہیں مرتے ہیں اور یہیں جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ایک خاص وقت تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہے۔ ان کو اس کی کچھ تحقیق تو ہے نہیں۔ یہ تو نرے اٹکل کے تکّے چلا رہے ہیں یعنی یہ نہیں سمجھتے کہ مالک و متصرف حقیقی کوئی اور ہی واجب الوجوب ذات ہے۔ منکرین قیامت کے پاس حیات اُخرویہ کی نفی پر کوئی دلیل نہیں اور جو نام نہاد دلیل وہ بیان کرتے ہیں خود اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے۔

کفار کی طرف سے ان کے بڑوں کو زندہ کر دکھانے کا مطالبہ

کفار مکہ مسئلہ بعث پر صحابۂ کرامؓ سے بسا اوقات الجھتے اور کٹ حجتی کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ اگر عقیدۂ حشر ونشر میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے آباؤ اجداد کو زندہ کر دکھاؤ۔ اس پر سورۂ دُخان کی آخری ۲۴ آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں رب العزت نے فرمایا۔

(ترجمہ) یہ (کفارِ مکّہ صحابۂ کرام سے) کہتے ہیں کہ یہ (انتقال) ہم لوگوں کا پہلی ہی دفعہ کا مرنا ہے اور بس اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ پس اگر تم (مسلمان اپنے قیام قیامت کے دعوے میں) سچّے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو (جِلاکر) ہمارے سامنے لا موجود کرو یہ لوگ قوت وشوکت میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تُبّعؑ (شاہ یمن کی قوم) اور جو قومیں ان سے پہلے ہو گذری ہیں ہم نے ان کو بھی ہلاک کر ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھے اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو لہو ولعب کے طور پر نہیں پیدا کر دیا۔ بلکہ آسمان اور زمین کو ایک مصلحت سے وجود بخشا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بیشک فیصلے (یعنی قیامت) کا دن اُن سب کے دوبارہ زندہ ہونے کا وقت معہود ہے۔"

مشرکین مکہ، حیات اموات کے منکر تھے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ سے کہتے تھے کہ مردے کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے تو وعدۂ قیامت کے انتظار میں کون بیٹھا رہے۔ اب کسی مُردے کو بالخصوص ہمارے آباؤ اجداد کو جِلا کر دکھاؤ۔ تو خدائے حکیم ودانا نے پہلے ان کو قوم تُبّعؑ کا حال سنا کر ڈرایا۔ پھر جواب دیا کہ ہم نے آسمان اور زمین وغیرہ کو بیکار تو نہیں پیدا کیا۔ اس کا نظم ونسق بزبانِ حال شہادت دے رہا ہے کہ ان کی پیدائش میں کوئی اہم غرض ومصلحت مضمر ہے اور وہ اعمال کی جزا وسزا ہے اور جزا وسزا کے لیے لازم ہے کہ انسان از سرِ نو زندہ کیا جائے۔

کشتۂ سیم وزر کے زندہ ہونے کی نظیر

منکرین قریش کو اس پر سخت اصرار تھا کہ خاک ہو جانے کے بعد مردہ کا دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی ہے۔ یہاں چند نظائر سے ان کے قول کی لغویت واضح کی جاتی ہے۔ ظاہر

ہے کہ جب ہم کمزور اور ناقص العقل لوگ بھی بعض مردہ اشیاء کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ہمارا خالق و رازق جس کی قدرت اور طاقت کی مدد سے ہماری طاقتیں کام کرتی ہیں بھلا قبر کی ہڈیوں کو دوبارہ جسم کیوں نہ عطا کر سکے گا۔

یہ ایک امر مسلم ہے کہ چاندی یا سونے کا کشتہ تیار کیا جاتا ہے تو سیم و زر کی زندگی کے صفات چمک دمک، سفیدی یا زردی، وزن، سختی اور آواز وغیرہ سب معدوم ہو جاتے ہیں اور چاندی سونا ایسی راکھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ دیکھنے والا یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ یہ راکھ کس چیز کی ہے۔ پھر جب ہم اس کشتہ کو ماء الحیات (گھی، شہد اور سوہاگہ) کی مدد سے یا بغیر ماء الحیات کے زندہ کرتے ہیں تو وہ کشتہ اپنی اصلی حالت پر رجوع کر کے از سر نو چاندی یا سونا بن جاتا ہے۔ اب اس کا خاکستر پن، بدرنگی، ہلکاپن، بے آوازی وغیرہ تمام مردہ صفات زائل ہو جاتے ہیں اور جس طرح وہ پہلے زندہ سے مردہ ہوا تھا اب وہ وادیٔ ممات سے عالم حیات میں آموجود ہوتا ہے۔

کذٰلک یحیی اللہ الموتی و یریکم ایٰتہ لعلکم تعقلون	اسی طرح خالق اکبر مردوں کو زندہ کریگا۔ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے تاکہ تم سمجھو اور غور کرو۔

گھاس اور برساتی کیڑوں کی طرح اموات کا جی اٹھنا

حقیقت میں آدم زاد کا تخم جو اس کے انبعاث اور نشو و نما کا اصل منشا ہے باقی رکھا جاتا ہے اور جس طرح نزول باران کے بعد گھاس اور کیڑے زمین سے پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح قیامت کو آدمی بھی زمین سے مجسم اور متشکل ہو کر برآمد ہوں گے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ آسمان کی طرف سے مینہ برسے گا۔ جس کی تاثیر سے مردے زمین سے نکل پڑیں گے اور بہائم اور طیور اور حشرات بھی انسانوں ہی کی طرح زمین سے برآمد ہونگے غیر انسان کی بعثت اس غرض سے ہو گی کہ حق تعالیٰ ایک دوسرے سے انکا قصاص دلائے۔

رتی دو رتی کے بیج سے ہزار من کے درخت کی پیدائش کی مثال

جسم انسانی میں ہر وقت رستخیز تغیّر و تبدّل بپا ہے۔ بچپن میں انسان کی جسامت کیا

تھی۔ پھر جوں جوں بڑھتا گیا اس کے جسم میں بھی تغیر اور نمو پیدا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے انسان کا وہ جسم ہی تبدیل ہو گیا جو پیدائش کے وقت تھا۔ گویا اسے ایک بالکل نیا جامہ مل گیا۔ اسی طرح تخم شجر کی ابتدائی حالت پر غور کرو اور دیکھو کہ رتی دو رتی کا وہ بیج کچھ مدت میں کس طرح ہزار پانسو من وزنی درخت بن جاتا ہے۔ پس جو خدا چھوٹے سے بیج کو عظیم الشان درخت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے لیے بوسیدہ ہڈیوں کو از سر نو جسم اور روح بخشنا کون سا مشکل کام ہے۔

پروردگار عالم کائنات کے تمام جزئیات کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ وہ قادر ذوالجلال اجزائے بدن کو اگرچہ مٹی میں مل جائیں یا سمندر میں ڈوب کر تحلیل ہو جائیں یا درندوں کی غذا بن جائیں باہم ممیز کر کے جمع کر سکتا ہے۔ ہمیں وقوع بعث کا یقین انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے واصل ہوا ہے۔ اور یہ ایسی صادق القول اور راست باز جماعت ہے جس کا اجتماع کذب پر عقلاً حرام ہے۔

نظام عالم سے احیائے اموات پر استدلال

چونکہ عقیدۂ بعث و نشور کو تسلیم کیے بغیر نہ کوئی شخص زمرۂ موحدین میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں نجات پا سکتا ہے۔ اس لیے خدائے رحیم و شفیق نے اپنے بندوں کی راہ نمائی کے لیے اپنے کلام مجید میں مسئلۂ حشر و نشر کو بے شمار تمثیلات سے سمجھایا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی نظام عالم سے استدلال ہے۔ چنانچہ سورۂ نازعات کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہوا کہ:۔

لوگو! تمہارا قیامت میں دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا بنانا کہ اس کو خدا نے بنایا اور اس کی بلندی کو خوب اونچا رکھا۔ پھر اس کو ہموار کیا۔" آسمان کی چھت زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے آسمان نہ کسی ستون پر کھڑا ہے۔ نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ اور پھر یہ نہیں کہ اس کو بے ڈول بلند کر دیا ہو۔ بلکہ نہایت خوبی اور باقاعدگی سے بنایا کہ ہر چیز موقع پر ہے نہ کہیں شگاف اور نہ کسی کجی کا نام و نشان ہے۔

اور اس کی رات کو تاریک بنا دیا اور اس کی دھوپ" یعنی آسمان کو اس انداز پر

رکھا کہ اس کی ایک گردش سے اندھیری رات پیدا ہوتی ہے اور دوسری میں روشن دن برآمد ہوتا ہے۔" اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔" یعنی خالق کردگار نے آسمان پیدا کرنے پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ زمین کی پیدائش تو آسمان کی تخلیق سے بھی پہلے ہوئی تھی۔ البتہ اس کی ہمواری و موزونیت آسمان کی اصلاح کے بعد ظہور میں آئی۔

اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا" یعنی زمین کے کنوؤں اور چشموں سے پانی نکالا۔ اور چارہ پیدا کیا" اور پہاڑوں کو اس میں گاڑ دیا" یعنی پہاڑوں کو اس کا دباؤ بنا دیا۔ جس سے زمین ڈگمگاتی نہیں۔" یہ سب تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لیے ہے۔" یعنی یہ انتظام نہ ہوتا تو تمہاری اور تمہارے چارپایوں کی ضرورت کیونکر پوری ہوتی۔

ان تمام اشیاء کا پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لیے ہے پس تم پر لازم ہے کہ اپنے محسن و منعم کا شکریہ ادا کرتے رہو اور اس حقیقت کو ذہن نشین رکھو کہ جس قادر مطلق اور حکیم یکتا نے ایسا عظیم الشان نظم و نسق قائم کر رکھا ہے۔ وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح حیات پھونکنے کی قدرت رکھتا ہے۔

پہلوں کی ہلاکت سے قیامت کا ثبوت

کفار مکہ انکار قیامت کے سلسلہ میں کہتے تھے کہ بھلا یہ تو دیکھا اور سنا ہے کہ کسی مکان یا خاندان یا شہر پر کوئی حادثہ آیا اور برباد ہو گیا مگر یہ کبھی دیکھا سنا نہیں کہ تمام دنیا اور آسمان یکبارگی برباد ہو جائیں۔ اس کے جواب میں خدائے علیم و خبیر نے فرمایا کہ کیا ہم نے اگلی نافرمان اُمتوں کو ہلاک نہیں کیا۔ (۷۷: ۱۶) یعنی اپنے سے سو دو سو برس پہلے کے لوگوں کا خیال کرو اور ان کے اسباب معاش اور حالات پر غور کرو۔ کیا ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ سلامت موجود ہے؟ یہ سب مخلوق فنا ہو گئی یا نہیں؟

اور فرمایا کہ پھر ہم ہلاکت میں پچھلوں کو بھی اُنہی کے ساتھ کر دینگے (۷۷: ۱۷) یعنی پچھلے قرن بھی اسی طرح نہنگ ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے یہاں تک کہ قرب قیامت کو سطح ارضی پر اللہ کا کوئی نیک بندہ باقی نہ رہے گا جو قیامت برپا ہونے میں حاجب ہو

سب بدکار اور فجّار ہی رہ جائیں گے۔ جس طرح پہلے اور بعد کے قرنوں کو ہم نے ہلاک کیا یکبارگی ان کو بھی فنا کے گھاٹ اُتار دیں گے۔

قطرۂ منی سے اثباتِ قیامت

خدائے جلیل نے سورۂ حج کی پانچویں آیت میں قیام قیامت پر دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم نے تمہاری جڑ بنیاد اور اصل یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا یا یہ کہ تم نطفہ سے پیدا ہوئے ہو اور نطفہ غذائیں کھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر نطفہ میں آہستہ آہستہ گاڑھا پن آتا گیا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا بن گیا۔ پھر زیادہ بستہ ہو کر بوٹی بنی۔ پھر اس پر صورت طاری ہوئی کسی کی بناوٹ کامل اور اعضا صحیح و سالم بنائے اور کسی کا کوئی عضو کم اور جسمانی حالت ناقص رکھی۔ یہ سلسلۂ ارتقاء یعنی تدریجی ترقی) اس لیے رکھا کہ ایک جدید حالت ہر آن ہماری نئی قدرت کا اظہار کرے۔ پس جو خدا ان تغیرات پر قادر ہے کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کرسکتا؟ بیشک کرسکتا ہے اور ضرور کریگا۔

منکرین حشر و نشر کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان مر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اس کے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں۔ پھر ان اجزاء کا باہم جمع کرنا اور بدستور اول اس قالب میں سینکڑوں ہزاروں سال کے بعد جان ڈالنا اور اس کی مدت العمر کے اقوال، افعال اور جملہ حالات و واقعات کا قلمبند ہونے کے بعد خدا کے سامنے پیش ہونا جیسا کہ قرآن اور پیغمبرِ اسلام کا دعویٰ ہے قرین فہم نہیں۔

ربّ العزت نے آیت اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (کیا ہم نے تم کو حقیر پانی یعنی منی سے پیدا نہیں کیا؟ ۷۷ : ۲۰) میں ان کی قوت نظریہ کے فساد کو انسان کی ابتدائی حالت سے ثابت فرمایا ہے کہ ابنِ آدم! کیا ہم نے تم کو ایک ذلیل اور بے قدر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ دیکھو منی کن کن غذاؤں سے بنی ہے اور اُس حکیم مطلق نے کس طرح سے انسان کے تمام عضووں اور متعدد استخوانوں کے بعد یہ قطرہ بنایا ہے۔ اس قطرہ میں وہ تمام قوتیں و دیعت

رکھی ہیں۔جو اس سے بننے والے آدمی میں ہوں گی۔کوئی حکیم و دانشمند جان نہیں سکتا کہ اس قطرہ کے کس حصے سے سر بنے گا۔کس سے دل اور کس سے جگر؟

حق تعالےٰ ۷۷ : ۲۱-۲۳ میں فرماتا ہے کہ خالق کردگار اپنی قدرت کاملہ سے اس نطفہ کو ہوائے خارجی اور مفسدات داخلی سے محفوظ رکھ کر مرد کے ذریعہ رحم مادر میں پہنچاتا ہے۔پھر جب وہ کامل ہو چکا تو اس کو تنگ و تاریک مقام سے باہر لاتا ہے جب تم ہماری اس قدرت کا نتیجہ دیکھ چکے تو کیا ہم اسکے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے دوسری مرتبہ اُس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟

بڑھاپے سے قیام قیامت کا اثبات

سورۂ حج کی پانچویں آیت کے حصہ اول کا ماحصل یہ ہے کہ جب ہم نے تم کو ماں کے پیٹ سے نکالا تو تم بالکل بے سمجھ بچے تھے۔پھر تم کو پروان چڑھایا۔دن بدن قوت دی۔جوانی کو پہنچایا۔کسی کی عمر طبعی تک پہنچنے سے پہلے ہی روح قبض کر لی۔کسی کو بڑھاپے تک پہنچایا۔اب دن بدن قوت جسمانی اور قوائے ذہنی و دماغی میں انحطاط شروع ہوا۔روز بروز قوت گھٹتی گئی۔یہاں تک کہ بچوں جیسا ہو گیا۔ہر عضو ناتواں۔ہر حس ضعیف۔بات بات پر ضد اور بچوں کی سی ہٹ۔ہر بات میں دوسروں کی امداد کا محتاج اور دست نگر۔اب وہ ستّرا بہتّرا بن کر ہر بات جانے بوجھے ناسمجھ بن گیا۔

الغرض رب العالمین نے بڈھوں کو پہلی حالت پر لوٹا کر منکروں کو دکھا دیا کہ ہم انسان کو اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔پس غافل کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ قیامت اور دوبارہ جی اُٹھنے پر ایمان نہ لائے۔

نزول باران سے معاد کا ثبوت

سورۂ حج کی پانچویں آیت کے آخر اور چھٹی آیت میں خدائے جلیل نے مینہ سے بعث و نشور کا ثبوت پیش کیا ہے۔چنانچہ فرمایا۔(ترجمہ) اور تم زمین کو دیکھتے ہو۔کہ خشک اور بے حس و حرکت پڑی ہے۔پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوش نما روئیدگی اُگاتی ہے۔یہ (تصرفات) اس بات کی

دلیل ہیں کہ خدا برحق ہے اور اس کی کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

یعنی خدائے قدیر نے مینہ برسایا اور وہ چٹیل میدان جس میں نام کو بھی ہریالی نہ تھی۔ سبزہ زار بن گیا اور کھیتی پیدا ہو کر اس میں لہلہانے لگی۔ یہ بھی بعث و حشر کے برحق ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ جس خالق نے تمہاری آنکھوں دیکھتے مُردہ اور بے حس و حرکت زمین کو زندہ کر دیا کہ وہ سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگی، وہ ضرور تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دینے اور قبروں سے جِلا اُٹھانے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

سورۂ فرقان کی آیات ۴۸ : ۵۰ سے بھی یہی استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا (ترجمہ) خدا وہی قادر مطلق ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) کے آگے آگے ہواؤں کو (مینہ کی) خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے اور ہم ہی آسمان کی طرف سے پاک و صاف پانی اُتارتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے کسی شہر کی مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات یعنی بہت سے چارپایوں اور آدمیوں کو اس سے سیراب کریں۔"

یعنی اللہ وہ قادر و مدبر ہے جو بارش آنے سے پہلے باران رحمت کا مژدہ دینے والی ہوا چلاتا ہے۔ وہ بادلوں کے اُٹھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر ہم بادلوں سے پاک اور ستھرا پانی اتارتے ہیں۔ جس سے خشک زمین کو جو بمنزلہ مُردہ کے ہوتی ہے۔ شادابی سے حیات بخشتے ہیں۔ اس پانی کو چارپائے اور انسان پیتے ہیں۔ جس طرح پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ سے مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے ہونگے زندہ کر دیا جائیگا۔

منکرین بعث و مجازاۃ کے خلاف وعیدیں

کتاب اللہ منکرین قیامت کی وعیدوں سے بھری پڑی ہے۔ چند ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں۔ سورۂ جاثیہ آیات ۲۷ - ۲۸ میں ہے کہ جس دن قیامت برپا ہو گی اُس دن قیامت کو جھٹلانے والے بڑے ہی گھاٹے میں آجائیں گے کہ عمر گراں مایہ کا سرمایہ لے کر جو دنیا میں جنس سعادت خریدنے آئے تھے۔ اس کو معاصی و منکرات کی خریداری میں برباد کر دیا۔

اس دن ہر گروہ نہایت ادب سے تخت رب العالمین کے سامنے سرنگوں یا گھٹنوں کے بل دکھائی دے گا۔ ہر ایک امت اپنے نامۂ اعمال دیکھنے کے لیے بلائی جائے گی۔

اور سورۂ جاثیہ کی آیات ۳۱-۳۴ کا ماحصل یہ ہے کہ جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدۂ بعث و مجازاۃ سچا ہے اور قیامت قطعاً یقینی چیز ہے تو تم نہایت جسارت اور بے پروائی کے ساتھ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کس چیز کا نام ہے۔ ہمیں تو اس کے وقوع کا یقین نہیں ہوتا۔ لیکن قیامت کے دن ان کی تمام بدکاریاں اور انکے نتائج ان کے سامنے آجائیں گے اور عذاب قیامت کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے وہ خود انہی پر پلٹ پڑے گا۔ منکروں کو جہنم میں ڈال کر ان سے کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا۔ آج ہم بھی تم کو دیدہ و دانستہ بھلا دیں گے۔ اس عتاب آمیز کلام سے سخت مایوسی ٹپکتی ہے۔ اللہ کے بھلا دینے کا یہ مطلب ہے کہ خدائے بے نیاز دوزخیوں کی کچھ بھی خبر نہ لے گا کہ ان پر کیا گذر رہی ہے۔ اب آخر میں منکروں کے بعض افکار و آرا پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فلاسفہ کا انکار قیامت

فلاسفہ حشر اجساد کے منکر ہیں کیونکہ ان کے زعم میں اعادۂ معدوم محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باری تعالےٰ بندوں کے تمام اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے ان میں روحیں داخل کرے گا۔ اب تم اس کا نام اعادۂ معدوم رکھو یا کچھ اور رکھو تمہیں اختیار ہے خدائے برتر نے فلاسفہ کے جواب میں فرمایا۔

قال من یحیی العظام وھی رمیم منکر نے کہا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون جمع کریگا۔ آپ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ ﴿۳۶﴾ کہیئے کہ وہی ذات جس نے انھیں پہلے پیدا کیا تھا۔

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ جب روح کا پہلی مرتبہ بدن سے متعلق ہونا جائز ہے تو دوبارہ تعلق بھی جائز ہوگا۔ اسی طرح جب اجزائے بدن نے پہلی بار ایک ہیکل مخصوص کیساتھ ترکیب حاصل کر لی تو اس میں حیات کا دوبارہ سرایت کرنا بھی ممکن ہے۔

فلسفیوں اور دہریوں کے اعتراضات اور شبہات

قیامت کے عقیدہ پر فلاسفہ اور دہریہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر بالفرض ایک انسان دوسرے آدمی کو کھالے اور وہ اس کا جزو بدن بن جائے تو حشر کے دن یا تو ان دونوں میں اجزاء کا اعادہ ہوگا یا صرف ایک میں پہلی صورت محال ہے اور صورت ثانی میں لازم آتا ہے کہ ایک کا اعادہ اس کے تمام اجزاء کے ساتھ نہیں ہوا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ اعادہ صرف ان اجزاء اصلیہ کا ہوگا جو ابتدائے عمر سے آخر تک باقی رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ماکولات فضلہ ہوتے ہیں۔ اجزاء اصلی نہیں ہوتے۔ پس انسان ماکول کے ان اجزاء کا جو فضلہ بن کر خارج ہو گئے آکل سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اور اگر بالفرض آکل کھاتے ہی قبل از انہضام طعمۂ اجل ہو جائے تو جس صورت میں کہ آکل اور ماکول سبھی خاک بننے والے ہیں۔ اُن مشترکہ ذرات میں ماکول کے اجزاء کو علیحدہ کر لینا قادر مطلق کے لیے کون سا مشکل کام ہے۔

دوسرا شبہ

منکرین قیامت یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر دنیا کا وجود نظام عنصری کسی دوسرے عالم کے ساتھ مبدل ہوگا تو دیکھنا چاہیئے کہ عالم آخرت موجودہ دنیا کے مانند ہوگا یا اس سے بھلا یا برا؟ اگر اسی کی مثل ہو تو تبدیل عبث ہے۔ اگر برا ہوگا تو تغیر حماقت و نادانی کی دلیل ہے اور اگر بہتر ہوگا تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا خدا اس کی تخلیق پر پہلے قادر تھا یا نہیں اگر قادر تھا مگر پیدا نہ کیا بلکہ بُرے عالم کو وجود میں لایا تو یہ بھی نادانی اور غلط کاری کی دلیل ہے اور اگر پہلے قادر نہ تھا بعد کو تخلیق و تبدیع پر قدرت پائی تو اس سے لازم آئیگا کہ خدا پہلے عاجز تھا پھر قادر بنا، یا پہلے (معاذاللہ) جاہل تھا پھر حکمت حاصل ہوئی اور یہ امر خالق کائنات کی شان سے نہایت بعید ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کونین عالم آخرت کو پہلے پیدا کرنے پر بھی قادر تھا مگر کمالات انسانی جو سعادت اُخروی کا ذریعہ حصول تھے۔ اُن کی تحصیل بجز اس دار العمل کے کسی طرح ممکن نہ تھی۔ پھر حصولِ کمالات کے بعد ان کا بے نتیجہ رہنا خوبیوں کی محرومی کا باعث تھا اگر

قیامت نہ ہوتی تو مطیع اور اہل کمال کو دوسروں پہ کوئی تفوق حاصل نہ تھا بلکہ اطاعت شعار اور نیک کردار سخت خسارہ میں رہتے اور یہ بات خدائے حکیم کی حکمت باہرہ کے خلاف متصور ہے۔

ایک اور اشتباہ۔

ایک اور شبہ یہ ہے کہ مسلمان حشر بالاجساد کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ہر انسان اور حیوان اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوکر میدان حشر میں آموجود ہوگا۔ حالانکہ یہ زمین اہل جغرافیہ کے نزدیک اتنی وسیع نہیں کہ اس پر ہزار سال کے انسان بھی سما سکیں۔ پھر ہزارہا سال کے اگلے پچھلے کل انسان اور بہائم اور حشرات اور ملائکہ وغیرہ کی کہاں گنجائش ہوسکتی ہے ؟

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ عرصات قیامت کے لیے موجودہ زمین واقعی بالکل ناکافی ہے۔ لیکن قیامت کے دن دوسری زمین جو موجودہ بسیطِ ارض سے کئی گنا بڑی ہوگی عالمِ ظہور میں آجے گی۔ اُس نئی زمین پہ پہاڑ ندی، نالے دریا کچھ نہ ہوں گے بلکہ صاف چٹیل میدان ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ (جس دن موجودہ زمین کی جگہ دوسری زمین تبدیل کی جائے گی۔ ۴۸:۱۴) الغرض قیامت کی زمین اتنی وسیع ہوگی جس میں تمام اہل محشر سما سکیں۔

فصل ۳

اسراف کی مذموم عادت

اسراف کسی کام میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے کو کہتے ہیں لیکن عرف عام میں زائد از ضرورت صرف کرنے کا نام اسراف ہے۔ مِلَل عالم میں اسلام اور صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے۔ جس نے زائد از ضرورت صرف کرنے کی ممانعت فرمائی اور انسان کو اپنی حد میں رہ کر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ امتناع اسراف کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو مصالح عباد کے لیے بنایا ہے اور بے اندازہ خرچ کرنے میں یہ مصالح فوت ہوتے ہیں قومی سرمایہ کی بربادی کے علاوہ فضول خرچی کا ارتکاب عموماً فخر اور نمود کے لیے ہوتا ہے اور نام و نمود کے لیے خرچ کرنے کی برائی کسی تصریح کی محتاج نہیں۔

اسراف اور تبذیر کی بُرائی کتاب اللہ میں

رب العالمین عزّ اسمہٗ نے اپنے کلام پاک میں اسراف کی ممانعت پر فرمایا۔

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۶ : ۱۴۱ (وہ حد سے گذرنے والوں کو یقیناً ناپسند فرماتا ہے۔ لیکن اگر انسان ایسی جگہ خرچ کرے جس کی اور جہاں پر اسلام نے اجازت نہیں دی تو وہ تبذیر ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا (۱۷ : ۲۷)

اور قرابت دار کو اس کا (مالی اور غیر مالی) حق دیتے رہو اور مسکین اور (بے خرچ) مسافر کو بھی دیا کرو۔ اور مال کو بے موقع مت اڑاؤ کیونکہ بے موقع اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے خدا کا بڑا ناشکر ہے۔

مُبَذِّر کے اخوان الشیطان ہونے کی علت

ابلیس نے اُن نعمتوں کی قدر نہ جانی جن سے منعم تعالیٰ نے اُسے نوازا تھا اور خدا کی

نافرمانی کی۔ مال بھی واہب العطایا کی نعمت ہے۔ جو کوئی اس کو بے جا اڑائے وہ اس نعمت کی قدر نہیں کرتا۔ پس وہ نعمت کو قدر ناشناسی میں شیطان کا بھائی ہوا اور دولت عموماً شیطانی حرکات اور ممنوعات شرعیہ میں اُڑائی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی دولت کو بے جا اُڑانے والے ابلیس کے بھائی ٹھہرے کہ اس کے کہنے پر چلے۔

اہل عرب کی نکوہیدہ فیاضی

اہل عرب کی فیاضی عموماً نام ونمود اور کبر وغرور کی بنیاد پر قائم تھی اور اس فخر اور نام ونمود کی خواہش نے ان کو حد اعتدال سے خارج کر دیا تھا اور وہ اس خواہش میں بسا اوقات تمام مال وزر کو لٹا کر مفلس وقلاش ہو جاتے تھے اور جب اس قسم کی فیاضی کے لیے اپنا مال کفایت نہیں کرتا تھا تو لوٹ مار کرنے لگتے تھے اور غارت گری سے حاصل کیا ہوا مال فخر ونمود کے لیے اڑاتے تھے۔

اعتدال ومیانہ روی کی اسلامی تعلیم

اسلام نے ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور حق تعالیٰ نے مال صرف کرنے میں اس کو مومن کا امتیازی وصف قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا (اور اللہ کے نیک بندے جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ افراط اور تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔) وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (۲۵ : ۶۷)

شادی بیاہ میں اسراف

سب سے زیادہ اسراف شادی بیاہ اور خوشی وغم کی تقریبوں میں ہوتا ہے اور جو لوگ ان تقریبات میں بڑھ بڑھ کر قدم مارتے ہیں قرآن کی اصطلاح میں شیطان کے بھائی ہیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهٗ مُؤْنَةً (بڑی برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بہت کم خرچ ہو) رواہ البیہقی فی الشعب۔ جو لوگ اپنی اولاد کی شادی میں غیر معمولی اسراف وتبذیر سے کام لیتے ہیں۔ پنجاب کے دیہاتی دوستوں کی اصطلاح میں وہ بڑا "کرتوتی" ہوتا ہے اور یہ راقم السطور کا

مدت العمر کا مشاہدہ ہے کہ "کرتوتی" کی وہ اولاد جس کی شادی پر خرچ کرنے میں دل کے حوصلے نکالے گئے ہوں ہرگز چین اور سکھ نہیں پاتی اور اس قسم کی مسرفانہ شادی انجام و مآل کے اعتبار سے سخت ناکام و نامراد رہتی ہے۔

غیر ضروری عمارت کی ناپسندیدگی

اسراف کا ایک محل مکان کی غیر ضروری تعمیر و تشیید ہے چنانچہ حسب بیان حضرت انسؓ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (غیر ضروری) عمارت بنانے کے سوا (مومن کا) ہر خرچ (بشرطیکہ تقرب کی نیت ہو) فی سبیل اللہ ہے عمارت بنانے میں کوئی نیکی اور ثواب نہیں۔ رواہ الترمذی

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جا رہے تھے۔ آپؐ نے ایک جگہ بلند قُبّہ دیکھ کر صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! یہ فلاں انصاری کا گنبد ہے۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب گنبد کے مالک نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ نے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ چند مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ انصاری نے آپ کے رخ انور پر غصہ کے آثار اور آپ کی روگردانی دیکھ کر یقین کر لیا کہ آپ اس سے ناخوش ہیں۔

گنبد کا انہدام

انصاری نے اصحاب کرام سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے ناآشنا پاتا ہوں۔ انھوں نے بتایا کہ حضرتِ والا نے تمہارا گنبد دیکھ کر پوچھا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ انصاری فی الفور گھر پہنچا اور اس قبہ کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد پھر ایک دن آپ اسی طرف کو نکلے اور گنبد نہ پا کر فرمایا کہ وہ گنبد کیا ہوا؟ صحابہ نے التماس کی یارسول اللہ! انصاری نے حضور کی روگردانی کی وجہ دریافت کی۔ اور ہم نے وجہ ناراضی اس کے گوش زد کی تو اس نے جا کر اس کو منہدم کر دیا۔ آپ نے فرمایا یاد رکھو کہ قیامت کے دن ہر عمارت اس کے مالک کے لیے وبال ہو گی سوائے اس کے جو بقدر حاجت اور ضروری ہو۔ رواہ ابوداؤد

فصل - ۴

اشرف المخلوق انسان کی تحقیر

دنیا پر انسان کی حکمرانی

انسان میں بعض صفات خاصہ ایسے ودیعت ہیں جو اور جانداروں میں نہیں پائے جاتے۔ عقل اور ایجاد صنائع ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت اس نے تمام سکّانِ ارض کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے۔ حسنِ صورت اور موزونیٔ قامت کے لحاظ سے بھی وہ تمام جانداروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ انسان کی صورت و شکل اور بناوٹ عموماً تمام حیوانات سے خوش نما ہے۔ کوئی جانور زمین پر پڑے رینگتے ہیں اور سیدھے کھڑے نہیں رہ سکتے اور اکثر منہ جھکا کر کھانے پینے کے محتاج ہیں اور ان میں اتنی قدرت نہیں کہ اپنے خاک یا نجاست آلود چارے اور غذا کو صاف کر سکیں۔ ان کی صورتوں سے بھدا پن بھی ظاہر ہے۔ غرض انسان کی مجموعی ہیئت کو کوئی جاندار نہیں پہنچ سکتا اور بالخصوص اس کا سیدھا قد تو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے تمام سکان ارض پر حکمرانی کے لیے پیدا ہوا ہے۔

قریش کا زعم باطل کہ انسان پیغمبر نہیں ہو سکتا

بایں ہمہ فضیلت و برتری عربوں اور دوسری قوموں نے اشرف المخلوق انسان کو قعر مذلت میں ڈال رکھا تھا۔ اسلام سے پہلے مشرک قومیں پتھر پوجتی تھیں۔ ان کی نظر میں دریا، پہاڑ، ندیاں واجب الاحترام تھیں۔ درختوں اور جھاڑیوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ آگ، ہوا، آفتاب، ماہتاب اور ستارے معبود بنے ہوئے تھے۔ غرض کائنات عالم کی ہر چیز معزز و محترم تھی اور اگر دنیا میں کوئی حقیر و ذلیل ہستی تھی تو وہ حضرت انسان تھا۔ چنانچہ جب مکہ معظمہ میں ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم پر روح القدس کا نزول ہوا اور آپ نے اپنے مامور من اللہ ہونے کا اعلان کیا تو مشرکین مکہ سخت حیرت سے

کہنے لگے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان جیسی ذلیل ہستی جو کائنات کی ہر چیز کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ خدا کی پیغام رساں ہو سکے؟

انسان کا پایۂ عظمت بلند کرنا

لیکن خلاصہ موجودات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے واہمہ کے جواب میں فرمایا کہ عالم انسانیت کی نسبت تمہارا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ بشر تو کائنات کی سب سے زیادہ محترم ہستی ہے اور وہ چیزیں جن کے سامنے حضرت انسان اپنی حماقت سے جبہہ سائی کرتا ہے اُن میں سے ہر چیز انسان کی چاکر ہے اور خود اُسی کے نفع اور خدمت گذاری کے لیے بنائی گئی ہے۔ چنانچہ رب العزت نے آپؐ کے اس قول کی تائید میں فرمایا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (ہم نے اولاد آدم کو مکرم و محترم بنایا) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں، بہترین دل و دماغ دے کر اور کائنات کی ہر چیز کا حاکم بنا کر بھیجا) اور بشر کے نبی ہونے کے متعلق آپؐ نے قوم کو بتایا کہ آج تک انسان کے پاس جس قدر انبیاء بھیجے گئے وہ سب انسان ہی تو تھے۔ چنانچہ آپؐ نے کفار قریش کو تمثیلاً بتایا کہ تمہارے اجداد اوّلین حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور جناب اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام انسان ہی تھے۔ الغرض آپؐ نے مبعوث ہو کر اشرف المخلوق انسان کو حضیضِ پستی سے نکال کر اوج رفعت پر پہنچا دیا۔

جھوٹوں کا دعوئے عظمت و برتری

جھوٹے نبی کسی حد تک کسی نہ کسی رنگ میں خدائی کے بھی دعویدار ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی خود ساختہ نبی اُلوہیت و خدائی کا مدعی نہ ہو تو بھی اپنے طرزِ عمل سے خدائی اختیارات کا مدعی ضرور ہوتا ہے۔ اس کے قول و فعل سے اس دعوے کی ہر وقت تائید ہوتی ہے کہ وہ بشریت سے کہیں اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہے۔ اسے دنیا میں ہر طرح کے اختیارات حاصل ہیں۔ وہ بے اولادوں کو فرزند نرینہ بخش سکتا ہے۔ اس کو حیات و ممات پر اختیار ہے۔ رزق کی تنگی اور وسعت میں بھی اس کی مرضی کو بہت کچھ دخل ہے۔

لیکن مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر اس قسم کا کوئی دعویٰ نہ کیا اور باوجودیکہ آپؐ کو ہر وقت تائید الٰہی حاصل تھی اور خداوند عالم نے آپؐ کے مؤید من اللہ ہونے کی تصدیق میں آپؐ کو اس قسم کے اعلانات سے قوی پشت کر رکھا تھا کہ:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ — اے ہمارے رسول! جو لوگ (صلح حدیبیہ کے وقت) اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ — آپؐ کے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے ہیں۔ وہ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ (۴۸ : ۱۰) (آپ سے نہیں بلکہ) خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ (آپؐ کا وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ — نہیں بلکہ) خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ جب آپؐ نے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی — تیر چلائے تو آپ نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے یہ تیر چلائے۔ (۸ : ۱۷)

تاہم آپؐ اپنے لیے کسی خدائی اختیار کے کبھی مدعی نہ ہوئے بلکہ اس کی جگہ یہ حقیقت ظاہر فرمائی۔ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ (میں بھی تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ ۱۹ : ۱۱۰)

غیر مسلم طالبان حق کے لیے دلیل صدق

باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اور اس سے پہلے اشرف المخلوق بشر ارذل ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے وحی الٰہی سے مؤید ہو کر اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو عمائد قریش از راہ استعجاب کہنے لگے اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا (کیا بشر ہمیں راہ ہدایت دکھائے گا؟) تاہم آپؐ نے اپنی بشریت کا اعتراف و اعلان کر کے نہ صرف منکوب و مخذول بشریت کو عظمت و رفعت کے ثریا سے ہمدوش کر دیا بلکہ غیر مسلم طالبان حق کے لیے بھی اپنی سچائی اور صداقت کی ایک روشن دلیل پیش کر دی۔ کیونکہ اگر آپؐ منجانب اللہ نہ ہوتے تو ایسے وقت میں کہ عالم انسانیت اس درجہ قعر مذلت میں گرا ہوا تھا۔ آپؐ کی طرف سے اپنی بشریت کا اعلان کبھی ممکن نہ تھا

فصل ۵-

افتادہ زمینوں کی آبادی سے بے اعتنائی

بے التفاتی کی علت

سیاسی حیثیت سے سارا عرب کبھی ایک پرچم کے نیچے جمع نہیں ہوا تھا- گو جنوبی عرب میں چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں پائی جاتی تھیں لیکن عام طور پر قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ رئیس تھے جو اپنی اپنی قوم پر حکمران تھے اور پھر یہ قبائل بھی ہمیشہ جنگی کی مصیبت میں گرفتار رہتے تھے- اس وجہ سے ملک کے عام مفاد اور قومی سود و بہبود کا کسی کو کبھی احساس نہ ہوا تھا اور نہ کبھی ملک کی اقتصادی ترقی اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف کسی کا خیال گیا تھا-

مُصلحِ اعظم کی طرف سے آبادکاری کا اہتمام

عرب کا اکثر حصہ ریگستانی سنگلاخ اور بنجر تھا گو کہیں کہیں سرسبز قطعات بھی تھے جہاں زراعت ہوتی تھی لیکن ملک میں افتادہ زمینیں بھی بکثرت تھیں- جن کی آبادی کی طرف کبھی کسی نے توجہ نہ کی تھی- آخر کار جب دُنیا کے مُصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے سیاہ و سپید کے مالک ہوئے تو تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ آپ اس ضرورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اعلان فرمایا۔

مَنْ عَمَرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ	جو شخص کسی ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی مِلک
فَهُوَ اَحَقُّ رواہ البخاری مَنْ اَحْيٰى مَوَاتًا مِن	نہ ہو وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے (بخاری)
الارض فهوله رواہ الشافعی مَن اَحيٰى اَرضًا	جو کوئی غیر آباد زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے (شافعی)
مَيِّتَةً فَهِيَ لَه رواہ احمد والترمذی و	جو شخص کسی مُردہ زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہو
ابوداود مَنْ اَحَاطَ حَائِطًا عَلَى الْاَرْضِ فَهُوَ	جائیگی (احمد وغیرہ) جو کوئی (بنجر) زمین پر (جو کسی کی
لَهُ رواہ ابوداود	مِلک نہ ہو اس کو آباد کرنے کے لیے) دیوار کھینچ لے

وہ اس کی ملک ہے۔

آبادکاری پر ثواب آخرت کی بشارت

اور لطف یہ کہ آپؐ نے نہ صرف یہ کہ آبادکاروں کو اپنی اپنی آباد کردہ زمینوں کے مالک ہو جانے کا مژدہ سنایا بلکہ ان کو اس پر ثواب اور آخرت کی بشارت بھی کہہ سنائی چنانچہ فرمایا کہ جو شخص کسی خشک زمین کو آباد کرے یعنی افتادہ زمین میں کھیتی کرے اس کے لیے اس میں ثواب ہے اور جو کچھ آدمی یا جانور کھا جائیں وہ اس کے لیے صدقہ ہے (دارمی)

ان ارشادات کی وجہ سے عرب کی وہ تمام زمینیں آباد اور زرخیز ہو گئیں جو غیر آباد چلی آتی تھیں۔

جاگیروں کی بخشش

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کو اُفتادہ زمینیں بطور جاگیر بھی عطا فرمائیں۔ آپؐ نے انصار کو بحرین میں جاگیریں دیں۔ اور ان کے لیے ان کو طلب فرمایا۔ وہ عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! حضرات مہاجرین اسلام میں ہم سے سابق ہیں اس لیے آپؐ مہاجروں کو اتنی ہی جاگیریں عطا فرمائیے۔ اس کے بعد ہمیں مرحمت فرمائیے آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تم لوگ اپنے سوا اوروں کو مقدم پاؤ گے۔ تمہارے سوا دوسروں کو حکومتیں ملیں گی۔ پس اس چیز پر برابر صابر رہنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر آکر مجھ سے ملاقات کرو۔ (بخاری)

بلالؓ اور وائلؓ پر نوازش

آپؐ نے اس سلسلہ میں بلال بن حارث مزنیؓ کو بہت بڑا قابل زراعت قطعۂ زمین اور کانیں مرحمت کیں۔ حضرت وائل بن حجرؓ کو حضر موت کی حکومت کے ساتھ ہی بہت سی زرعی زمین بھی عنایت فرمائی۔ اہل ایمان کو حسب استطاعت اراضی کے انتخاب اور اس کے رقبہ کی تحدید کا بھی اختیار تھا۔ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت موت میں ایک زمین جاگیر کر دی اور (اپنے کاتب وحی) معاویہؓ بن ابو سفیانؓ کو اس غرض سے میرے ساتھ روانہ فرمایا کہ زمین کی پیمائش کر کے میرے

حوالے کردیں۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد

گھوڑا دوڑنے کی حد تک زمین کا عطیہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو مدینہ منورہ سے تھوڑے فاصلہ پر زمین عطا کی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ بن عوام کو اتنی زمین جاگیر کردی جتنی دور تک ان کا گھوڑا دوڑ کر پہنچ سکے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ آخر جب گھوڑا ایک جگہ پہنچ کر ٹھیر گیا تو انھوں نے وہاں اپنا کوڑا پھینک دیا۔ حضور فخر عالم نے حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا پہنچا ہے وہاں تک سارا رقبہ ان کو دیدیا جائے۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کا خیبر کی جائداد کو وقف کرنا

اس سلسلۂ عطایا میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب خیبر میں زمین ملی تو اس کی کچھ مدت بعد انھوں نے بارگاہ نبوی میں التماس کی یا رسول اللہ! حضور نے مجھے خیبر میں جو زمین مرحمت فرمائی ہے وہ ایسی نفیس جائداد ہے کہ میری دانست میں اس حیثیت کی کوئی اور اراضی مجھے کبھی میسر نہیں ہوئی۔ اس کے مستقبل کے بارہ میں حضور کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل زمین کو فی سبیل اللہ وقف کر کے اس کی آمدنی تصدق کر دیا کرو۔ حضرت عمرؓ نے اس زمین کو اس شرط پر تصدق کر دیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے۔ نہ ہبہ کی جائے اور نہ میراث میں کسی کو ملے اور اسکی آمدنی فقراو مساکین اور قرابت داروں پر اور لونڈی غلاموں کے آزاد کرانے، مسافروں کی امداد اور مہمانداری میں اور فی سبیل اللہ خرچ کی جائے اور متولی کو اختیار ہوگا کہ عرف کے موافق اپنی ضروریات پر خرچ کرے۔ لیکن اس کی آمدنی میں سے جمع کرنے کی کوشش نہ کرے (بخاری و مسلم)

چشموں کی تحدید

متذکرۂ صدر زمینوں کی آبپاشی کے لیے پانی کی ضرورت تھی اور اس کی بہم رسانی کا سہل ترین ذریعہ چشمے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپؐ نے حکم عام دیا کہ:۔

جو کوئی اس پانی کی طرف سبقت کرے جو کسی مسلمان کے قبضہ میں نہ ہو تو اس کا مالک وہی ہے۔	مَنْ سَبَقَ اِلٰی مَاءٍ لَمْ یَسْبِقْهُ اِلَیْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهٗ (ابو داؤد)

تو لوگوں نے بڑی عجلت کے ساتھ اپنے اپنے چشموں کی حدیں مقرر کر لیں اور سرکاری کاغذات میں انہی کے نام مالکوں کی حیثیت سے درج ہو گئے۔

سدّ مارب کی کانِ نمک

اطراف و اکنافِ ملک میں جب اس بذل و عطا کا شہرہ ہوا تو دُور دُور کے لوگوں نے مدینۃ الرسول آ کر جاگیروں کے لیے درخواستیں دینی شروع کیں۔ ابیض بن حمّال یمن سے آ کر بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے اور وہاں کی ایک کان نمک عطا کیے جانے کی آپؐ سے درخواست کی۔ یمن میں مارب نام ایک گاؤں ہے۔ وہاں کا نمک مشہور ہے۔ عرفِ عام میں اس نمک کو سدِّ مارب کا نمک کہتے ہیں۔ سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابیض بن حمّال کو اس نمک کا ٹھیکہ دے دیا اور حکم دیا کہ ابیض کے سوا کوئی اور شخص وہاں سے نمک نہ لینے پائے۔ تمام لوگ ابیض ہی سے خریدیں۔ چند روز کے بعد اقرع بن حابس تمیمی مدینہ منورہ آئے اور آستانِ رسول میں حاضر ہو کر گذارش کی یا رسول اللہ! میں زمانۂ جاہلیت میں اس کان پر گیا تھا۔ اس سرزمین میں پانی سخت ناپید ہے۔ جو کوئی وہاں جاتا ہے نمک لے آتا ہے اور وہ جاری پانی کے حکم میں ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔ (اقرع بن حابس کا مطلب یہ تھا کہ حضورؐ اس نمک کا اجارہ فسخ فرما دیں تو اچھا ہے) آپ نے اس اجارہ کو فسخ کرنا چاہا اس لیے ابیض بن حمّال کو طلب فرمایا۔ ابیض کہنے لگے یا رسول اللہ! میں اس اجارہ کو اس شرط پر فسخ کرتا ہوں کہ آپ اس کو میری طرف سے صدقہ قرار دیں۔ جس کا جی چاہے وہاں سے نمک لے۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ تمہاری طرف سے صدقہ ہے اور وہ جاری پانی کی طرح ہے جو چاہے وہاں سے لے لے۔ پھر شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ٹھیکے کے عوض میں جو فسخ فرمایا تھا ابیض کو جرف کے مقام پر زمین اور کھجور کے درختوں کا اجارہ دے دیا۔ (ابن ماجہ)

چراگاہوں پر قبضہ کرنے کی ممانعت

یہ داد و دہش اُن اشیاء تک محدود تھی جن کا تعلق عوام الناس سے نہیں تھا۔ لیکن جن چیزوں کی رفاہِ عام کے کاموں میں ضرورت پیش آتی تھی۔ ان کو آپؐ نے علیٰ حالہا چھوڑ دیا۔ عرب میں رواج تھا کہ رؤساء اور ارباب اقتدار اپنے مویشیوں کے چرانے کے لیے کوئی چراگاہ متعین کر لیتے تھے جس میں پرائے مویشیوں کو گھسنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ چونکہ اس میں دوسرے لوگوں کی حق تلفی تھی۔ آپؐ نے اس کی ممانعت فرما دی اس سلسلہ میں سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا حِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کو چراگاہ مخصوص کرنے کا حق نہیں۔ بخاری) یعنی کسی کو چراگاہ روکنا روا نہیں۔ البتہ جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں اور زکوٰۃ کے جانوروں کے لیے اس کا متعیّن و مخصوص کرنا روا ہے۔

پھلدار درخت اور باغ لگانے کی ترغیب

ہادیٔ عالم علیہ السلام جس طرح لوگوں کو اُفتادہ زمینیں آباد کرنے کا حکم دیتے تھے اسی طرح آپ پھلدار درخت اور باغ لگانے کی بھی رغبت دلاتے تھے کیونکہ اس سے خلقِ خدا منتفع ہوتی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کوئی درخت لگائے پھر جب وہ پھل دینے لگے تو لوگ اس کا پھل کھائیں تو یہ لگانے والے کے لیے صدقہ ہوگا اور جس قدر پھل چوری ہوگا وہ بھی اس کے لیے خیرات ہوگی اور جس قدر پھل تلف ہوگا وہ بھی مالک کے حق میں صدقہ اور موجب اجر ہوگا۔ (مسلم)

لیکن حصولِ ثواب کی بہترین صورت ہے کہ درخت لگاتے وقت خلق خدا کی نفع رسانی کا مقصد پیشِ نظر ہو۔

فصل - ۶

انبیاء کو درجہ انسانیت سے بالاتر سمجھنے کی غلطی

ظہور اسلام سے پہلے تک دنیا کے ہر فرقہ اور ہر گروہ میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی کہ انبیاء انسانی درجہ سے بلند ہوتے ہیں۔ یہی خیال تھا جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا یا ابن اللہ بنا دیا تھا اور ہندو رام اور کرشن کو اوتار اور پارسی زردشت کو عین خدا یا کم از کم مظہر خدا قرار دے رہے تھے۔ اسلام نے نہایت آزادی اور دلیری سے صاف بتا دیا کہ انبیاء دائرۂ بشریت سے ایک ذرہ باہر نہیں ہیں۔ ارشاد ہوا:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

آپ ان سے کہیے کہ میں تو تم جیسا بشر ہوں۔ میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہی معبود ہے۔

دنیا میں جس قدر مذاہب گذرے ہیں ان کے پیرؤوں نے خدائی اور نبوت کی سرحدیں ملا رکھی تھیں۔ کائنات ارضی میں صرف اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے دونوں کی حدیں بالکل جدا کر دیں۔ مسلمان جب نماز پڑھتے ہیں تو تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار سے پہلے آپ کے لیے عبدہٗ (اللہ کا بندہ) کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ توحید باری تعالیٰ کا کمال یہی ہے کہ اس کے سامنے کوئی ہستی گو وہ کسی درجہ کی کیوں نہ ہو۔ عبدیت کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے۔ چونکہ آپ کو اہل ایمان کے دلوں میں خالص توحید جانشین کرنی تھی اس لیے ضرور تھا کہ خود آپ کے لیے صرف عبدیت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے پیرؤوں کی مثال جنہوں نے اپنے پیغمبر کو خدا بنا دیا تھا حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی اس لیے آپ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی:۔

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ (رواہ البخاری)

مجھے حد سے نہ بڑھا دینا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھا دیا تھا۔ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں پس مجھے بندہ اور رسول ہی کہنا۔

فصل — ۷

انتقام جوئی

جاہلانہ تصادم

عرب کے عہد جاہلیت میں کسی خاندان کا کوئی آدمی مارا جاتا تھا تو اُس کا بدلہ لینا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا۔ یہ جذبہ اس عقیدہ کی تولید کا باعث ہوا کہ مقتول کی روح پرند کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور جب تک انتقام نہیں لے لیا جاتا وہ شور کرتی رہتی ہے کہ قاتل کا خون پلا کر میری پیاس بجھاؤ۔ ان لوگوں میں یہ بھی مشہور تھا کہ جب تک مقتول کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے مقتول کی قبر تاریک رہتی ہے۔" ان روایات کی بناء پر مقتول کے خون کا انتقام عربی خاندانوں کی اخلاقی زندگی کا ایک اہم جزو بن گیا تھا اور بیسیوں خاندان اس جاہلانہ تصادم میں باہم اُلجھے رہتے تھے۔ اور پھر انتقام گیری کا یہ خاندانی فریضہ کسی مختصر سی مدت میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا بلکہ یہ ایسا غیر متناہی تھا کہ صدیاں گذر جانے پر بھی خاندان ایک دوسرے کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ متصادم خاندانوں کے آدمی برابر موت کے گھاٹ اُترتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے عرب بھر میں رزم و پیکار کے غیر متناہی سلسلے قائم ہو گئے تھے اور عرب کی سرزمین اس کشت و خون کی وجہ سے لالہ زار بنی رہتی تھی۔

ہاشمی مقتول کا بدلہ

ظہور اسلام سے پیشتر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی ربیعہ بن حارث کا بیٹا جس کا نام آدم یا ایاس تھا قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا اور قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی نے اس کو قتل کر ڈالا تھا۔ دستور کے موافق ہاشمیوں کا خاندانی فرض تھا کہ ہذیل کے کسی آدمی کی جان لے کر اس خون کا بدلہ لیں۔ لیکن بدلہ لینے کا ابھی موقع نہ ملا تھا کہ مرغانِ حرم نے توحید کی نغمہ سرائی شروع کر دی اور ظلمتِ کفر کی جگہ اسلام کا عہدِ رحمت

شروع ہو گیا۔ پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یہ اصول بھی داخل تھا کہ لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ (اسلام میں نہ ضرر ہے اور نہ ضِرار) رواہ مالک ضرر تو کسی کو ناحق ایذا دینے کو کہتے ہیں اور ضرار کسی کو انتقاماً ضرر پہنچانے کا نام ہے۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرار سے بھی منع فرمایا اور اپنے پیرووں کو ہدایت کی کہ گو برابر کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن عفو و درگذر سب سے بہتر ہے۔ اسی معنی میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (۴۲:۴۰)

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو کوئی (انتقام کے بجائے) معاف کر دے اور اصلاح (و محبت) کی طرف قدم اُٹھائے تو اللہ اُس کو اجر (عظیم) عطا فرمائیگا۔

بدلہ لینے کی ناگواری

دنیائے مصلح اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جاہلیت کی تمام دوسری رسموں کی برطرفی کے ساتھ انتقام جوئی کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ جس کی ابتداء آپؐ نے اس اعلان کے ساتھ کی کہ ہم بنو ہاشم ابن ربیعہ کے انتقام سے دست بردار ہوتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ رواہ مسلم

یاد رکھو کہ امر جاہلیت کی ہر چیز (یعنی کفر کی تمام باطل رسمیں) میرے قدموں کے نیچے (مسل دی گئی) ہیں اور زمانۂ جاہلیت کا انتقام خون برطرف کر دیا گیا ہے (یعنی اب اس کا دعوے درست نہیں) اور اپنے خونوں میں سے پہلا خون جسکو میں باطل کرتا ہوں ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے۔

عفو و درگذر کی اسلامی تعلیم

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے بدن کو صدمہ پہنچایا جائے اور وہ صدمہ پہنچانے والے کو معاف کر دے (اور قصاص نہ لے) تو حق تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے (ابن ماجہ) اس تعلیم سے اثر پذیر ہو کہ آپ کے پیرو بھی عفو و درگذر کے خوگر ہو گئے چنانچہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کے قبیلہ کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انھوں

نے انتقال سے پہلے نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا کہ میرے بارہ میں جنگ و جدال نہ کرو میں نے اپنا خون معاف کر دیا تاکہ اس ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہو جائے (طبقات سعد تذکرہ عروہ بن مسعود رضؓ)

اُن کے اصل حملہ آور کا نام اوس بن عوف تھا۔ قاتل کو عُروہؓ کے صاحبزادہ ابو ملیح اور بھتیجے قارب کی طرف سے انتقام کا کھٹکا رہا۔ آخر اوس نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے اس کا اظہار کیا۔ حضرت خلافت مآبؓ نے ان دونوں کو انتقام سے منع کر دیا اور باہم مصالحت کرا دی اور سب نے ایک دوسرے سے صفائی دل کے ساتھ ہاتھ ملائے (طبقات ابن سعد تذکرہ اوس)

مظلوم کے لیے انتقام لینا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ اکابر سلف نے انتقام کی اسی قدر اجازت دی ہے کہ مظلوم بقدر اپنا عوض لے لے۔ مگر پھر بھی افضل یہی ہے کہ اس قدر انتقام کو بھی ترک کر دیا جائے کیونکہ بدلہ لینے میں زیادتی کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ قصاص یا قرض وغیرہ کسی کے ذمے ہو تو اس کو اس سے بری کر دے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (درگذر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کی ترغیب دو۔ ۷۔ ۱۹۹) اور فرمایا وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (اور اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ (۲۳۷،۲)

انتقام کی موسوی، عیسوی اور اسلامی تعلیمات کا مقابلہ

یہود کی قساوت قلبی کی وجہ سے موسوی شریعت میں عفو و درگذر کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ روح اللہ تشریف لائے۔ شریعت یہود کی سختیوں کو کم کرنے کے لیے انہیں ایسی مجسم رحمت و شفقت شریعت دی گئی۔ جس میں حاکمانہ عدل و انصاف کی روح کم پائی جاتی ہے۔ شریعت موسوی کا حکم جو عادلانہ انتقام پر مبنی تھا یہ ہے:۔

"اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائیگا۔ توڑنے کے بدلے توڑنا۔ آنکھ کے

بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے۔ اُس سے ویسا ہی کیا جائے۔ (بائبل کی کتاب احبار ۲۴: ۱۷-۲۱)

اور انجیل کی تعلیم جو سراسر عفو ہے یہ ہے۔ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا (متی ۵: ۳۹-۴۲)

ظاہر ہے کہ اس سرتاپا عفو و بخشش انجیلی تعلیم پر نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا اور نہ آج تک کسی مسیحی قوم اور عیسائی ملک نے اس وعظ پر کبھی عمل کیا۔ اور توریت کی تعلیم میں عفو و بخشش کا کوئی نام و نشان نہیں۔ لیکن اسلام نے جو تعلیم پیش کی وہ عفو و بخشش اور عادلانہ انتقام یا دوسرے لفظوں میں اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے۔ اسلام نے عدل اور احسان دونوں میں امتزاج پیدا کر کے دنیا کے نظام حکومت کو کامل تر بنا دیا۔

کلام پاک میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (خدا عدل اور احسان دونوں کا حکم دیتا ہے) جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اُس کے ساتھ اُتنی ہی برائی کرنا عدل ہے اور اُس کو معاف کر دینا اور چھوڑ دینا یہ احسان ہے۔ ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں اسلام نے قانون عدل کو حکومت کے ہاتھ میں دیا ہے اور احسان ہر ایک کے ہاتھ میں ہے۔ کلام پاک میں دوسری جگہ عدل و احسان کی یوں صراحت فرمائی ہے :۔ "اے ایمان والو! جو لوگ تم میں مارے جائیں، اُن کے بارے میں تم کو جان کے بدلے جان کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت" (۲: ۱۷۸)

یہ تو معاوضہ کا عادلانہ قانون تھا۔ اس کے بعد ہی احسان کی اخلاقی تعلیم ہے چنانچہ فرمایا۔ "پس جب (قاتل) کو اس کے بھائی (طالب قصاص) سے کوئی جزء قصاص معاف کر دیا جائے تو جان کے بدلے خون بہا ہے وارثِ مقتول کی طرف سے اس کا مطالبہ دستور (شرع) کے مطابق اور (قاتل کی طرف سے) وارثِ مقتول کو خوش معاملگی کے

ساتھ (خون بہا کا) ادا کر دینا لازم ہے۔ یہ خون بہا کا حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر جو کوئی (مقتول کے رشتہ داروں میں سے اس معافی یا خون بہا لینے کے بعد) زیادتی کریگا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸)

قرآن مجید نے دوسری جگہ اس جامعیت پر یوں روشنی ڈالی ہے: "اور ہم نے تورات میں یہود کو حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے عوض میں دانت اور زخموں کا بدلہ (ویسے ہی زخم ہیں) پھر جو (مظلوم) بدلہ معاف کر دے تو یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگی اور جنہوں نے خدا کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا وہی حقیقی ظالم ہیں۔ (۵ : ۴۵)

فصل ۔ ۸

اولاد کی محبّت میں کوتاہی

اہل عرب میں محبت اولاد کا جذبہ بہت کمزور تھا۔ بعض لوگوں پر تو افلاس و ناداری کی وجہ سے اولاد بارِ خاطر تھی۔ بعض کی غیرت و حمیّت اولاد کو برداشت نہیں کرتی تھی اور کچھ لوگوں کو ان کی وحشت و بربریت نے محبّت اولاد کے جذبہ سے خالی کر رکھا تھا۔ لیکن دنیا کے مُصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روحانی تعلیمات کے سلسلہ میں اولاد کے ساتھ اُنس و محبّت اور حسن معاشرت کے طریقے بھی لوگوں پر واضح کیے اور محبت اولاد کو خدائے رحیم کی رحمت کا ایک جزو قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ خداوند عالم نے رحمت کے سو حصے کیے ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور زمین پر صرف ایک حصہ اتارا۔ لوگ اسی ایک حصےؓ سے باہم محبت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ گھوڑا اپنی ٹاپ کو اپنے بچّے سے بچا کر رکھتا ہے کہ اس کو صدمہ نہ پہنچے۔ (بخاری) اور دوسری روایت میں ہے کہ اسی کے ذریعہ سے ماں اپنے بچے کے ساتھ اور وحوش و طیور آپس میں محبت کرتے ہیں۔

پرورش اولاد کی فضیلت

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرب والدین کے دلوں میں محبت اولاد کا جذبہ اُبھارنے کے لیے پرورش و تربیت اولاد کی فضیلت بیان کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں آپؐ نے اپنی درمیانی اُنگلی اور سبابہ کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن وہ عورت مجھ سے ایسی ہی قریب ہو گی جس کے رخسار سیاہ پڑ گئے ہوں یعنی وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو۔ صاحب جمال اور صاحب منصب ہو مگر اپنے یتیم بچوں کی خاطر نفس کُشی کرے اور نکاح نہ کرے یہاں تک کہ بچے بڑے ہو کر اس کی پرورش سے مستغنی ہو جائیں یا دنیا سے گذر جائیں (ابوداؤد) رخسار سیاہ پڑنے سے ترک زینت کی طرف اشارہ ہے۔

اور فرمایا کہ بیٹے کے حق میں کوئی عطیہ اس عطیئے سے بڑھ کر نہیں کہ وہ اس کی تعلیم و تربیت

اچھی طرح کرے (ترمذی)

اولاد کو چومنے پر عربوں کو حیرت

اہل عرب محبت اولاد کے جذبہ سے بالکل کورے تھے لیکن حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و اعمال سے محبت اولاد کی اہمیت لوگوں پر واضح فرمائی ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے رئیسِ اعظم اقرع بن حابس تمیمی آستان نبوت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے حسن مجتبیٰ کو چوما۔ اقرع کہنے لگے میرے دس بچے ہیں۔ میں نے کسی کا کبھی بوسہ نہیں لیا۔ آپؐ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو شخص رحم نہ کریگا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ایک بار ایک دیہاتی آپؐ سے کہنے لگا آپؐ حضرات اپنے بچوں کو چومتے ہیں لیکن ہم لوگ ایسا نہیں کرتے۔ فرمایا کہ اگر خدا نے تمہارے دل سے رحم و شفقت کو نکال لیا ہے تو میں اس میں شفقت کا جذبہ کیونکر پیدا کر سکتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

نواسوں پر شفقت

ایک مرتبہ آپ کی چچی محترمہ اُمّ الفضلؓ (مادر ابن عباسؓ) کہنے لگیں یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک عضو میرے گھر میں ہے۔ اس کی تعبیر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ فاطمہؓ کے گھر لڑکا پیدا ہوگا اور تم اس کو دودھ پلاؤ گی۔ پھر سیّد حسن مجتبیٰ پیدا ہوئے اور ام الفضلؓ نے ان کو دودھ پلایا ایک مرتبہ وہ حسنؓ کو آنحضرت کے پاس لائیں اور آپؐ کی گود میں بٹھا دیا۔ انھوں نے آپ پر پیشاب کر دیا۔ ام الفضلؓ نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مارا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی؟ آپؐ نے فرمایا۔ اُم الفضل! اللہ تم پر رحم کرے تم نے میرے بیٹے کو تکلیف دی۔ (ابن ماجہ) سلمہ بن الاکوع صحابیؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر شہباء پر سوار تھے۔ آپؐ کے آگے حضرت حسنؓ اور پیچھے حضرت حسینؓ بیٹھے تھے۔ میں آپؐ کے خچر کو خانۂ اقدس کے آنگن میں لے گیا۔ (ترمذی)

پیغمبر علیہ السلام کی اولاد اطہار

اور یہ محبت و عطوفت کچھ نواسوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپؐ اپنی ساری

اولاد سے بھی مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اصح الروایات کے بموجب آپؐ کے تین فرزند قاسم، عبداللہ اور ابراہیم (علیہم السلام) تھے۔ سب سے بڑے قاسم تھے جو قبل از نبوت پیدا ہوئے اور سترہ مہینے زندہ رہ کر عالم خلد کو چلے گئے۔ انہی کی نسبت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوالقاسم کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ عبداللہ ظہور اسلام کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا لقب طاہر اور طیب تھا۔ خورد سالی میں رحلت فرما ہوئے۔ ابراہیم مدینہ منورہ میں ۸ھ یا ۹ھ میں متولد ہوئے۔ وہ بھی خوردسالی میں رحلت گزین عالم جاودانی ہوئے۔

صاحبزادیاں چار تھیں۔ سیدہ زینب، سیدہ رُقیہ، سیدہ اُم کلثوم اور سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہن۔ اولاد میں سب سے بڑے قاسم تھے۔ ان سے چھوٹی زینب تھیں۔ ان سے چھوٹی رُقیہ اور ان کے بعد عبداللہ متولد ہوئے۔ ان کے بعد ام کلثوم ان کے بعد فاطمہ اور ان کے بعد ابراہیم سلام اللہ علیہم۔

اولاد کی رحلت پہ سرورِ انبیاءؐ کی اشک باری

محبت اولاد کا مقتضا یہ ہے کہ انسان اس کی مفارقت یا دردِ دکھ پر مغموم و محزون ہو جائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد کے انتقال پر مضطرب اور اشکبار ہو جایا کرتے تھے۔ آپؐ کے خادم حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم آپ کی صاحبزادی (سیدہ اُم کلثومؓ زوجہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ) کے جنازے پر حاضر ہوئے آپؐ قبر کے پاس بیٹھے تھے اور آپؐ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا (بخاری) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم ابراہیم کی رحلت سے چند روز پہلے ابوسیف لوہار کے ہاں گئے جو ابراہیم کا انگا تھا نبی علیہ السلام نے ابراہیم کو چوم کر سونگھا اور واپس آگئے۔ چند روز کے بعد دوبارہ گئے۔ اس وقت ابراہیم حالت نزع میں تھے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر آنحضرتؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گذارش کی یارسول اللہ! آپؐ بھی روتے ہیں؟ (یعنی دوسرے لوگ تو بوجہ کم فہمی و جہالت کے روتے ہیں۔ آپؐ اپنی معرفت اور عظمت شان کے باوجود کیوں روتے ہیں؟) آپؐ نے فرمایا اے ابن عوف! یہ رحمت ہے (یعنی

آنسوؤں کا بہنا اور دل کا غمزدہ ہونا صبر کے منافی نہیں۔ بلکہ یہ رحمت اور رقت قلب کی دلیل ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر ان سے نور آب دیدہ رواں ہوا آپ نے فرمایا کہ آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمزدہ ہے اور اے ابراہیم ہم تمہارے فراق میں مغموم ہیں مگر اس کے باوجود ہم وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو (بخاری و مسلم)

اور اُسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ حضور کی صاحبزادی نے کہلا بھیجا کہ میرا بیٹا جرعۂ مرگ نوش کرنے والا ہے۔ آپ ذرا تشریف لایئے۔ آپ نے جواب میں سلام کے بعد کہلا بھیجا کہ جو کچھ کہ اللہ نے دیا اور جو کچھ اُس ذات برتر نے لیا سب اُسی کا ہے اور اُس کے نزدیک ہر کام کی مدت معین ہے۔ پس چاہیئے کہ صبر کرو اور ثواب کی اُمیدوار رہو۔ (کہتے ہیں کہ یہ قریب المرگ بچہ سیدہ زینبؓ کا فرزند علی بن ابو العاصؓ تھا اور بعض نے کہا کہ یہ پیغام حضرت فاطمہ کی طرف سے آیا تھا اور بچے کا نام محسن بن علیؓ تھا) اس کے بعد آپ اٹھ کر صاحبزادی کے گھر کو چلے۔ سعدؓ بن عبادہ، معاذؓ بن جبل، اُبیؓ بن کعب، زید بن ثابت اور چند دوسرے صحابہ بھی آپ کے ساتھ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو نواسہ آپ کی گود میں دیا گیا۔ اس وقت بچے کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والا تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے حضرت سعدؓ بن عبادہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ اشکباری کیسی ہے؟ فرمایا کہ یہ رحمت ہے جس کو خالق کردگار نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُنہی پر رحم کرتا ہے جو رحم والے ہیں (بخاری و مسلم)

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے محبت

حضرت زینبؓ نے ۸ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو اس کے بعد مدینہ منورہ میں آپ کے گھرانے کے دو ہی متنفس یعنی سیدۃ النساء فاطمہ زہراء اور آپ رہ گئے تھے۔ باپ بیٹی میں انتہا درجہ کی محبت تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رنگ ڈھنگ اور بات چیت میں فاطمہ زہراؓ سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب وہ رسول اللہ کے پاس آتیں تو آپ (تعظیماً) کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ علیٰ ہذا جب حضور سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم فاطمہؓ کے پاس جاتے تو وہ بھی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑی ہو جاتیں اور محبت سے آپ کا سر چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابو داؤد)

آپ نے فرمایا فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہؓ کو اذیت دی اس نے مجھے دکھ دیا اور جس نے فاطمہ کو پریشان کیا اُس نے مجھے پریشانی میں ڈالا۔ (ترمذی)

نواسی سے محبت

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے جناب ابوالعاص رضؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ علی اور اُمامہ۔ علی قبل از بلوغ انتقال کر گئے۔ فتح مکہ کے دن علی بن العاص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ چونکہ اُمامہ مرحومہ بیٹی کی یادگار تھیں۔ سرورِ کائنات کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان کو آپ جان کی طرح عزیز رکھتے اور اپنے پاس رکھتے تھے۔ آپؐ حالت نماز میں بھی ان کو جدا نہ کرتے۔ حدیثوں میں اسی دختر فرخندہ اختر کی نسبت مروی ہے کہ آپ حالت نماز میں بھی ان کو گود میں لیے رہتے تھے۔ رکوع کے وقت بٹھا دیتے اور قیام کے وقت پھر اُٹھا لیتے تھے۔

سیدۃ النساء حضرت زہراء بتول کی وصیت کے بموجب حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ محترمہ اُمامہؓ کو عقد تزویج میں لائے۔ ان سے ایک بیٹا محمد اوسط پیدا ہوا مگر عمر نے وفا نہ کی اور اس نے جلد روضۂ رضوان کی راہ لی۔ حضرت علی مرتضٰے کے حادثہ شہادت کے بعد جناب اُمامہؓ مغیرہ بن نوفل کے عقد ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔ مغیرہ کے والد نوفل بن حارث ہاشمی سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی تھے۔ جن کو ہاشمی صحابہ میں سب سے زیادہ معمر ہونے کا امتیاز حاصل تھا۔ محترمہ اُمامہؓ سے مغیرہ بن نوفل کا یحییٰ نام ایک فرزند پیدا ہوا مگر زندہ نہ رہا۔ بالجملہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے کوئی اولاد و احفاد دنیا میں زندہ نہ رہی۔

امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں بچوں کی معاشرت و محبت کے متعلق جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کا ملخص یہ ہے۔

بچوں کو چومنا، ان کے ساتھ خوش طبعی کرنا، ان کو گلے لگانا، ان کو گود میں لینا۔

ران پر بٹھانا۔ دوسروں کے بچوں کو ان کے ساتھ کھیلنے کا موقع دینا۔ بچوں سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی محبت کے بہت سے ایمان افروز واقعات انشاء اللہ العزیز کتاب شمائل کبریٰ میں بصیرت افروز احباب ہوں گے۔

فصل - ۹

اولاد کے حقوق سے لے اعتنائی

عرب جاہلی میں والدین کو تو اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا والدین پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے اولاد کو بھی حقوق عطا فرمائے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اصول بتادیا جو ان تمام حقوق کا جامع متن ہے چنانچہ مروی ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا (ترمذی) حسب بیان عبداللہ بن عباس رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑے کا ادب واحترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں

چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب کے اصول پر اسلام نے چھوٹوں اور بڑوں کے حقوق باہمی کی تقسیم کی۔ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے حکماء اور مقننین کے وضع کیے ہوئے قوانین کا کوئی دفتر بے پایاں وہ کام نہیں دے سکتا جو عرب کے نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مختصر اور سادہ فقرہ انجام دے رہا ہے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد اولاد کا سب سے پہلا حق جو والدین پر عائد ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ اس کی صحیح تعلیم وتربیت کریں چنانچہ اسی معنی میں حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ (ترمذی والبیہقی فی الشعب) کسی باپ نے بیٹے کو نیک ادب سے بہتر کبھی کوئی چیز نہیں دی۔

زمانۂ جاہلیت میں نابالغ اولاد کو ترکہ میں سے کچھ نہیں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ترکہ کا وہ حقدار ہے جو دشمن سے لڑ سکے۔ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی۔ جس میں لڑکی کا اکہرا اور لڑکے کا دوہرا حصہ ٹھیرا کر جاہلیت کے اس دستور کو توڑ دیا:۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ الخ (سورۃ النساء) اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے حصوں کے بارہ میں تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو

فصل - ۱۰

اولاد سے عدم مساوات کا برتاؤ

اپنی ساری اولاد کو خواہ ایک بیوی سے ہو یا مختلف ازواج کی پیداوار ہو ایک نظر سے دیکھنا اور سب سے مساوی سلوک کرنا بھی نظام معاشرت اور آئین انصاف کا ضروری اصول ہے لیکن جزیرۂ عرب کے باشندوں کو نہ اس اصول کا علم تھا اور نہ اس پر ان کا عمل تھا حالانکہ یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ البتہ اس اقدام کے لیے کسی قدر خودداری اور قوت ارادی کی ضرورت ہے عہد جاہلیت کے عرب اپنی نئی رفیقہ حیات کی رضاجوئی کے لیے یا اس کے مجبور کرنے پر اولاد سے امتیازی سلوک کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرابی کی اصلاح فرمادی۔

حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضؓ کا بیان ہے کہ میری ماں بنت رواحہ نے میرے والد محترم حضرت بشیر رضؓ (ابن ثعلبہ انصاری خزرجی) سے کہا کہ آپ اپنی جائداد کا کچھ حصہ نعمان کے نام ہبہ کر دیں۔" لیکن میرے والد سال بھر تک لیت و لعل کرتے رہے آخر میری والدہ کے اصرار پر ہبہ کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ہبہ نامہ لکھا گیا۔ میری والدہ کہنے لگیں میں اُس وقت تک خوش نہیں ہوں گی جب تک اس ہبہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کر دو۔ میں اُن ایام میں خورد سال تھا۔ میرے والد میرا ہاتھ پکڑ کر آستانہ نبوت میں لے گئے اور التماس کی یارسول اللہؐ! اس لڑکے کی ماں بنت رواحہ کی خواہش ہے کہ آپؐ اس ہبہ کے گواہ ہو جائیں جو میں نے اس لڑکے (نعمان) کے نام کیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا بشیر! کیا نعمان کے علاوہ تمہارے اور بھی لڑکے ہیں؟ میرے والد نے کہا ہاں اور بھی ہیں۔ فرمایا کیا ان کے نام بھی ایسا ہی ہبہ کیا ہے؟ میرے والد نے کہا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اس ہبہ پر گواہ نہ کرو کیونکہ میں ظلم اور بے انصافی پر گواہ نہیں ہو سکتا۔ اسکے بعد فرمایا کہ ہبہ و عطا میں اپنی ساری اولاد میں انصاف اور مساوات ملحوظ رکھو (مسلم)

قیام عدل و مساوات کی ایک اور نظیر ملاحظہ ہو۔ ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ

اپنے والد کے تیز رفتار اونٹ پر سوار تھے۔ وہ پیغمبر علیہ السلام کی سواری سے بھی آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے صاحبزادہ سے بار بار کہتے کہ بیٹا! رسول خدا سے آگے کسی کو نہیں بڑھنا چاہیئے۔،، آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا یہ اُونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ حضرت عمرؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میں یہ حضور کی نذر کرتا ہوں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ ناچار انھوں نے قیمتاً فروخت کر دیا۔ وہ اونٹ آپؐ نے جناب عبداللہ بن عمرؓ کو دیدیا اور فرمایا کہ اب یہ تمہارا ہوا۔ (بخاری)

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جناب عبداللہ بن عمر کے تقویٰ وطہارت اور ان کی علمی عملی اور دماغی صلاحیتوں کی وجہ سے ان کو بہت چاہتے تھے اور ان کے بڑے قدر شناس تھے انھیں سواری کی ضرورت تھی لیکن ناداری کی وجہ سے خرید نہیں سکتے تھے۔ آپؐ حضرت عمرؓ سے انھیں سواری دلا سکتے تھے لیکن اس لحاظ سے کہ حضرت عمرؓ کی اور بھی اولاد تھی۔ اگر آپؐ عبداللہ کو اُن سے سواری دلاتے تو حضرت عمرؓ کا اپنی اولاد میں مساویانہ سلوک نہ رہتا اس لیے آپ نے حضرت عمرؓ کو یہ حکم نہ دیا کہ وہ اپنا ایک اُونٹ عبداللہ کو دے دیں ورنہ یہاں بس حکم کی دیر تھی اس لیے خود اپنی گرہ سے ایک اونٹ حضرت عمرؓ ہی سے خرید کر عبداللہؓ کو ہبہ کر دیا۔ (بخاری)

فصل - ۱۱

اولاد کی قربانی اور قتل اولاد کا رواج

عرب میں بچوں کی جان کو ایک آفت یہ تھی کہ بے رحم ماں باپ اپنے ننھے بچوں کو بتوں اور فرضی دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بھینٹ چڑھاتے تھے منت مانی جاتی تھی کہ اگر ہمارا فلاں کام حسبِ مراد پورا ہو جائے گا تو ہم اپنے بچے کی قربانی دینگے اگر وہ مراد پوری ہو جاتی تھی تو خود اپنے ہاتھ سے بچے کو ذبح کر دیتے تھے۔ یونانی مؤرخ پرگوریپوس جس نے سنہ ۶ء میں (یعنی ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً تیس سال پہلے) عرب کی سیاحت کی تھی۔ لکھتا ہے کہ منذر شقیق شاہ حیرہ ان نے شاہ غسان کی بیٹی کو قید کر کے لات یا عزّیٰ کی قربانی چڑھا دیا تھا۔

اور مؤرخ ایواگریوس نے نعمان نام کے ایک عرب کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے ہاتھ سے آدمیوں کو بتوں پر قربان کیا کرتا تھا۔ اور مؤرخ گبن اپنی تاریخ کے پچاسویں باب (صفحہ ۲۱۳ طبع ۱۸۶۲ء) میں رقمطراز ہے کہ انسان کی جان کسی عام آفت کے دفعیہ کے لیے سب سے عمدہ قربانی تھی۔ عربوں میں یہ سفاکانہ رسم مدت مدید سے جاری تھی اور تیسری صدی عیسوی میں تو ہر سال قبیلہ دمیانیہ کا ایک لڑکا لازماً بھینٹ چڑھایا جاتا

انگلستان، اٹلی اور ہندوستان میں بھی اولاد کشی عام تھی۔ رومتہ الکبریٰ کے متمدن قانون میں باپ کو اولاد کے مار ڈالنے کی پوری آزادی تھی۔ ہندوستان میں بتوں، دیوتاؤں اور دیویوں کی رضاجوئی اور نذرانے کے لیے معصوم بچوں کی جانیں بہت آسانی سے لی جاتی تھیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ اسپارٹا اور رومن سلطنت میں بدصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے۔ ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم اس بات کو جائز رکھتے تھے کہ ضعیف اولاد ضائع کر دی جائے۔ ارسطو کی رائے تھی کہ لنگڑے لڑکے

پرورش کے قابل نہیں۔ اسپارٹا میں جب لڑکا پیدا ہوتا تھا۔ تو بزرگانِ قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ اگر وہ تندرست اور قوی ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا۔ ورنہ پہاڑ سے اس کو گرا دیتے تھے اور بہت سی قوموں میں اسی قسم کا رواج پایا جاتا تھا۔"

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس جور و ظلم کو مٹایا۔ ارشاد باری ہے

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ (۶: ۱۳۷) (جس طرح کھیتوں اور جانوروں میں خدائے برتر کے ساتھ ان کے دیوتاؤں نے حصہ لگالیا ہے) اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں انکے معبودوں (بتوں) نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کر دیں۔ اور ان کے طریقہ کو مخبوط کر دیں۔

آگے چل کر خدائے جلیل فرماتا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶: ۱۴۰) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں ہیں جنھوں نے بدعقلی اور جہالت سے اپنے بچوں کو ہلاک کیا۔

قتل اولاد کا دوسرا محرک عربوں کی ناداری اور فاقہ کشی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اولاد ہوگی تو ان کی ضروریات زندگی کا بوجھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اس لیے وہ اس کے خون سے ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے تھے۔ آنحضرت شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر لوگوں کو بتایا کہ تمہارا یہ گمان سراسر نادانی ہے کیونکہ ہر بچہ اپنا رزق اور مقدر ساتھ لے کر عرصۂ شہود میں آتا ہے۔ کوئی انسان دوسرے انسان کا رزق رساں نہیں۔ بلکہ خدا ہی سب کا روزی رساں ہے۔ وہی ہر جاندار کی روزی کا میر سامان ہے اس معنی میں خدائے برتر و حکیم نے فرمایا:۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا (۱۷: ۳۱) اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ اولاد کی جان لینا بڑا بھاری گناہ ہے۔

اس رسم بد کے لیے مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروؤں سے بیعت لیا کرتے

تھے۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد حکم ہوا کہ جو عورتیں مشرف بایمان ہوں اُن سے توبہ کی جو بیعت لی جائے اس میں ایک دفعہ یہ بھی ہو کہ اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا جرم کیا ہے؟ فرمایا شرک۔ پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا والدین کی نافرمانی۔ پھر پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خدشہ سے ہلاک کر دو کہ وہ تمہارے کھانے پینے میں شریک ہو گی +

فصل - ۱۲

اوہام پرستی

ہندوستان اور پاکستان میں توہم پرست جہلاء کی بڑی کثرت ہے۔ عہد جاہلیت میں عرب کے اندر بھی ایسے لوگوں کی بڑی فراوانی تھی۔ لیکن اغلب ہے کہ عربوں کی اوہام پرستیاں یہاں کے جہلا کی خام خیالیوں سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ آخر جب ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کی تشنگیٔ سعادت کو سیراب کرنے کے لیے دنیا میں قدوم فرما ہوئے تو آپ نے تمام ضعیف الاعتقادیوں کو ملیا میٹ کر دیا۔

ایک جاہلانہ تصور

بعض عربوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے والے کی قبر پر اس کا اونٹ باندھ دیا جائے اور اسے اسی حالت میں چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے تو اس صاحبِ قبر کو حشر میں یہی سواری ملے گی اور اگر اونٹ نہ باندھا جائے تو اسے میدان حشر میں پیدل جانا پڑے گا۔ (تلبیس ابلیس)

لیکن کسی جاندار کو بھوکا پیاسا رکھ کر ہلاک کر دینا انتہا درجہ کی شقاوت اور سفاکی ہے اور یہ زعم محض احمقانہ تصور ہے کہ بھوک پیاس سے ہلاک ہونے والا جانور قبر سے اُٹھنے والے کی سواری بن جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ صالحین اُمت کی قبروں پر فرشتے استقبال اور خیر مقدم کے لیے موجود ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۲۱-۱۰۳) نیک لوگوں کو (نفخ ثانی کی) بڑی گھبراہٹ پریشان نہیں کرے گی اور (قبروں سے نکلتے ہی) فرشتے انکا استقبال کرینگے۔

اور یہ بھی روایتوں میں ہے کہ فرشتے اُمت کے نیک بندوں کے لیے سواریاں ساتھ لائیں گے مگر ظاہر ہے کہ ملائکہ کا استقبال اور سواریاں تو مومنین صالحین کے لیے مخصوص ہیں نہ کہ بُت پرست فُجّار کے لیے جنھیں شرک و وثنیت کی پاداش میں ابدالآباد جہنم میں رہنا ہوگا۔

ماہ شوال کی مزعومہ نحوست

عہد جاہلیت میں لوگ، ماہ شوال میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا شوال بڑا منحوس مہینہ ہے۔ دنیا کے مصلح اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس واہمہ کا طلسم توڑنے کے لیے عموماً جان نثاروں کو شوال میں نکاح کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے بلکہ آپ نے خود بھی عقد تزویج کے لیے عموماً اسی مہینہ کو ترجیح دی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے مجھے شوال ہی میں اپنے سلک ازدواج میں منسلک فرمایا۔ اور اسی مہینہ میں میری رخصتی ہوئی۔ باوجود اس کے ازواج النبی میں کون ایسی بی بی ہے۔ جو آنحضرت کے نزدیک مجھ سے زیادہ بہرہ مند ہوگی۔ (مسلم) عربوں کا اعتقاد تھا کہ جو کوئی ان کے معبود بتوں لات اور عزیٰ کو بُرا کہتا ہے وہ برص یا جذام میں مبتلا ہو جاتا ہے (مسند دارمی) سانپ کو نہیں مارتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سانپ مارا جائے تو اُس کا جوڑا آکر ضرور انتقام لیتا ہے (ابوداؤد)

عربوں میں شگون کا رواج

عرب ہر کام سے پہلے شگون لیتے تھے۔ اس کے مختلف طریقے رائج تھے۔ ایک یہ تھا کہ اگر کام کرتے وقت کوئی پرندہ داہنی طرف سے اڑتا تو مبارک سمجھتے تھے اور بائیں جانب سے اڑتا تو منحوس خیال کرتے اور اس کام سے باز رہتے۔ جب کہیں سفر کا قصد کرتے تو تین تیروں پر یہ تین امور ان پر فرض کر لیتے تھے۔ ایک میں کرنا۔ دوسرے میں نہ کرنا۔ تیسرے میں غافل ہونا۔ اگر پہلا تیر حصے میں آگیا تو بخوشی کام کرنے چلے جاتے اور دوسرا نکلتا تو نہیں جاتے تھے اور اگر تیسرا نکلتا تھا تو پھر از سر نو تین باتیں فرض کر لیتے تھے (تفسیر احمدی)

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ عربوں میں تطیّر یعنی شگون کا رواج اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ بسا اوقات اس کی بنا پر کاروبار سے رُک جاتے تھے۔ لیکن شرع محمدی نے اس کی نفی کرتے اور ممانعت فرماتے ہوئے بتایا کہ شگون میں جلب نفع یا دفع ضرر کی کوئی تاثیر نہیں۔ امام نووی رح لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد کرنا کہ پرندہ داہنی طرف کو جائے تو بابرکت ہے اور بائیں طرف جائے تو منحوس ہے سراسر شرک ہے۔ طیرہ (کسی چیز کو منحوس سمجھنے) میں خدا

کی جناب میں بدگمانی اور بلا کی توقع ہوتی ہے اور یہ امر عقلاء کے نزدیک من حیث الشرع ممنوع ہے۔ عُروہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طِیَرہ کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا مسلمان کو چاہیئے کہ بدشگونی کے باعث کسی کام سے دست بردار نہ ہو اور اگر کوئی مکروہ چیز دیکھے تو کہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا یَاْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَدْفَعُ بِالسَّیِّاٰتِ اِلَّا انت وَلَاحول ولا قوۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ رواہ ابوداؤد (الٰہی تیرے سوا حسن وخوبی کو کوئی نہیں لاسکتا اور تیرے سوا برائی کو کوئی دفع نہیں کرسکتا اور برائی سے بچنے اور نیکی پر عمل کرنے کی توفیق تجھی سے ملتی ہے) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ طِیَرہ (بدفالی) شرک ہے لیکن اللہ تعالےٰ توکل کی برکت سے اس کو دفع کر دیتا ہے۔ رواہ الترمذی والبوداؤد

عورت، گھوڑے اور گھر میں نحوست ہونے کا گمان

اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ تین چیزیں نحوست سے ہمکنار ہیں۔ عورت، گھوڑا اور گھر۔ رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی فی شعب الایمان شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ عورت میں نحوست یہ ہے کہ بانجھ، بدمزاج، سرکش اور خاوند کی نظر میں مکروہ اور قبیح ہو اور گھر میں نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو اور وہاں کی آب و ہوا اچھی نہ ہو یا ہمسایہ بد ہو اور گھوڑے میں نحوست یہ ہے کہ سرکش اور منہ زور اور مصلحت سے ناموافق ہو۔"

نحوست کی نفی میں حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ نہ تو ہامہ ہے اور نہ عدویٰ ہے اور نہ کوئی نحوست ہے۔ اور اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو گھر اور گھوڑے اور عورت میں ہوتی (ابوداؤد) اور قتادہ نے ابوحسّان سے روایت کی کہ دو شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے اُمّ المومنین! فلاں صاحب کہتے ہیں کہ عورت اور گھوڑے اور گھر میں نحوست ہے۔ یہ سن کر اُم المومنین ناخوش ہوئیں اور بولیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا تھا کہ اہل جاہلیت ان تین چیزوں سے تطیر کیا کرتے تھے۔ (رواہ ابن جریر)

اور ابن ابی ملکیہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اپنی لونڈی کے بارہ میں میرے دل میں ایک بات کھٹکتی ہے اور میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ رسولِ

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو مکان میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہوتی۔" لیکن حضرت ابن عباسؓ نے اس سے سخت انکار کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا فرمایا تھا اور اس سے بھی انکار کیا کہ کسی چیز میں نحوست ہوتی ہے۔ رواہ ابن جریر۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ اس شرطیہ کا لانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر نحوست کا کہیں وجود ہوتا تو ان تین چیزوں میں ہوتا۔ کیونکہ یہ چیزیں سب سے زیادہ نحوست کے قبول کرنے والی ہیں۔ لیکن جب ان میں بھی نحوست نہیں تو معلوم ہوا کہ نحوست کسی چیز میں بھی نہیں۔ ع۵

کسی کی بیماری دوسرے کو لگنے کا اعتقاد

عرب میں ہر شخص یہ یقین کیے بیٹھا تھا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے اس لیے ہر شخص بیمار سے دور بھاگتا تھا۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی میں فرمایا لاعدویٰ کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔ رواہ مسلم لیکن اسی کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ بیمار اونٹ تندرست اونٹ کے پاس نہ رکھا جائے۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! جب ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی تو تندرست اونٹ کو بیمار کے ساتھ رکھنے میں کیا قباحت ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ تندرست کو مریض اونٹ سے نفرت اور تکلیف ہوتی ہے۔ (مؤطا)

جب آپؐ نے یہ فرمایا کہ لاعدویٰ (بیماری نہیں لگتی) تو ایک دیہاتی کہنے لگا یارسول اللہ! پھر وجہ کیا ہے کہ خارشتی اونٹ دوسرے اونٹوں میں آگھستا ہے تو سب کو خارشتی کردیتا ہے؟ آپؐ نے اس کے جواب میں دیہاتی سے پوچھا کہ پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی تھی؟ رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد لیکن یہاں یہ اشکال ہے کہ اگر ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی تو آپؐ نے یہ کیوں فرمایا کہ کوڑھی سے اسی طرح بھاگو۔ جس

ع۵ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال اور قاضی عیاضؒ کا بیان شیخ عبدالحق رحؒ کی کتاب "ماثبت عن السنۃ فی ایام السنۃ" سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲

طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ رواہ البخاری۔ اسی طرح جب قبیلہ ثقیف کا وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو اُن میں ایک جذامی بھی تھا۔ آپ نے اس کو کہلا بھیجا کہ تم لوٹ جاؤ ہم نے تم سے بیعت لے لی۔ رواہ مسلم۔

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ آپ نے کوڑھی کو اس واسطے نہ بلایا کہ مبادا لوگ اس کی تحقیر کریں اور وہ رنجیدہ ہو۔ یہ خیال محض غلط ہے کہ آپؐ نے اسکی بیماری لگ جانے کے خوف سے اس کو نہ بلایا تھا کیونکہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اس کو اپنے ساتھ اپنے برتن میں کھانا کھلایا اور شروع کرتے وقت اس سے فرمایا کھاؤ مجھے اللہ پر اعتماد اور اسی پر توکل ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔

جذامی سے خلاملا رکھنے کی ضرورت

اس میں شبہ نہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔ تاہم جذامی کے بارہ میں حفظانِ صحت کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے۔ اس مرض کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جب مجذوم کے ہاتھ پاؤں گل جائیں اور ان میں پیپ پڑ جائے تو اس سے سخت ناگوار قسم کی بو آنے لگتی ہے۔ یہ بو اس شخص کو بھی بیمار کر دیتی ہے جو شب و روز جذامی کا ہم نشین رہے اور کھانے پینے اور سونے میں اس کے ساتھ خلاملا رکھے۔ یہ روگ عدویٰ (بیماری لگ جانے) کی قسم سے نہیں بلکہ ایک طبی امر ہے۔ اس کی تاثیر کی مثال ایسی ہے جیسے ناگوار غذا یا سڑی بُسی اشیاء کے کھانے سے یا بدبُو سونگھنے یا ایسے مکان میں رہنے سے جس کی آب و ہوا متعفن و مرطوب ہو انسان علیل ہو جاتا ہے۔ گو یہ سب کچھ مشیت ایزدی کے تحت رونما ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے آپؐ نے کوڑھی سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا۔

کوڑھی کو کھانے میں شریک کرنا۔

اور یہ جو آپؐ نے کوڑھی کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا تو اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ آپؐ سلطان المتوکلین تھے۔ توکل و تفویض میں آپؐ کا جو مقام تھا وہاں تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرے آپ کا قلب مبارک پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھا ارشاد

باری ہے کہ اگر ہم قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ اس کا متحمل نہ ہو سکتا اور اسکے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ لیکن آپؐ کا قلب مبارک وحی الٰہی کی گرانی کا متحمل ہوتا تھا۔ دل کی اسی غیر معمولی قوت برداشت کے باعث آپؐ نے کوڑھی کو اپنے کھانے میں شریک کیا۔ دوسرے لوگوں کے دل اتنے طاقتور نہیں ہیں کہ کوڑھی کے متعفن ماحول اور گھناؤنی فضا میں غذا کا ایک لقمہ بھی حلق سے اتار سکیں۔ پس کوڑھی سے پرہیز کرنے والا انسان طبعاً معذور ہے۔

صفر کو منحوس سمجھنا

جاہلی عرب میں صفر کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ صفر سے کیا مراد ہے۔ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفر کوئی چیز نہیں۔ اللہ نے ہر جان کو پیدا کیا۔ پھر اس کی عمر اور روزی اور اس کی آفتیں اور مصیبتیں لکھ دیں۔ رواہ احمد فی مسند والترمذی۔ شیخ عبدالحق یہ اور بہت سی دوسری روایتیں درج کرنے کے بعد صفر کے مطلب و مراد کی نسبت فرماتے ہیں۔ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ صفر عرب کے زعم میں پیٹ کے سانپ کا نام ہے جو انسان کو بھوک کے وقت کاٹتا ہے اور ایذا دیتا ہے اور یہی مرض میں اضافہ کا باعث ہے۔ لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا۔ اور طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا کہ اہل عرب کے نزدیک صفر ایک سانپ ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے۔ بھوک کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے وہ اسی کی کاٹنے سے ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ صفر ایک مشہور مہینہ ہے۔ عرب کہتے تھے کہ یہ بڑا منحوس مہینہ ہے۔ اس میں مصیبتوں اور فتنوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جو کام بھی کیا جائے وہ انجام بخیر نہیں ہوتا۔ لیکن شارع علیہ السلام نے ان مزعومات کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ لا عدوٰی ولا صفر یعنی نہ تو کسی کی بیماری کسی دوسرے کو لگتی ہے اور نہ صفر میں کوئی نحوست ہے۔ رواہ مسلم

بھوتوں کے ضرر کا اعتقاد

شرح جامع اصول میں ہے کہ غول ایک حیوان ہے جس کی نسبت عربوں کا گمان تھا

کہ وہ بعض اوقات راستہ میں سامنے آجاتا ہے اور لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ شیاطین کی ایک قسم ہے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَاغُوْلَ (غول کوئی چیز نہیں) میں غول کی ذات اور اس کے وجود کی نفی نہیں بلکہ جاہلی عربوں کے اس قول کا ابطال ہے کہ غول مختلف صورتیں بدلتے اور لوگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اور کتاب نہایہ میں ہے کہ غول غیلان کا مفرد ہے اور وہ جنات کی ایک قسم ہے۔ عرب کہا کرتے تھے کہ غول جنگلوں میں لوگوں کو دکھائی دیتا اور مختلف صورتیں بدلتا رہتا ہے اور وہ لوگوں کو راستے سے بہکا دیتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جب غیلان صورتیں بدلنے لگیں تو (اُن کا شر دفع کرنے کے لیے) جلدی سے اذان کہنے لگو۔ اس سے وہ پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور بغوی رح نے لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَاغُوْلَ (غول کچھ نہیں) میں ذاتِ غول کی نفی نہیں بلکہ آپ نے یہ خبر دی کہ غول کو امر الٰہی کے بغیر بہکانے یا ہلاک کرنے کی قدرت نہیں (ماثبت من السنۃ)

منازل قمر کے اثر کا وہم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَانَوْءَ (نوء بھی کوئی چیز نہیں) رواہ مسلم۔ نوء لغت میں قمر کی کسی منزل کے غروب اور اس کی مقابل منزل کے طلوع کرنے کو کہتے ہیں (منتخب اللغات) شرح جامع الاصول میں ہے کہ نوء انواء کا واحد ہے۔ اور یہ اٹھائیس ستارے یعنی منازل ہیں۔ تیرھویں رات کو طلوع فجر کے ساتھ غرب میں ایک منزل ڈوب جاتی ہے اور اس کے مقابل کی دوسری منزل نکل آتی ہے۔ پس یہ اٹھائیس ستارے سال میں اپنے دورے ختم کرتے ہیں۔ عرب کہا کرتے تھے کہ ایک منزل کے ڈوبنے اور اس کے مقابل کی منزل کے نکلنے سے مینہ برستا ہے۔ پس عرب بارش کو منزل قمر کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں منزل کے سبب سے ہم پر مینہ برسا۔ ہنود بھی نچھتر سے بارش سمجھتے ہیں۔ شرع نے اس اعتقاد کو باطل ٹھیرایا۔ مینہ برسنا مالک الملک تعالےٰ شانہٗ کی مشیئت اور حکم سے ہے ستاروں کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انواء کے باب میں صرف اس لیے تغلیظ وتردید فرمائی ہے کہ اہل عرب مینہ کو نوء کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن جو شخص مینہ کو خدا کی طرف سے جانتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں نوء نے مینہ برسایا اور اس سے اس کی یہ مراد ہوتی ہے کہ فلاں وقت مینہ برسا کہ فلانی منزل ہے تو ایسا کہنا جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رض نے نماز استسقاء کا قصد کیا تو حضرت عباس رض نے پکار کر دریافت کیا کہ ثریا کی منزل میں سے ہنوز کتنے دن باقی ہیں؟۔ (ثریا پروین کو کہتے ہیں اور پروین منازل قمر میں سے ایک منزل کا نام ہے) حضرت عباس رض رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کے علماء یعنی منجم کہتے ہیں کہ زمین میں سقوط کے بعد ثریا اُفق کے کنارے پر سات مرتبہ آیا ہے۔ پھر وہ سال گذرنے نہ پایا کہ لوگوں پر مینہ برسا۔ امیر المومنین نے حضرت عباس رض سے یہ دریافت کیا تھا کہ اُس موسم میں ہنوز کتنی مدت باقی ہے جبکہ منجانب اللہ عادۃً مینہ برسا کرتا ہے۔ اس کی نظیر یہاں اساڑھ اور ساون کے جیسے ہیں۔

اور نہایہ میں ہے کہ امر جاہلیت کی حدیث میں ہے کہ انواء کی اٹھائیس منزلیں ہیں۔ چاند کی ہیں۔ سے ہر شب کو نئی منزل میں ہوتا ہے اور آیت وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (اور قمر کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا دی ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (ماثبت من السنۃ فی ایام السنہ)

اُلّو کی نحوست کا وہم

اُلّو ایک پرندہ ہے جس کو دن کے وقت کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے رات کو نکلتا ہے۔ یہاں بھی بہت سے جہلاء کا عقیدہ ہے اور عربوں کے دل ودماغ پر تو خاص طور پر یہ واہمہ مسلط تھا کہ جس گھر پر اُلّو بیٹھ جائے وہ ویران ہو جاتا ہے۔ لیکن مصلح اعظم علیہ الصلوات والتسلیمات نے اس واہمہ کی تردید میں فرمایا ولا ھامۃ (یعنی اُلّو کی نحوست کی بھی کوئی اصل نہیں) ایک تو ہامہ کی یہ تفسیر ہے۔ دوسری یہ ہے کہ عربوں کا اعتقاد تھا کہ آدمی کی روح مرنے کے بعد اور بعض کے نزدیک آدمی کی ہڈیاں

اس کی موت کے بعد پرند کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور پھر وہ پرندہ پرواز کرنے لگتا ہے۔ اور بعض کہتے تھے کہ اس مقتول کی روح جس کا قصاص نہ لیا گیا ہو۔ وہ پرندہ بن جاتی ہے اور پکارتی ہے کہ مجھے سیراب کرو۔ پھر جب قصاص مقتول کا لے لیا جاتا ہے تو وہ اُڑ جاتی ہے۔

فصل ۔ ۱۳

بُت پرستی

دنیا میں بت پرستی کیونکر رائج ہوئی؟

اوائل میں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد موحد تھی اور صدیوں تک موحد رہی۔ اس کے بعد بت پرستی نے جنم لیا اور وہ دنیا کے اکثر حصوں میں رواج پذیر ہوئی۔ بنی آدم میں بت پرستی کا کیونکر رواج ہوا یہاں اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد میں وُدّ، سُوَاع، یغوث، یعوق اور نسر پانچ بزرگ صلاح و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔ قضائے کردگار سے یہ پانچوں نفوس قدسیہ ایک ہی مہینہ میں رحلت گزین عالم جاوداں ہو گئے اور لوگوں کو ان کی مفارقت دائمی کا بڑا صدمہ ہوا۔ ایک شخص بزرگان قوم سے کہنے لگا کہ اگر آپ حضرات قبول کریں تو میں ان کی صورتوں کی پانچ مورتیں تیار کر دیتا ہوں۔ یہ یادگاریں تمہاری دلجمعی اور راحت کا سامان بنی رہیں گی۔ ان میں روحیں داخل کرنے کی تو مجھ میں قدرت نہیں البتہ مورتیں اس خوبی سے بناؤنگا کہ اصل اور نقل میں تمیز نہ ہو سکے گی۔

بزرگانِ قوم میں اس تجویز کو پسند کیا اور اس نے پانچ بُت تیار کر دیے جو ایک جگہ نصب کر دیے گئے۔ ان کے خویش و اقارب اور ارادت مند لوگ ان بتوں کا بڑا احترام کرتے اور محبت کی گرمجوشی میں ان کے ارد گرد پھرتے۔ وہ صدی جس میں یہ مورتیں بنائی گئیں اسی طرح گذر گئی۔ اگلی صدی آئی تو لوگوں نے قرن اول سے بڑھ چڑھ کر ان کی تعظیم و تکریم میں حصہ لیا لیکن سلام اور طواف سے متجاوز نہ ہوئے۔ لیکن جب تیسرا قرن آیا تو بعض اشخاص آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے بزرگ اسلاف نے بلا وجہ یہ یادگاریں

قائم نہیں کی تھیں بلکہ انھوں نے اس توقع پر یہ مورتیں بنائی تھیں کہ پانچوں بزرگ خالق ارض وسماء سے ان کی شفاعت کرینگے۔ چنانچہ فرطِ محبت میں ان کی پوجا شروع کردی گئی۔

اب حق تعالےٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو منصب رسالت سے سرفراز فرما کر ان کے پاس بھیجا۔ آپ نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دے کر بت پرستی سے باز رہنے کی تلقین کی۔ لیکن وہ کسی طرح بت پرستی سے باز نہ آئے پھر زمانہ کے بعد جناب نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ وہ بھی قریباً ہزار سال تک قوم کو راہ ہدایت پر لانے کی کوشش کرتے رہے لیکن انھوں نے ایک بھی ان کی نہ سنی۔ آخر قوم نوح طوفان کی نذر ہوئی اور پانی ان کے معبود بتوں کو اِدھر اُدھر اُچھالتا پھرا یہاں تک کہ پانی کے تھپیڑوں نے ان بتوں کو ساحل جدہ پر لا پھینکا۔ جب پانی خشک ہوا تو یہ پانچوں مورتیں ساحل بحر پر پڑی رہیں اور بیابان کی ریت اُڑ اُڑ کر ان کے اوپر پڑتی رہی۔ اس طرح یہ بت بڑی مدت تک ریت کے نیچے دبے رہے۔

مکہ معظمہ میں بُت پرستی کا رواج

قریش مکہ اور عرب کے بہت سے دوسرے قبائل کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ یہ لوگ خدائے واحد کے سچے پرستار تھے۔ جناب اسمٰعیل علیہ السلام ہجرت نبوی سے دو ہزار سات سو ترانوے سال پہلے مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ ان کی اولاد ڈھائی ہزار سال تک ان کے مسلک توحید پر قائم رہی۔ دنیا کے قریب قریب ہر حصے میں بتوں کا طوطی بول رہا تھا لیکن مکہ معظمہ اور اس کے جوار میں توحید کا غلغلہ بلند تھا۔ آخر نبیٔ آخر الزمان سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قریباً تین صدیاں پہلے مرکز توحید میں بھی بت پرستی رائج ہوگئی اور آل اسمٰعیل قاطبتہً بت پرستی کے زندان ہلاک میں جا پڑی۔

سب سے پہلے جس شخص نے دین اسمٰعیلی کو بدلا اور مکہ معظمہ میں بُت گھڑے گئے وہ عمرو بن عامر لُحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر تھا جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر عمرو بن لُحی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص کعبہ کے متولی حارث کو قتل کر کے خود متولی بن گیا تھا۔

ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا۔ کسی نے اس کو بتایا کہ شام میں بلقاء کے مقام پر ایک گرم چشمہ ہے۔ وہاں جاکر غسل کرو تو اچھے ہو جاؤ گے۔ اس نے وہاں جاکر غسل کیا تو تندرست ہو گیا۔ بلقاء میں مورتی پوجا زوروں پر تھی۔ وہاں اس نے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ انھوں نے کہا یہ ہمارے معبود اور حاجت روا ہیں۔ یہی باران رحمت بھیجتے، اولاد بخشتے اور رزق میں فراخی دیتے ہیں۔ ان ہی کی نصرت و یاری سے دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔"

ابن لحی سوچنے لگا کہ کیا اچھا ہو کہ میں بھی ایک بت مکہ لے جاؤں اور وہاں اسکی پرستش شروع کی جائے۔ چنانچہ وہاں سے ہبل نامی ایک بت حاصل کر کے مکہ معظمہ لایا اور خانہ کعبہ کے پاس نصب کر دیا۔ اس کے بعد عمرو بن لحی کو اُن بتوں کا بھی علم ہوا جو بندرگاہ جدہ کے پاس ساحل بحر پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے جدہ جاکر ان کو ڈھونڈھ نکلوایا اور لدوا کر تہامہ لے آیا اور ان کو بھی بیت اللہ کے پاس نصب کر دیا۔ اس کے بعد جب حج کا موسم آیا تو وہ زائرین کعبہ کو بت پرستی کی دعوت دینے لگا۔ لوگوں نے بڑی گرمجوشی سے اس دعوت کو لبیک کہا اور اطراف و اکناف ملک میں بت پرستی شروع ہوگئی۔ (تلبیس ابلیس)

مکہ کے ہر گھر میں بُت

اس کے تھوڑے عرصہ بعد بلدالامین کی یہ حالت ہوگئی کہ شہر کا کوئی گھر بت کے وجود سے خالی نہ تھا ہر گھر والے اپنے بت کو پوجتے تھے اور جب گھر والوں میں سے کوئی سفر کو جانا چاہتا تو جاتے وقت (حصول برکت کے خیال سے) اُس بت کو چھوتا تھا اور جب سفر سے آتا تو سب سے پہلے اس کا یہ کام تھا کہ اُس بُت کو چھوئے۔ اہل مکہ میں سے جس کے پاس کوئی مورتی نہ تھی، اُس نے کہیں سے کوئی صاف شفاف پتھر ہی لاکر معبود کی حیثیت سے رکھ لیا تھا اور وقتاً فوقتاً اس کا طواف کیا کرتا تھا۔ اہل شرک ایسے پتھروں کو انصاب کہتے تھے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں انصاب سے کنارہ کش رہنے کی تاکید فرمائی گئی:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۹۰:۵) مومنو! شراب اور جُوا اور پتھر کے بُت اور پانسے (ان میں سے ہر ایک کام) تو بس ناپاک شیطانی عمل ہے۔ اس سے بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

خوشنما پتھر کو معبود بنا لینے کا معمول

ابن جوزی رح لکھتے ہیں۔ جب کوئی مشرک سفر کو جاتا اور کسی منزل پہ اُترتا تو چار پتھر تلاش کر کے لاتا۔ ان میں سے جو پتھر اس کو خوشنما دکھائی دیتا اس کو اپنا معبود بنا کر اس کی پوجا شروع کر دیتا اور باقی ماندہ پتھروں سے اپنا ہانڈی کا چولھا بنا لیتا اور جب وہاں سے کوچ کرتا تو اُس کو چھوڑ جاتا۔ پھر جب دوسری منزل پر اُترتا تو وہاں بھی ایسا ہی کرتا۔ ابو رجاء عطاردی رح جو ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں پتھروں کو پوجا کرتے تھے۔ جب ہم ایک پتھر سے بہتر کہیں سے دوسرا خوبصورت پتھر پاتے تو پہلے کو پھینک کر دوسرے کو پوجنے لگتے تھے۔

عطاردی رح نے کہا کہ جب ہم کسی مقام پر پتھر نہ پاتے تو ریت کا تودہ جمع کر لیتے اور ایک بھیڑ لا کر اُس پر کھڑی کرتے اور وہاں اس کا دودھ دوہ دیتے۔ پھر اس تودہ کے اردگرد طواف کیا کرتے اور سفید پتھر لے کر ایک مدت تک اسکی پرستش کرتے پھر اس کو پھینک دیتے۔ (تلبیس ابلیس)

عمرو بن لُحی جہنم میں

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج عمرو بن لُحی کو جہنم میں دیکھا تھا چنانچہ حسبِ روایت ابن عباس رض آپ نے فرمایا کہ جہنم میرے سامنے کی گئی تو میں نے اس میں ایک شخص کو دیکھا جو پست قامت سرخ فام کرنجا تھا۔ وہ آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمرو بن لُحی ہے جس نے سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دین بگاڑا اور عرب میں بت پرستی رائج کی (بخاری)

مسجد الحرام میں معبودانِ باطل کی سرکوبی

فتح مکہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں گئے۔ وہاں خانۂ کعبہ

کے گرد مورتیں رکھی تھیں۔ آپ کمان کی نوک سے ان کی آنکھوں اور چہروں پر کو نچتے جاتے تھے۔ اس وقت آپ یہ کہتے جارہے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (حق آیا اور باطل مٹا اور باطل تو نیست و نابود ہی ہونے والا تھا) پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے حکم کے بموجب تمام بت اوندھے گرائے۔ پھر مسجد سے نکال کر نذر آتش کر دیئے گئے۔ (تلبیس ابلیس)

ہُبُل کا استیصال

فتح مکہ کے دن ہُبُل کو بھی زوال آیا اور اس کے پرخچے اڑا دیے گئے۔ قریش کا یہ بُت کعبۂ معلّٰی کے عین وسط میں نصب تھا۔ قریش کے تمام معبودوں میں ھُبُل سب سے زیادہ واجب الاحترام سمجھا جاتا تھا۔ یہ بت سنگ سُرخ کا انسانی مجسمہ تھا لیکن امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ وہ عقیق سُرخ کا تھا۔ اس کی پیٹھ پر ایک آدمی بنا ہوا تھا جس کا داہنا ہاتھ شکستہ تھا۔ قریش نے اس کو اسی صورت میں پایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ سونے کا بنوا کر لگایا گیا۔

سب سے پہلے اس بت کو خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا۔ یہ کعبۂ معلّٰی کے وسط میں تھا۔ اس کے آگے سات لکڑیاں بے پھل تیر کی طرح پڑی رہتی تھی۔ ایک پر صریح اور دوسری پر ملصق لکھا ہوا تھا۔ جب کسی بچے کے متعلق لوگوں کو کچھ اشتباہ ہوتا تو ھُبل کے نام کا چڑھاوا لے جاتے۔ پھر ان تیروں سے پانسہ پھینکتے اگر صریح نکلتا تو اس بچے کو اُلفت کے ساتھ لے جاتے اور اگر ملصق نکلتا تو اس سے اعراض کرتے۔ جب کسی قضیہ میں باہم نزاع کرتے یا سفر کا قصد کرتے تو ھُبل کے پاس جاکر پانسہ پھینکتے تھے۔ (تلبیس ابلیس)

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جدّ امجد عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ جس وقت وہ اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھیں گے تو ایک بیٹے کی ہُبُل پر قربانی چڑھائیں گے۔" مگر یہ بیان قطعاً غیر صحیح ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدائے برتر میرے دس جوان بیٹوں کو میری قوت بازو اور پشت پناہ

بنائے گا تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو فی سبیل اللہ قربان کروں گا۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب سیرتِ کبریٰ کی چھتیسویں فصل ملاحظہ ہو۔

غزوۂ اُحُد کے اختتام پر سرخیل کفار ابوسفیان بن حرب نے کہا تھا کہ آج ہُبل کا بول بالا ہوا اور کہا کہ عزّیٰ ہمارا پروردگار ہے اور مسلمانوں کا کوئی مددگار نہیں۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا کہ جواب میں کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ (ابن جریر طبری)

اُساف اور نائلہ کی رسوائی و پامالی

اُساف اور نائلہ قریش کے مخصوص بت تھے جن کو چاہ زمزم کے پاس نصب کر رکھا تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ اُساف قبیلہ جرہم کے ایک مرد اور نائلہ اسی قبیلہ کی ایک عورت کا نام تھا۔ اُساف بن یعلےٰ اور نائلہ بنت زید میں باہم معاشقہ تھا اور یمن میں ان کے عشق کے افسانے مشہور تھے۔ ایک مرتبہ یہ دونوں ایک ہی قافلہ میں حج کو آئے۔ سوءِ اتفاق سے دونوں بیک وقت خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت ان دونوں کے سوا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اُساف نے اسی بقعہ مقدسہ میں نائلہ سے بدکاری کی۔ غضب خداوندی حرکت میں آیا اور دونوں مسخ کر دیے گئے۔

علی الصباح لوگوں نے دونوں کو بے جان پتھروں کی شکل میں مسخ شدہ پا کر عبرت روزگار بننے کے لیے ایک جگہ نصب کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد جب مکہ میں بت پرستی شروع ہوئی تو لوگ ان دونوں کو بھی پوجنے لگے۔ فتح مکہ کے دن حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھی قلع قمع کا حکم دیا۔ چنانچہ توڑ پھوڑ کر ملیامیٹ کر دیے گئے۔ خانہ کعبہ کے عام بتوں کی تعداد سال کے دنوں کے برابر تین سو ساٹھ تک پہنچی ہوئی تھی۔ سلسلۂ تطہیر میں سب بے نشان کر دیے گئے۔

مناۃ کی سرکوبی

حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے تطہیر کعبہ کے بعد عرب کے تمام مشہور بتوں کو جو معبودوں کی حیثیت سے مرجع انام بنے ہوئے تھے منہدم کرا دیا۔ عرب کا ایک

مشہور بُت مناۃ تھا جو بحرِ قلزم کے کنارے مکہ اور مدینہ کے درمیان قدیہ کے مقام پر تھا قبول اسلام سے پہلے اوس اور خزرج اس کے سب سے بڑے پرستار تھے۔ بنو خزاعہ اور ہذیل بھی اس کو پوجتے تھے۔ ان کے علاوہ مکہ، مدینہ اور ان کے قرب وجوار کے مواضع میں رہنے والے بھی مناۃ کے واسطے قربانی کرتے اور ہدیے بھیجتے رہتے تھے۔

مروی ہے کہ اوس اور خزرج اور وہ لوگ جو ان کے مسلک پر چلتے تھے جب حج کے لیے مکہ معظمہ میں آتے تو ہر ایک موقف میں دوسرے حجاج کے ساتھ کھڑے ہوتے لیکن اپنے سر نہیں منڈاتے تھے۔ پھر جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوتے تو مناۃ کے یہاں جا کر اس کے پاس اپنا سر منڈاتے اور وہاں ٹھیرتے تھے اور بدون اس کے اپنا حج مکمل نہیں سمجھتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد واپس جا کر سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رض کو اس کے انہدام پر متعین فرمایا اور انھوں نے جا کر اس کو توڑ پھوڑ کر بے نشان کر دیا۔ (تلبیس ابلیس)

لات کا انہدام

اُن بت پرستوں نے جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے منات کے بعد لات کی پرستش شروع کر دی تھی۔ یہ بُت طائف میں ایک بڑے مربع پتھر پر تیار کیا گیا تھا۔ اس کے متولّی قبیلہ بنو ثقیف کے رؤسا تھے۔ انھوں نے اس پر عمارتیں بنا رکھی تھیں۔ عرب اسی کی نسبت سے زید اللات اور تیم اللات وغیرہ نام رکھتے تھے۔ امام ابن جوزی رح لکھتے ہیں کہ اب جہاں طائف کی جامع مسجد ہے۔ لات اس کے بائیں منارے کے مقام پر تھا۔ لات برابر اپنی حالت پر موجود و مسجود رہا یہاں تک کہ ثقیف مسلمان ہوئے۔

بنو ثقیف مسلمانوں کی بت شکنی کی خبریں برابر سن رہے تھے۔ طائف کا جو وفد مدینہ منورہ آیا اس نے دورانِ گفتگو میں سید عالم وعالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ لات سے کیا سلوک کیا جائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی توڑ دیا جائے گا یہ سن کر وہ حیرت زدہ ہوئے اور بولے کہ کوئی لات کو ہاتھ لگا سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ضبط نہ ہو سکا بولے کہ تم لوگ کتنے جاہل ہو۔ لات تو محض ایک بے جان پتھر ہے۔

جس کو اپنی ہستی تک کی خبر نہیں۔ ارکانِ وفد نے بارگاہ نبوت میں گذارش کی کہ ہم تو لات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپ جو چاہیں اس سے سلوک کریں۔

سفارت کی واپسی پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور دشمن اسلام ابوسفیان بن حرب کو جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہو چکے تھے اور مغیرہ بن شعبہ صحابی کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنمِ اعظم لات کو جا کر منہدم کر آئیں۔ طائف پہنچ کر انھوں نے بتکدہ کو ڈھانا شروع کر دیا تو وہاں کہرام مچ گیا۔ عورتیں روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:۔

الا ابکین دفاع	لوگوں پر رو کہ پست ہمتوں نے
اسلمہا الرضاع	اپنے معبودوں کو دشمنوں کے سپرد
لم یحسنو المصاع	کر دیا اور معرکہ آرائی نہ کر سکے

الغرض لات کو منہدم کر کے آگ سے پھونک دیا گیا۔ (تاریخ طبری وغیرہ)

وُدّ کا ملیا میٹ ہونا

جس موسم حج میں عَمرو بن لُحی نے عربوں کو بت پرستی کی دعوت دی تھی اُسی میں وادی القریٰ کے ایک رئیس عوف بن عذرہ بن زید اللات نے اس سے درخواست کی تھی کہ اپنا ایک بت ہمیں دے دو۔ اس نے اس درخواست کو قبول کیا اور عوف بن عذرہ وُدّ نام کا ایک بُت اپنے ساتھ لے گیا اور وادیٔ القریٰ کے قصبہ دومۃ الجندل میں نصب کر دیا۔ اس کے بعد جب اس کے گھر لڑکا متولد ہوا تو اُس کا نام عبدوُدّ (وُدّ کا بندہ) رکھا۔ عوف نے اپنے بڑے بیٹے عامر کو اس کا دربان اور مجاور کیا۔ اُن ایام سے عُوف کی اولاد اور دوسرے لوگ اس بت کے پرستار چلے آتے تھے۔

مالک بن حارثہ انصاری صحابی نے کلبیؒ سے بیان کیا کہ میرا باپ میرے ہاتھ دودھ بھیجا کرتا تھا کہ یہ جا کر اپنے معبود کو پلا دو۔ میں وہاں سے آگے بڑھ کر خود اس کو پی جاتا تھا۔ کلبیؒ نے مالک بن حارثہؓ سے ایسے الفاظ میں وُدّ کی تصویر کھینچنے کی درخواست کی کہ گویا وہ اس کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ مالکؓ نے فرمایا کہ وُدّ ایک ایسے مرد کی صورت میں تھا۔ جو بڑے سے بڑا دیو

ہیکل ہو سکتا ہے۔ اس پر دو حُلّے بنائے گئے تھے۔ ایک ازار کی مانند تھا اور دوسرے کو اس نے اوڑھ رکھا تھا ایک تلوار لٹکائے اور کندھے پر کمان لگائے تھا۔ ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور ترکش میں تیر تھے۔

جب فخرِ بنی آدم سیّد کون ومکاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مبعوث ہو کر عالم ظلمانی کو نورِ توحید سے منور فرمایا تو آپؐ نے غزوۂ تبوک سے مراجعت فرمانے کے بعد سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ کو وُدّ کے انہدام کے لیے روانہ فرمایا۔ عبد وُدّ اور عامر کی اولاد مزاحم ہوئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ معرکہ آرا ہوئے اور ان کو منہدم کر کے بُت کو پاش پاش کر دیا۔ اس تصادم میں عبد وُدّ کی اولاد میں سے ایک شخص قطن بن شریح مارا گیا۔ اس کی ماں اس کی لاش پر یہ کہتی ہوئی دوڑی آئی:۔

الا تلک المودۃ لا تدوم	آگاہ رہو کہ یہ الفت ہمیشہ نہیں رہتی
ولا یبقی علی الدھر النعیم	اور زمانہ میں کوئی نعمت باقی نہیں رہے گی
ولا یبقی علی الحدثان غفر	اور پہاڑی بز غالہ زمانہ میں نہیں بچتا
لہ ام بشاھقۃ رودم ہا	اور اس کی ماں چوٹی پر بیتاب ہے

پھر اس نے کہا

یا جامعاً جامع الاحشاء والکبد	اے میرے دل اور جگر کے جمع کرنے والے
یا لیت امک لم تولد ولم تلد	اے کاش تیری ماں پیدا نہ ہوتی اور تجھ کو نہ جنتی

پھر اُس کی لاش پر اوندھی گر کر لپٹی اور زور سے ایک چیخ مار کر مر گئی۔

اس تصادم کے بعد جب عبد ود اور عامر کی اولاد پر اپنے معبود کی بے بسی ظاہر ہوئی تو وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تائب ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

(تلبیس ابلیس وغیرہ)

عُزّٰی کا قلع قمع

ہر چند کہ مکہ مکرمہ میں بہتیرے بت موجود تھے جن کی شب و روز پرستش ہوتی تھی مگر قریش کے جذبۂ وثنیت کو اس سے تسکین نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ دوسرے

قبائل کے بتوں کے سامنے بھی سربسجود ہوتے رہتے تھے۔عزّیٰ قبیلہ بنو غطفان کا معبود تھا۔مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور تسمیہ میں اس کی طرف منسوب ہونا باعث فخر خیال کرتے تھے۔چنانچہ عبدالعزّیٰ قریش کا مشہور نام ہے۔یہ بت بنو غطفان کے ایک باغ میں نصب تھا۔قریش برابر وہاں تحائف لے جاتے اور قربانیاں کرتے تھے (معجم البلدان)

حضرت سیّدنا موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالدؓ کو اس کے انہدام پر مامور فرمایا۔وہ منہدم کر کے واپس آئے اور آپؐ کو اس کی اطلاع دی۔آپؐ نے پوچھا کہ وہاں کوئی خاص بات بھی دیکھی۔عرض کی نہیں۔فرمایا دوبارہ جاؤ اور اچھی طرح دیکھ بھال کرو۔دوبارہ پہنچے تو تہ خانہ میں سے ایک عورت برآمد ہوئی اور دیکھا کہ وہ بال بکھیرے اپنے دونوں ہاتھ کندھوں پر رکھے اپنے دانت کٹکٹاتی ہے۔اور اس کے پیچھے اس کا دربان کھڑا ہے۔حضرت خالدؓ اس کا کام تمام کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔آپ نے فرمایا کہ اب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔یہی عزّیٰ تھی۔آئندہ عرب کے لیے کوئی عزّیٰ نہ ہوگی۔(طبقات ابن سعد و تلبیس ابلیس)

سُوَاع کی بربادی

عمرو بن لُحی نے قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو جو حارث بن تمیم کے نام سے مشہور تھا۔ایک بت دیا جس کو سُوَاع کہتے تھے۔یہ بت بطن نخلہ کی زمین رہاط میں نصب تھا اور اس کے قرب و جوار کے مُضر اس کی عبادت کرتے تھے۔چنانچہ عرب کے ایک شاعر نے قبیلہ مُضر کی صنم پرستی پر کہا تھا ؎

تراھم حول قبلتھم عکوفاً	تو ان کو دیکھے کہ اپنے قبیلہ کے گرد عبادت میں ایسے
کما عکفت ھذیل علی سواع	جھکے ہیں جیسے ہذیل کے لوگ سواع کے گرد پوجا کے
یظل جنابہ صرعیٰ لدیہ	لیے جھکے رہتے تھے
عتائر من ذخائر کل راع	کہ ہر ایک راعی کے ذخیرہ کے نفائس میں

فتح مکہ کے بعد اگرچہ عرب کے اکثر قبیلے اصنام پرستی چھوڑ کر اپنی قسمت اسلام سے

وابستہ کر چکے تھے لیکن ان نومسلموں کی اکثریت اپنی سابقہ عقیدت کے باعث بہت دنوں تک بتوں پر ہاتھ اٹھانے سے خوفزدہ تھی۔ چونکہ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان نومسلموں کو اپنے معبود بتوں کے توڑنے کی مشقت اور آزمائش میں نہ ڈالنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس کام کی انجام دہی کے لیے آپ ہمیشہ اپنے پرانے جاں نثاروں کو بھیجتے رہے۔

آپؐ نے حضرت عمرو بن عاص رضؓ کو سُواع کے ڈھانے پر مامور فرمایا۔ جب یہ آلاتِ شکستگی لے کر بنو ہذیل میں پہنچے تو بت خانہ کا مجاور حیرت سے پوچھنے لگا کہ کس غرض سے آئے ہو؟ حضرت عمرو رضؓ نے کہا سُواع کو ڈھانے کے لیے۔ وہ بڑے اطمینان اور متانت سے کہنے لگا تم ہرگز اس کو گرا نہ سکو گے۔ معبود خود اپنی حفاظت کریگا۔"

حضرت عمرو رضؓ نے کہا اے نادان! جس بے جان پتھر کو اپنی ہستی تک کا علم نہیں وہ اپنی حفاظت کیا کر سکے گا؟ یہ کہہ کر اس کو منہدم کرنا شروع کر دیا اور توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اس کے بعد پوجاری سے فرمایا اب تم نے اس کی طاقت دیکھ لی؟ وہ بُت کی یہ دُرگت اور بے بسی دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا (طبقات ابن سعد)

ذوالخلصہ کی بربادی

منجملہ بتوں کے ایک ذوالخلصہ تھا جو سفید دودھیا پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس پر تاج کی صورت منقوش تھی۔ یہ بت مکہ سے سات روز کے فاصلہ پر یمن اور مکہ کے درمیان ایک مکان میں رکھا تھا۔ قبائل خثعم اور بجیلہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے لیے ہدیے بھیجتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی اس کا احترام کرتے تھے اور اس پر نذرانے کی قربانی بھیجی جاتی تھی۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تم مجھے ذوالخلصہ سے کفایت نہیں کرو گے؟ انھوں نے اس کی حامی بھری اور قبیلہ احمس کے سوار لے کر روانہ ہوئے۔ قبائل خثعم اور باہلہ نے مزاحمت کی لیکن جریرؓ نے ان کو ہزیمت دی اور انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت جریر رضؓ نے ذوالخلصہ کی عمارت میں آگ لگا دی اور اس کو بالکل منہدم کر دیا۔ ذوالخلصہ اب مسجد تبالہ کا چوکھٹ ہے (تلبیس ابلیس)

فلس کا انہدام

سنہ ۹ھ میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو قبیلہ طے کے بت فلس کے منہدم کرنے پر مامور فرمایا جو حاتم طائی کا قبیلہ تھا۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاکر اس بت کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ حاتم کے بیٹے عدی بھاگ گئے۔ جس طرح قریش نے دین اسمٰعیلی کے پیرو ہونے کے باوجود بت پرستی اختیار کر رکھی تھی اسی طرح عدی رضی عیسوی المذہب ہونے کے ساتھ بت پرست بھی تھے۔

حضرت عدی رضی اس فرار کے کچھ عرصہ بعد اپنی بہن کی تحریک سے مدینہ منورہ آئے۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں ساقئ اسلام کے ہاتھ سے جام ایمان پی کر نشۂ توحید سے مخمور ہو گئے۔ ان کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ العزیز راقم الحروف کی زیر تالیف کتاب "شمائل کبریٰ" میں ملے گی۔

دوسرے بتخانوں کا مسمار کیا جانا

ایک بت ارضِ سبا کے موضع بلخع میں تھا جس کو نسر کہتے تھے۔ جس کو قبیلہ اور اس کے حلفاء پوجتے تھے۔ کچھ زمانہ کے بعد ذونواس نے ان کو یہودی بنا لیا مگر نسر کو دوسرے لوگ پھر بھی پوجتے رہے۔ آخر سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو فتح مکہ کے بعد نسر بھی آپ کے حکم سے منہدم کر دیا گیا۔ عمرو بن لُحَی نے انعُم بن عمرو مرادی کی درخواست پر اس کو ایک بت دیا تھا جو یغوث کے نام سے مشہور تھا۔ یہ بت یمن کے ایک ٹیلے پر تھا اور قبیلہ مذحج اور اس کے حلیف اس کی پرستش کرتے تھے۔ عمرو بن لحی نے ایک بت قبیلہ ہمدان کے رئیس مالک بن یزید بن جشم کو دیا تھا جس کا نام یعوق تھا۔ وہ ایک گاؤں خیوان میں رکھا گیا۔ اس کو قبیلہ ہمدان اور اس کے بھی حلیف پوجا کرتے تھے۔ یہ اصنام فرمان نبوی کے تحت ملیامیٹ کر دیئے گئے۔

قبیلہ دوس کا بت ذوالکفین کے نام سے مشہور تھا۔ جب وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل بن عمرو ازدی رضی کو اس کے انہدام کے لیے بھیجا انھوں نے جاکر اس کو جلا کر بے نشان کر دیا۔ بنو حارث بن یشکر کا بت ذوالشریٰ

کے نام سے مشہور تھا۔ قبائل قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان کا ایک بت ملک شام کے مشرقی حصہ میں تھا۔ اس کو اقیصر کہتے تھے۔ قبیلہ مُزینہ کا معبود بت بھم کہلاتا تھا اور اسی کے نام پر اس کے پوجنے والے کے نام لیے جاتے تھے۔ قبیلہ عنزہ کا بت سعیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ تمام بت صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں سے خراب و برباد ہو گئے۔

(تلبیس ابلیس)

بُت شکنی کا مقصد

بُت خانے منہدم کرانے اور بتوں کے ملیا میٹ کرنے سے مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غرض تھی کہ اصنام پرستوں پر اپنے معبودوں کی بے بسی اور بے حسی ظاہر ہو اور وہ شرک و وثنیت سے تائب ہو کر خدائے واحد کے پرستار بنیں۔ چنانچہ اس اقدام پر نہایت مفید نتائج مرتب ہوئے۔ کوئی قبیلہ ایسا نہ رہ گیا جو اپنے معبودوں کی گت بنتی دیکھ کر عبرت پذیر نہ ہوا ہو اور اس نے بت پرستی سے نافر ہو کر اپنی قسمت اسلام سے وابستہ نہ کر دی ہو۔ علاوہ ازیں جب ساری قوم اور سارا ملک اسلام کے ظلِ عاطفت میں آچکا تھا تو اب شعائر کفر کے حفظ و بقا کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رکھی تھی۔

مکہ مکرمہ کے موحدّین

جزیرۂ عرب میں جہاں ہر طرف بت پرستی کی ظلمت چھائی تھی وہاں مکہ مکرمہ کے چند نفوس نے توحید کی مشعل بھی روشن کر رکھی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح خالق کونین نے دنیا کو ابتدا میں پیدا کیا تھا۔ اسی طرح فنا کے بعد اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور ہر ایک کو ثواب و عذاب بھی ملے گا۔ ان موحدّین میں حضور فخر انام صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ اور عامر بن ظرب خاص طور قابل ذکر ہیں تفصیل کے لیے راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" کے مقدمہ کا بیسواں مقالہ ملاحظہ فرمائیے۔

فصل-۱۴

بچّوں کو پکڑ کر غلام بنا لینا

عرب کی سرزمین سیّد الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن بداطواریوں کے حصار میں گھری ہوئی تھی ان میں لوگوں کی یہ عادتِ بد بھی داخل تھی کہ جہاں کسی بچے کو اکیلا دوکیلا پاتے تھے اس کو پکڑ کر غلام بنا لیتے تھے یا غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیتے تھے۔ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسی طرح پکڑ کر غلام بنا لیے گئے تھے۔ بنو فزارہ کے سوار ان کو پکڑ کر مکہ معظمہ لے آئے تھے اور غلام کی حیثیت سے ان کو فروخت کر دیا تھا

چونکہ زیدؓ کا ستارۂ اقبال نہایت عروج پر تھا۔ غلامی میں ہفت اقلیم کی شہنشاہی سے بڑھ کر عظمت ملنے والی تھی۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے اپنے برادر زادہ حکیم بن حزام کی وساطت سے ان کو خرید لیا۔ جب کچھ بڑے ہوئے اور سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جوہر دانش زیدؓ کے ناصیۂ شباب پر نمودار پایا تو جناب خدیجہ طاہرہؓ سے فرمایا کہ یہ غلام مجھے ہبہ کر دو۔" انھوں نے زیدؓ کو آپ کی ملک کر دیا (ابن سعد) تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "سیرت کبریٰ" (صفحات ۲۵۷-۲۶۲) ملاحظہ ہوں۔

اس قسم کے بہت سے امثلہ ونظائر ہیں جن میں اطفال خورد سال ظالموں کے دست جفا میں پڑ کر نعمت آزادی سے محروم ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جرم ناآشنا بچوں یا بڑوں کو غلام بنا لینے کی سختی سے ممانعت فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ اُس شخص کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا جو کسی آزاد عورت کو لونڈی اور کسی آزاد مرد کو غلام بنا لے (ابوداؤد) اور فرمایا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کے خلاف خود مدعی ہوں گا۔ ایک وہ جس نے مجھے ضامن دے کر کسی کو دھوکا

دیا۔ دوسرا وہ جس نے آزاد آدمی کو پکڑا اور غلام کی حیثیت سے بیچ کر اس کی قیمت وصول کی۔ تیسرا وہ جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا۔ اس سے کام کرا لیا لیکن مزدوری نہ دی۔ (بخاری و ابن ماجہ)

فصل ۔ ۱۵

بدتمیزی اور بدخوئی

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کی اخلاقی حالت بہت ابتر و زبوں تھی۔ یہ لوگ سخت اکھڑ اور بے سروپا اور وحشی واقع ہوئے تھے۔ ان کی عام عادت تھی کہ راستوں میں بول و براز کر دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کمینہ حرکت کتنی ایذا رسانی کا باعث تھی۔ اس کے متعلق مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستہ میں اور سایہ دار جگہ کے نیچے رفع حاجت کرنا ایسا کام ہے جس پر لوگ لعنت کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے بچو (مسلم)

ان کی درشت مزاجی اور اجڈ پنے کو آپ اس واقعہ پر قیاس کر سکتے ہیں کہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس وقت آپؐ نے موٹے کنارے کی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایک اعرابی نے آکر آپؐ کی چادر پکڑ لی اور اس کو سختی سے کھینچنا شروع کر دیا۔ اس شخص نے ایسی بری طرح آپؐ کی ردائے مبارک کھینچی کہ آپؐ اپنی جگہ پر کھڑے نہ رہ سکے اور اُس گنوار کے سینے سے آلگے اور میں نے دیکھا کہ چادر کے کنارے کی رگڑ سے آپ کی گردن میں نشان پڑ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ گنوار آپؐ سے کہنے لگا کہ محمد! حکم کرو تاکہ خدا کے مال سے جو تمہارے پاس ہے مجھے کچھ دیں۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر آپ ہنسے اور اس کو کچھ رقم عطا کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم) حالانکہ اگر آپ کی بجائے کوئی اور حاکم ہوتا تو عطیہ کے بجائے اس کو اس حرکت پر اچھی گوشمالی اور سرکوبی کرتا۔

اسی طرح حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوہ حُنین سے مراجعت کے وقت میں آنحضرت کے ہمراہ تھا۔ راستے میں چند دیہاتی دست سوال دراز کرتے

ہوئے آپ سے بُری طرح چمٹے یہاں تک کہ آپؐ کو دھکیل کر کیکر کے درخت سے جا لگایا۔ اور درخت نے آپؐ کی چادر مبارک اُچک لی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا کہ میری چادر اُتار دو۔ اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کی تعداد کے برابر اُونٹ ہوتے تو بھی میں تم میں بانٹ دیتا اور تم لوگ مجھے بخیل دروغ گو اور بزدل نہ پاتے (بخاری)

ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے۔ ایک بدوی نے آپؐ کے ناقہ کی مہار پکڑ لی اور کہنے لگا محمدؐ! مجھے وہ بات بتاؤ جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے (مسلم) ایک مرتبہ ایک بدتمیز آیا اور آپ کے زانو مبارک سے زانو ملا کر بیٹھ گیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ صحابہؓ کرامؓ نے اس کو سزا دینی چاہی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا (بخاری) ایک بار ایک شخص بلا اجازت آستان مبارک میں گھس آیا۔ آپ نے فرمایا تم نے اجازت کیوں نہیں لی۔ بولا میں نے کبھی مضر کے کسی شخص سے اجازت طلب نہیں کی (اسد الغابہ) صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہ کو جب کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک آپ کھانا نہ شروع کرتے کھانے میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ لیکن ایک بار اسی حالت میں ایک دیہاتی آیا اور سب سے پہلے کھانے میں ہاتھ ڈالنے کا قصد کیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ تم نے بسم اللہ نہیں پڑھی۔ کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے (ابوداؤد)

سرورِ انبیاء کو بدتمیزی سے پکارنا۔

۹ھ میں قبیلہ بنو تمیم کا وفد مدینۃ الرسول آیا۔ دوپہر کا وقت تھا اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ اقدس میں جا کر استراحت فرما رہے تھے۔ یہ لوگ سخت بدتمیزی سے باآواز بلند پکارنے لگے کہ محمدؐ! باہر آؤ۔ اور جب آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو کہنے لگے کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں یعنی ایک دوسرے پر اپنی عظمت و بڑائی ظاہر کریں۔ جن افراد نے اس بدتمیزی کا ثبوت دیا وہ کوئی عام دیہاتی کندۂ ناتراش جہلاء نہ تھے بلکہ ملک بھر کی منتخب روزگار ہستیاں تھیں۔ ان کا خطیب عطارد بن حاجب وہ شخص تھا جو شاہ نوشیروان کے دربار سے حُسنِ تقریر کے صلہ میں کمخواب کا خلعت حاصل

کر چکا تھا۔ ان میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم بھی تھا جس کے سامنے قومی مقدمات کا مرافعہ پیش ہوتا تھا۔ اقرع کو دعوے تھا کہ میں جس کی تعریف کر دوں وہ چمک جاتا ہے اور جس کی مذمت کر دوں وہ ہمیشہ کے لیے داغدار ہو جاتا ہے۔ (اصابہ) اسی طرح وفد میں اور بھی نامور رؤساء تھے۔ لیکن چونکہ کفر و وشنیت کی تاریکی میں عمریں گذاری تھیں اور ہنوز توحید و ایمان باللہ کا جلوہ دیکھا نہیں تھا۔ ادب و تمیزداری کی صفت سے عاری تھے۔ خدائے عزیز نے ان کی اس بدتمیزی پر سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل فرمائی:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (حجرات آیت ۴)	جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لا یعقل ہیں اور اگر وہ اتنی دیر صبر کرتے کہ آپ خود بخود ان کے پاس باہر نکل آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

الغرض بعثت سے پہلے اہل عرب من حیث القوم جہالت اور بدتمیزی کے غار میں پڑے ہوئے تھے لیکن مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے ان کو اس درجہ مہذب و شائستہ بنا دیا کہ انھوں نے تھوڑے دنوں میں دنیا کی تمام قوموں کے لیے معلم اخلاق کی حیثیت اختیار کر لی۔

فصل - ۱۶

بدعات حج اور انکی اصلاح

قریش اپنے آپ کو دین ابراہیمی کے پیرو بتاتے تھے اور اوائل میں واقعی اس کے پیرو تھے لیکن آہستہ آہستہ ان کی مذہبی حالت بگڑتی گئی اور مرور زمانہ سے دین ابراہیمی میں شرکیہ رسمیں اور بدعتیں داخل ہوگئیں اور انتہا یہ ہے کہ انھوں نے بت پرستی تک کو دین و مذہب کا عمل اکبر سمجھ لیا۔ غرض نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت دین ابراہیمی کا چہرہ بالکل مسخ ہو چکا تھا۔ حضرت خلیل علیہ السلام کعبۃ اللہ کے مؤسس و بانی تھے اور اُن کے اعلان کے بموجب حج راس العبادات مانا جاتا تھا۔ اس لیے بت پرستی اختیار کرنے کے بعد بھی نہ صرف اہل حجاز بلکہ سارا عرب اس فریضہ کا پابند چلا آتا تھا مگر اس کے ارکان اور طریق ادا میں طرح طرح کی بدعتیں اور بیہودگیاں داخل کر دی تھیں۔

وقوف عرفات سے اعراض

قریش کا معمول ہو گیا تھا کہ جب مکہ معظمہ سے حج کے لیے نکلتے تو اپنے آپ کو دوسرے حجاج سے ممیز کرنے اور اپنی خصوصیت جتلانے کے لیے وقوف عرفات کی بجائے مزدلفہ ہی میں قیام کر کے وہاں سے لوٹ آتے تھے (بخاری) حالانکہ مزدلفہ حرم کے حدود میں ہے اور عرفات حرم سے باہر ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر قریش بھی دوسرے لوگوں کی طرح حرم سے باہر مناسک حج ادا کریں تو ان کی اور دوسرے لوگوں کی حیثیت مساوی ہو جائے گی اور ان کی شان یکتائی میں فرق آجائے گا۔ لیکن اسلام عدل و مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا اس لیے وہ اس میں قریش کو کوئی تفوق دینے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ رب العزت نے اپنے رسول مقبول کو حکم بھیجا:۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ خدا کا ذکر کرو (مزدلفہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ جو جگہ ہے اس کو مشعر الحرام کہتے ہیں) اور اس کو یاد کرو وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور بے شک الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ تم اس سے پہلے گم کردہ راہ تھے۔ پھر تم سب کو ضرور حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (۲:۱۹۹) ہے کہ (حج کے لیے) اسی جگہ (عرفات) ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں۔

اس حکم کے بموجب حضرت امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں گئے اور اعلان کرایا کہ عرفہ کا قیام حضرت خلیل علیہ السلام کی یادگار ہے اور چونکہ تم لوگ اپنے جدّ اعلےٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو اس لیے اپنے مشاعر (مقدس مقامات) پر قیام کرو۔ آپ نے عرفات کے ایک مقام پر جسے نمرہ کہتے ہیں کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو آپ ناقہ پر سوار ہو کر عرفات کے میدان میں آئے اور خطبہ دیا جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ (جاہلیت کے تمام رسم و رواج میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں) رواہ البخاری و مسلم۔ یہ اسلام میں پہلا دن تھا۔ جبکہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسمیں مٹادی گئیں۔ مرفہ الحال کم حیثیت، قریش غیر قریش سپید و سیاہ سب ایک سطح پر لائے گئے۔

مُزدَلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد کوچ کرنا

سنت ابراہیمی کے خلاف کفار قریش کی ایک بدعت یہ تھی کہ جب تک آفتاب پورا نہ نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے نہیں لگتی تھی مزدلفہ سے کوچ نہیں کرتے تھے۔ طلوع کے تھوڑی دیر بعد وہ باآواز بلند کہتے تھے۔ کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کے ابطال کے لیے طلوع آفتاب سے پہلے یہاں سے کوچ کیا (بخاری ابوداؤد)

محمد بن قیس بن مخرمہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ اہل جاہلیت عرفات سے اس وقت پھرتے تھے جب سورج غروب

سے پہلے اندر باہر ہونا تھا اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد نکلتے تھے اور ہم عرفات سے نہیں چلیں گے جب تک آفتاب غروب نہ ہو لے اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے پہلے چلیں گے۔ ہمارا طریقہ بت پرست مشرکوں سے جداگانہ ہے (مشکواۃ المصابیح۔ رواہ البیہقی کذا فی اللمعات)

مُحرِم کا دروازے سے گھر میں جانے کو بدشگونی سمجھنا

جاہلی عرب کی ایک بدعت یہ تھی کہ باستثناء قریش اہل مدینہ اور تمام دوسرے عرب جب گھر سے نکل کر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے تو اس کے بعد پھر کسی کام کے لیے گھر میں آنے کی ضرورت ہوتی تھی تو دروازے سے نہیں گھستے تھے اور دروازے سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے تھے۔ بلکہ پشت کی دیوار میں نقب دے کر اُس میں سے مکان میں داخل ہوتے یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے اور اس سے اندر پھاندتے اور اس عمل کو بڑا کارِ فضیلت سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی اور فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ۔ ہاں فضیلت اور نیکی اس شخص کے لیے ہے جو تقوےٰ اختیار کرے۔ گھروں میں اُن کے دروازوں سے آیا کرو (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹)

بعض قبیلوں کے نومسلم صحابی بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ ان کی اصلاح خیال کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ قبیلہ کنانہ اور قبیلہ خزاعہ کے بعض مسلمان صحابی حالت احرام میں جاہلیت کے دستور کے مطابق گھروں کے عقب سے یا سطح پر سے مکان میں داخل ہوتے تھے۔ ان کے عقیدہ کی تصحیح کے لیے یہ فرمان نازل ہوا

اہل شرک کا تلبیہ

تلبیہ اُس ذکر کو کہتے ہیں جو احرام باندھنے کے وقت اور مکہ معظمہ سے منیٰ اور منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے اور مراجعت کرتے وقت اور بلندی پر چڑھتے اور وہاں سے اُترتے وقت پڑھتے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ   حاضر ہوں تیری خدمت میں یا الٰہی۔ سب

لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (رواہ البخاری) — تعریف اور نعمت اور بادشاہت تیرے لیے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہی تلبیہ ملت حنیفی میں شروع سے چلا آتا ہے۔ لیکن مشرکین قریش نے اس کو تبدیل کر کے یوں بنا لیا تھا۔

لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ۔ — میں تیری خدمت میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیری ملک ہے۔ تو اس کا مالک ہے مگر وہ شریک تیرا مالک نہیں۔

اہل شرک ان کلمات کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت کہتے تھے (رواہ مسلم)

اہل شرک کے اس مشرکانہ تلبیہ کی تردید میں سورۂ روم کی اٹھائیسویں آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا۔ (ترجمہ)۔ وہ تمہارے سمجھنے کے لیے تم ہی کے بیچ کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں کہ تم ان کی ایسی ہی پرواہ کرتے ہو جیسا تمہیں اپنا خیال رہتا ہے؟ (ظاہر ہے کہ غلام اس درجہ شریکِ حال نہیں ہوتا)

مثل کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اور تمہارے لونڈی اور غلام سب اللہ کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ پھر مالک مجازی کے تعلق کا اتنا اثر ضرور ہے کہ نہ تم ان کو اپنے برابر سمجھتے ہو۔ نہ ان کی اپنے بھائی بند جیسی پرواہ کر کے ان کو مشورہ وغیرہ میں شریک کرتے ہو نہ ان کی رضا جوئی کے خواہاں ہو۔ پھر بھلا مالک حقیقی یعنی اللہ جلّ سلطانہ قادرِ مطلق اپنی مخلوق میں سے کسی کو کیونکر اپنا شریک پسند کر سکتا ہے کہ جو اس کے مقابلہ میں غلاموں سے بھی گئے گذرے ہیں

حضرات آپ نے ارباب شرک کا تلبیہ اوپر پڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کفر سے فرمایا کرتے تھے کہ بس لبیک لا شریک لک تک رہنے دو آگے (کلمۂ شرک) نہ کہو۔ تاہم اہل شرک کے تلبیہ سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مزعومہ شریکوں کو رب قدیر کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ ہر شئے کا مالک، رب العالمین کو یقین کرتے تھے اور اپنے مزعومہ شرکاء کی نسبت ان کا قطعاً یہ گمان نہ تھا کہ وہ بھی کسی بات کے مالک و مختار ہیں۔ اس کے باوجود کفار کا ان کو پکارنا اور اپنا سفارشی

اور وکیل قرار دینا بارگاہ ایزدی ہیں ان کے مشرک ہونے اور ابدالآباد کے لیے جہنمی ہونے کے لیے کافی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی غیر اللہ کو اپنا حامی و مددگار اور وکیل اور سفارشی سمجھ کر کسی کو ندا کرے یا اس کے عبادت کرے وہ مشرک ہے گو اپنے منادیٰ یا معبود کو خدائے برتر کے برابر نہ جانتا ہو۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اہل شرک کو لاشریک لک سے آگے بڑھنے کی ممانعت فرمایا کرتے تھے۔

سعی بین الصفا والمروہ سے پہلوتہی

مکہ معظمہ میں صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان سات مرتبہ تیز گام چلنا بھی مشروع و مامور چلا آتا ہے۔ لیکن کفار اس سے پہلو تہی کرتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رض کے خواہرزادہ عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے پڑھا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (حج یا عمرہ کرنے والے پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان دوڑے) اور کہا کہ آیت رفع گناہ پر دلالت کرتی ہے نہ کہ سعی (دوڑنے) کے وجوب پر۔ اس لیے اگر کوئی شخص صفا و مروہ نہ دوڑے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں)، یہ سن کر ام المومنین رضؓ نے فرمایا کہ خواہرزادے تم نے بُری بات کہی۔ اگر آیت کا یہ مطلب ہوتا تو الفاظ یوں ہوتے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (اگر صفا و مروہ نہ دوڑے تو اس پر کچھ گناہ نہیں) اور فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں ان کے اسلام لانے سے پہلے اتری تھی۔ وہ اپنے بُت مَناۃ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انصار میں سے جو کوئی شخص احرام باندھتا تو منات کے لیے باندھتا اور صفا مروہ دوڑنے کو معیوب سمجھتا۔ آخر مشرف باسلام ہونے کے بعد جب انھوں نے اس کے متعلق حضرت خیرالانام علیہ السلام سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (۲: ۱۵۸)

صفا اور مروہ خدائے قدوس کی یادگار ہیں۔ اس لیے جو کوئی خانۂ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں میں دوڑے

پس یہ رد ہے انصار کے زعم سابق کا کہ سعی کو مذموم قرار دیتے تھے۔ لیکن شارع علیہ السلام

نے صفا مروہ کے چکر کاٹنے کو مشروع ٹھیرایا۔ اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ ان کے درمیان سعی کو ترک کرے۔ رواہ النسائی

سعی کے متعلق تین مسلک

صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کے بارے میں سلف کے تین مسلک ہیں۔

اُم المومنین رضی حضرت عائشہ رضؓ، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ سعی حج کا ایک رکن ہے۔ اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ قربانی سے اس کا جبر مافات ہو جاتا ہے۔ اور ابن عباس، ابن سیرین، عطا، مجاہد اور امام احمد کے نزدیک نہ تو رکن ہے اور نہ واجب بلکہ سنت اور مستحب ہے۔

صفا اور مروہ کی یادگاری حیثیت

رب العالمین عز اسمہ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ (دین خداوندی کی) دو یادگاریں ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام وحی الٰہی کے بموجب اپنے شیر خوار فرزند اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ ہاجرہ رضؓ کو اُس میدان لق ودق میں جہاں مکہ معظمہ آباد ہوا تھا چھوڑ گئے تھے اور بوقت مراجعت ان کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی رکھ آئے تھے۔ تھوڑے دنوں میں پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں چونکہ اس کے بعد حضرت ہاجرہؓ کے معدے میں آب و دانہ کچھ نہیں پہنچتا تھا۔ دودھ اُترنا بھی موقوف ہوا اور بچہ بھوکا پیاسا رہنے لگا۔ ہاجرہؓ نے اپنی بھوک پیاس پر تو صبر کیا لیکن جب اسمٰعیلؑ کی حالت دگرگوں ہوئی اور وہ بھوک پیاس سے تڑپنے لگے تو سخت پریشان ہوئیں۔

آخر کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں اور بے تابی کے ساتھ چاروں طرف نظر دوڑانے لگیں کہ اگر کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے پانی کا پتہ دریافت کریں۔ مگر جب کوئی متنفس دکھائی نہ دیا تو عالم اضطراب میں بعجلت واپس آئیں اور فرزند کو اس حالت میں دیکھا کہ تشنگی اور گرسنگی کے مارے تڑپ رہا ہے۔ اب گھبرائی ہوئی دوسری طرف کی پہاڑی

مروہ پر جا چڑھیں اور متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگیں۔ جب وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے اتر کر وادی میں فرزند کے پاس آپہنچیں اور اس کو تڑپتے دیکھ کر پریشانی کے عالم میں پھر صفا پر جا چڑھیں اور ناکام اتریں یہانتک کہ عالم اضطراب میں سات مرتبہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کی چوٹی پر آئیں اور گئیں۔

حضرت ہاجرہؑ کی یہ پریشان حالی اور مضطربانہ تگ ودو پروردگار عالم کی بارگاہ عالی میں کچھ ایسی مقبول ہوئی کہ مالک الملک نے اہل ایمان کو قیامت تک کے لیے اُن کے اس اسوہ کا عامل و پیرو بنا دیا۔ چنانچہ حجّاج کی سعی بین الصفا والمروہ حضرت ہاجرہؑ کی یہی سعی ہے اور صفا اور مروہ اسی اعتبار سے دین الٰہی کی دائمی یادگاریں ہیں۔ جب حضرت ہاجرہؑ کی ساتویں دوڑ ختم ہوگی تو معاً جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں نمودار ہوئے اور انھوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی زمین پر ماردی۔ فی الفور پانی کا چشمہ (چاہ زمزم) پھوٹ پڑا۔ مزید تفصیل کیلیے راقم السطور کی کتاب سیرت کبریٰ (فصل ۵-۶) کی طرف رجوع فرمایئے۔

قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں پر ملنا۔

کفار قریش میں ایک بدعت یہ رائج تھی کہ جب قربانی کرتے تو بیت اللہ کی دیواروں پر اس کا گوشت لتھیڑتے اور خون لیپتے تھے۔ جب مسلمانوں نے بھی اس پرانی رسم کے بموجب خانہ کعبہ کو قربانی کے گوشت اور خون سے لیپنا چاہا تو ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۲۲: ۳۷)

اللہ تعالیٰ تک نہ ان قربانیوں کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون۔ البتہ تمہاری پرہیزگاری اسکی درگاہ تک پہنچتی ہے۔

اس آیت میں حسن اسلوب سے خون ملنے کی ممانعت کردی گئی اور سمجھایا گیا کہ یہ گوشت پوست خون وغیرہ سب یہیں رہ جاتا ہے۔ خدائے قدوس تک تمہاری نیتوں کا خلوص اور دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ خون لیپنا کچھ بھی فائدہ بخش نہیں۔ پرہیزگار بن کر خلوص نیت سے قربانی کرو۔ (لباب النقول)

سر نہ منڈانے میں انتہائی سختی

احرام حج میں بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا ممنوع ہے لیکن اہل جاہلیت نے اس میں انتہائی سختی کر رکھی تھی اور وہ کسی حالت میں سر منڈوانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عہد اسلام میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت کعب بن عجرہ بلوی رضی اللہ عنہ احرام باندھے ہوئے آستانۂ نبوت میں حاضر ہوئے اور چونکہ انھیں حالت احرام میں زیادہ دن گزر گئے تھے اور اصلاح خط نہ ہونے کے باعث ان کے سر میں اتنی جوئیں پڑ گئیں تھیں کہ بینائی پر اثر انداز ہونے کا خوف ہو گیا۔ اس لیے انھوں نے حامل وحی صلے اللہ علیہ وسلم سے استصواب کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ۔ (۲: ۱۹۶)	البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے قبل از وقت سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو وہ (سر منڈوا کر) فدیہ ادا کرے۔ یعنی روزہ یا خیرات یا قربانی۔

جمہور فقہاء کا مسلک تین روزے رکھنے کا ہے اور اگر کھانا دے تو چھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار میں ہو اور اگر قربانی دینا چاہے تو کم از کم ایک بکری ہی کی ہونی چاہیئے۔

زادِ راہ کے بغیر عزمِ حج

عہد جاہلیت میں ایک طریقہ یہ جاری ہو گیا تھا کہ بعض لوگ زادِ سفر کے بغیر ہی حج کو چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ ایسے لوگوں کو راہ میں دریوزہ گری اور ملاقات والوں کی اعانت و دستگیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ عہد رسالت میں ایک یمنی قافلہ نے حج کا قصد کیا اور اپنے آپ کو متوکل کہتے ہوئے زادِ راہ لیے بغیر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور مکہ معظمہ پہنچ کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے لگے اسوقت یہ آیت اتری :۔

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ (۲: ۱۹۷)	اور گھر سے زادِ سفر لے کر چلا کرو کیونکہ اچھا زادِ سفر تقویٰ ہے (جس سے انسان لوگوں کی احتیاج سے محفوظ رہے)

پہلے لفظ میں ارشاد ہوا کہ مصارف سفر کا انتظام کر کے گھر سے چلو۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر اور اُن کے لیے باعث گرانی بن کر اپنے آپ کو ذلیل نہ کیا جائے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونے سے اجتناب

عہد جاہلیت میں لوگ سمجھتے تھے کہ چونکہ قربانی کا جانور خدا کی نذر کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس پر سوار ہونا حرام ہے۔ چنانچہ سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے مگر سوار نہیں ہوتے تھے۔ گو یہ جذبہ بادی النظر میں محمود اور قابل تعریف تھا لیکن اگر انسان نیکی اور تقویٰ شعاری میں حدود شریعت سے آگے نکل جائے تو اس کا وہ فعل بدعت اور ترہّب سے ہمکنار ہونے کے باعث کسی طرح مستحسن نہیں ہو سکتا بلکہ قابل ملامت ہے، سواریوں کے ساتھ پیدل چلنے کی رسم عہد اسلام تک موجود تھی۔ ایک دفعہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے جانور ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے ہیں۔ آپ نے ان کو سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ قربانی کے جانور ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں قربانی کے جانور ہیں۔ مگر پھر بھی سوار ہو لو۔ (بخاری کتاب الحج)

یادِ خدا کی بجائے آبا و اجداد کے مفاخر

حج اور تمام دوسری عبادات کا مقصد ذکر الٰہی اور توجہ الی اللہ ہے۔ لیکن زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب حج سے فارغ ہو کر جمرہ کے قریب مجتمع ہوتے اور اپنے آبا و اجداد کی بڑائی بیان کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (۲: ۲۰۰)	پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یاد ہو۔

قومی عظمت اور انسانی فخر و غرور جس طرح یورپ و امریکہ کی جدید جاہلی تہذیب کا جزو اعظم ہے۔ اسی طرح جاہلیت کے عربی دین کا بھی عنصر اعظم تھا۔

برہنہ طواف کرنے کی بے حیائی

عہد جاہلیت کی ایک نہایت شرمناک بے ہودگی یہ تھی کہ قریش کے سوا تمام ہزاروں لاکھوں عورتیں اور مرد جو حج کے لیے مکہ معظمہ میں جمع ہوتے برہنہ ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے معمول یہ تھا کہ حدود حرم میں پہنچ کر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اُتار ڈالتے تھے اور عاریتہً کسی قریشی کی پوشش مانگ لیتے تھے۔ اگر نہ ملتی تو برہنہ ہی طواف شروع کر دیتے۔ اس رواج کا سبب حسب بیان ابن اسحٰق قریش کا یہ اعلان تھا کہ جو کوئی طواف بیت اللہ کرنا چاہے۔ وہ کسی قریشی سے کپڑے مستعار لے اور جب کسی کو قریش کی پوشش میسر نہ ہو وہ برہنہ ہی کعبہ کے گرد گھومے اور جو کوئی اپنے کپڑوں میں طواف کرے وہ طواف کے بعد ان کپڑوں کو پھینک دے اور مدت العمر ان کو اپنے استعمال میں نہ لائے (فتح الباری)

جاہلی عربوں سے برہنہ طواف کرنے کی علت دریافت کی جاتی تو وہ جواب دیتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ان کو پہن کر طواف کرنا کسی طرح قرین دانش نہیں ہے (ابن کثیر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی قریش اپنے آپ کو گناہوں سے پاک سمجھ کر لوگوں کو طواف کے لیے اپنی کسوت پیش کرتے ہوں گے۔ ورنہ تبدیلِ لباس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

عورتوں کا برہنہ طواف کرنا

مردوں کی طرح عورتیں بھی ننگی طواف کرتی تھیں اور حسب روایت سعید بن جبیر رضؓ حالتِ طواف میں یہ شعر گاتی جاتی تھیں:-

اَلْیَوْمَ یَبْدُو بَعْضُہٗ اَوْ کُلُّہٗ   وَمَا بَدَا مِنْہُ فَلَا اُحِلُّہٗ   (نسائی)

اس شعر کا حاصل یہ ہے کہ آج طواف کے دن یا تو سارا اندامِ نہانی کھلے گا یا اس کا کچھ حصہ۔ لیکن دونوں صورتوں میں میں کسی کے لیے حلال نہیں کرتی کہ کوئی اس کی طرف قصداً دیکھے۔ کیونکہ یہ محض بغرض طواف منکشف ہوا ہے نہ اس لیے کہ کوئی اس کی طرف دیکھے یا اس سے متمتع ہو۔

کفار کا عذر لنگ

مردوں اور عورتوں کے برہنہ طواف سے عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کو سخت نفرت تھی اور صحابہ کرام جب کبھی بت پرستوں کو ان کی اس حرکت شنیعہ پر ملامت کرتے تو وہ ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے ایسا کرتے آئے ہیں اور انھوں نے کچھ اپنی طرف سے یہ عمل اختیار نہیں کیا بلکہ وہ بھی حکم خداوندی سے ایسا کرتے رہے ہیں۔ اس عذر لنگ کی نسبت حق تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ط قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ط أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(۷: ۲۸)

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے (اے پیغمبر) آپ ان لوگوں سے کہیئے کہ اللہ تعالےٰ تو فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا تم لوگ خدا کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے

یعنی خدائے قدوس جو پاکی اور حیا کا سرچشمہ ہے اس کی شان سے یہ سخت بعید ہے کہ گندی اور بے حیائی کے کاموں کی تعلیم دے۔

امتناع عریانی کا فرمان خداوندی

اس بے حیائی کی ممانعت میں یہ آئتیں نازل ہوئیں:۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ه قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً

اے آدم کی اولاد، تم مسجد کی ہر حاضری (یعنی نمازوں اور طواف کعبہ) میں اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آپ فرمائیے کہ حق تعالےٰ کے پیدا کئے ہوئے لباس کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

(۷: ۳۱-۳۳)

کہ یہ نعمتیں دنیاوی زندگی میں مومنوں ہی کے لائق ہیں (اگرچہ غیر مومن بھی ان میں ان کے شریک حال ہو گئے ہیں) مگر آخرت میں یہ نعمتیں خاص مومنوں ہی کو عطا ہوں گی، ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لیے آیتیں بہ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ میرے رب نے بےحیائی کے کاموں کو جو علانیہ کیے جاتے ہیں (جیسے برہنہ طواف) یا جن کا مخفی طور پر ارتکاب کیا جاتا ہے۔ (جیسے بدکاری) حرام کیا ہے۔

ان آیتوں کی تنزیل کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اور بعد میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو ایام حج میں مکہ معظمہ روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ بیت اللہ میں جا کر اعلان کر دیں کہ آیندہ کسی شخص کو عریاں ہو کر طوافِ کعبہ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضؓ کا بیان

اس واقعہ کی تفصیل سُنَن نسائی میں ابوہریرہ رضؓ کے بیان میں ملتی ہے۔ اُنھوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا تھا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو حجۃ الوداع سے پہلے امیر الحاج مقرر کیا تو حضرت ابوبکر رضؓ نے مجھے چند آدمیوں کے ساتھ اس اطلاع کے لیے مکہ معظمہ بھیج دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے اور حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اپنے فرزند محرّر سے بیان کیا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو سورۂ براءت سنانے کے لیے مکہ معظمہ روانہ فرمایا تو میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ ہم وہاں یہ پکارتے رہے کہ مومن کے سوا کوئی جنت میں نہ جاسکے گا (یعنی جو جنت میں جانے کا خواہشمند ہو وہ ایمان لائے) اور کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے میں بار بار یہی اعلان کرتا رہا یہاں تک کہ میری آواز پڑ گئی۔ رواہ النسائی۔

حجِ مُصمِت

اہلِ کفر نے ایک نئی قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا جس کو حجِ مُصمِت کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یعنی حج کرنے والا دوران حج میں شروع سے اخیر تک منہ سے کچھ نہ بولتا تھا۔ لیکن اسلام نے اس بے جا پابندی اور تکلیف مَالاَیُطَاق کو برطرف کر دیا۔ ایکدفعہ امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زینب نام قریش کی ایک عورت کو دیکھا جو کسی سے بات چیت نہیں کرتی تھی۔ اُن کے دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ اس عورت نے حجِ مُصمِت کی نیت کی ہے اس لیے جب تک حج سے فراغت نہ پالے گی کسی سے ہمکلام نہ ہو گی حضرت ابوبکرؓ نے اس سے فرمایا کہ یہ خاموشی جائز نہیں۔ یہ زمانۂ جاہلیت کی بیہودہ رسموں میں سے ایک رسم ہے۔ (بخاری)

فصل ۔ ۱۷

بد عہدی

لفظ عہد بہت سے معنوں میں مستعمل ہے۔ اس کے اقسام و مدارج معلوم کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب "شمائلِ کبریٰ واخلاقِ عظمیٰ" کی طرف رجوع فرمایئے۔ یہاں عہد سے وہ قول و قرار مراد ہے جو بندے آپس میں کرتے ہیں۔

کفار کا شیوہ غداری

اسلام میں پابندئ عہد کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن زمانہ جاہلیت کے عرب یورپ اور امریکہ کی موجودہ جاہلی تہذیب کی طرح اس کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم معاصرین نے اپنے اسلاف کے طریق عمل کی پیروی میں عہد و پیمان کو بالکل طاقِ نسیان پر رکھ چھوڑا تھا۔ پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں نے بت پرستوں کے قول و اقرار پر اعتماد کر کے بڑے بڑے نقصان اٹھائے۔ بسا اوقات وہ طرح طرح کے عہد و پیمان کر کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور ان کو فریب دے کر موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ فرقان حمید میں ان کی اسی غداری کی نسبت فرمایا گیا۔

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ (۹:۱۰)

یہ لوگ کسی مومن کے بارے میں نہ تو کسی حق قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کے پابند رہیں۔ یہی لوگ حد سے گذرنے والے ہیں۔

یہاں ان کی بد عہدی اور غداری کے چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں۔

منافقانہ اظہار اسلام

صفر ۴ھ میں یعنی غزوہ اُحد کے چار مہینے بعد قبیلۂ عضل اور قارہ کی ایک جماعت

بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئی کہ ہم میں اسلام اور دینداری ہے۔ آپ اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہمارے لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اصول دین سمجھائیں۔ آپ نے اپنے ان چھ جان نثاروں کو ان کے ساتھ بھیجدیا۔ (۱) مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی (۲) خالد بن بکیر لیثی (۳) عاصم بن ثابت بن ابی افلح (۴) خُبیب بن عدی (۵) زید بن دثنہ اور (۶) عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم اور حضرت مرثدؓ اور دوسری روایت کے بموجب جناب عاصمؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ رجیع میں پہنچے جو بنو ہذیل کا ایک چشمہ تھا تو ا، دفعۃً بد عہدی اور غداری کر کے بنو ہذیل کو ان پر چڑھا لائے۔

یہ دیکھ کر حضرت مرثد (یا عاصمؓ) نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ حصولِ شہادت کا زریں موقع ہاتھ آیا ہے اس وقت کو غنیمت سمجھو" یہ حضرات مرنے مارنے پر آمادہ ہوئے اور جھٹ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ہذیل کے قریباً دو سو تیر اندازوں نے پہاڑی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کہنے لگے کہ لڑنے کا قصد نہ کرو۔ تم چھ آدمی اتنی بڑی جمعیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر نیچے اتر آؤ تو ہم عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کی جان نہ لیں گے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ تم کو اہل مکہ کے ہاتھ بیچ کر کچھ کمائیں۔ حضرت مرثدؓ نے فرمایا ہم کسی مشرک کا عہد و پیمان قبول نہ کریں گے۔ ہم موت کے مشتاق ہیں اور راہِ خدا میں جان دینا ہماری زندگی کا عزیز ترین مقصد ہے۔ محاصرین نے بہت سمجھایا کہ ناحق اپنی جانیں ضائع نہ کرو ہم تمہیں امان دیں گے لیکن انھوں نے قبول نہ کیا۔

تین حضرات کا واقعۂ شہادت

ان حضرات نے جو نشۂ شہادت میں مخمور تھے بڑی شجاعت اور بے جگری کے ساتھ محاصرین پر تیر برسانے لگے۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ شروع کیا۔ جب نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں لیں اور یہاں تک لڑے کہ مرثد، خالد اور عاصم رضی اللہ عنہم نے جام شہادت پی لیا اور باقی تین بزرگ خُبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق اور زید بن دثنہ علیہم الرضوان دشمنوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔

اب بنو لحیان کے تیر انداز اپنی کمانوں کے تار کھول کر تینوں قیدیوں کے ہاتھ باندھنے

لگے۔ حضرت عبداللہ بن طارق اس احساس کمتری کو گوارا نہ کر سکے اور معاً ہاتھ نکال کر اعداء کی ایک تلوار کی طرف بڑھایا انھوں نے ان کے ارادہ سے مطلع ہو کر ان پر چاروں طرف سے اتنی سنگ باری کی کہ روح مطہر جنت الفردوس کی طرف پرواز کر گئی۔

کھوپڑی میں شراب پینے کا عہد

حقیقت میں کفار بو ہذیل کو یہ خونین کھیل کھیلنے کی یوں ضرورت پیش آئی تھی کہ مکہ معظمہ کی ایک مالدار قریشیہ سلافہ بنت سعد کا شوہر اور اس کے دو بیٹے جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ بیٹوں نے حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے دار البوار کی راہ لی تھی۔ اس لیے سلافہ نے عہد کیا تھا کہ جب تک عاصم رض کے کاسہ سر میں شراب نہ پی لے گی چین سے نہ بیٹھے گی۔ چنانچہ اعلان کیا کہ جو کوئی میرے پاس عاصم رض کو زندہ پکڑ لائے یا اس کا سر کاٹ کر میرے پاس پہنچائے گا اُسے اعلیٰ نسل کے سو اونٹ انعام دوں گی۔ قبیلہ ہذیل کی شاخ بنو لحیان کے ایک شخص سفیان بن خالد کو اس انعام کی طمع دامنگیر ہوئی۔ (بنو لحیان عُسفان اور مکہ کے درمیان آباد تھے) چنانچہ جس وفد کے مدینہ منورہ جانے کا اوپر تذکرہ ہوا وہ سفیان بن خالد ہی ترتیب دیا ہوا تھا۔

یہ لوگ مدینۃ الرسول میں جناب عاصم رض کے والد ثابت کے مکان پر فروکش ہوئے تھے اور دوران قیام میں جناب عاصم رض سے بہت کچھ خلوص و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کوشش میں منہمک رہے کہ جو لوگ بغرض تبلیغ ان کے ساتھ بھیجے جائیں اُن میں عاصم رض ضرور شامل ہوں۔ چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے۔ (ماخوذ و مقتبس از سیرت ابن ہشام اسد الغابہ، فتح الباری)

حضرتِ عاصم رض کے جسدِ اطہر کی منجانب اللہ حفاظت

حضرت عاصم رض نے مقابلہ شروع کرنے سے پہلے دعا کی تھی۔ الٰہی! میں تیرے دین کی خدمت میں جان دیتا ہوں۔ میرے جسم کی حفاظت تیرے ذمے ہے۔ دعا جو ایک مظلوم اور دردمند دل سے نکلی تھی معاً موقفِ اجابت پر پہنچی۔ اہل شرک نے چاہا کہ عاصم رض کا سر کاٹ کر سلافہ کے پاس لے جائیں لیکن جب نعش مبارک کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ شہد کی

مکھیوں نے ہجوم کر رکھا ہے۔ لاش تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ آخر صلاح ٹھیری کہ رات کو جب مکھیاں چلی جائیں گی تو اُس وقت سر کاٹ لیں گے۔ لیکن اس کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور آناً فاناً اتنا سیلاب آیا کہ عاصم رضہ کا جسد اطہر پانی میں بہہ کر غائب ہوگیا۔ (ابن جریر طبری)

عاصم رضہ کے عہد کا منجانب اللہ پورا کیا جانا

حضرت عاصم رضہ تقویٰ و طہارت کے اعتبار سے اقران و اماثل میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ وہ ارباب کفر و شرک کو نجس محض سمجھتے تھے اور انھوں نے خدائے قدوس سے یہ عہد کیا تھا کہ نہ میں کبھی کسی مشرک کو مس کروں نگا اور نہ کسی مشرک کو اپنا جسم چھونے دُوں گا۔ تمام اصحاب کرام رضہ کو ان کے اس عہد کا علم تھا۔ عہد فاروقی میں جب حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ شہد کی مکھیوں نے اُن کی لاش کی اس طرح حفاظت کی تھی۔ اور اُن کا سر مبارک نہ لے جانے دیا تھا تو کہنے لگے کہ یہ خدا کی کرم فرمائی ہے کہ اس نے اپنے مومن بندے کی اس طرح حفاظت فرمائی۔ عاصم رضہ نے اپنی زندگی میں نیت کی تھی کہ وہ نہ خود کسی مشرک کو ہاتھ لگائیں گے اور نہ اپنے کو چھونے دیں گے۔ خدائے عزیز و قدیر نے اس عہد کو برقرار رکھنے کے لیے جس طرح ان کو حین حیات میں مشرکوں سے محفوظ رکھا اسی طرح پسِ مرگ بھی ان کے ناپاک ہاتھوں سے بچایا۔ (محمد بن جریر طبری)

سفیان بن خالد کی حرمان نصیبی

سفیان پر دار آخرت میں اس ظلم آرائی کی جو جوابدہی ہوگی وہ تو ظاہر ہے لیکن وہ دنیا میں بھی اپنی نامسعود کوشش میں نامراد رہا۔ خسر الدنیا والآخرۃ اسی کو کہتے ہیں۔ سفیان نے اس اطلاع کے ساتھ کہ ہم نے عاصم رضہ کو قتل کر دیا ہے سُلافہ کے پاس قاصد روانہ کیا اور اس سے سو اونٹ عطا کرنے کی درخواست کی۔ اُس نے جواب دیا میری شرط یہ تھی کہ عاصم رضہ کو کوئی زندہ لائے یا سر کاٹ کر لائے لیکن تم نے دونوں میں سے کوئی شرط بھی پوری نہ کی۔ اس لیے میں ایک اونٹ بھی نہ دوں گی۔

قتل کے لیے خُبیب کو ایک مشرک کا خریدنا

اب صرف دو عاشقانِ حق باقی رہ گئے تھے۔ ان کی مظلومی بھی کچھ کم درد انگیز اور عبرت خیز نہیں ہے اور افسوس کہ عاشقانِ حق کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے۔ سفیان بن خالد کو حضرت عاصمؓ پر تو انعام موعود نہ مل سکا۔ اس لیے اب وہ حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو بغرض فروخت مکہ کے اُس بازار میں لے گیا جہاں عروجِ اسلام سے پہلے پہلے حیوانوں کی طرح انسانوں کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

مذہبی اور قومی جنگوں میں جماعتیں اور قومیں جب باہم منصادم ہوتی ہیں تو ہر گروہ فریق مخالف کے قلع قمع کی تدبیریں کرتا ہے اور بغیر اس کے کہ کسی سے کوئی سابقہ عناد و پرخاش ہو ہر متحارب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جو کوئی بھی مقابلہ پر آئے اُسے بلا امتیاز ٹھکانے لگا دے اور حقیقت میں ہر متحارب کا فرضِ منصبی یہی ہے کہ ایسا کرے۔ پس ظاہر ہے کہ رزم و پیکار کے بعد کسی شریک جنگ کو انفرادی حیثیت سے اپنی انتقام جوئی کا نشانہ بنانا سخت بزدلی اور دون ہمتی ہے۔ لیکن مشرکین مکہ اپنے مقتولوں کا بدلہ ان لوگوں سے بھی لیتے تھے جنھوں نے فریق مخالف کی طرف سے لڑکر ان کا کوئی آدمی قتل کیا ہوتا تھا

جنگ بدر میں حارث بن احمر نام ایک مشرک حضرت خُبیب بن عدیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اسلام کے اس یوسف کو حارث کے بیٹوں نے اس غرض سے خرید لیا کہ انھیں اپنے باپ کے عوض میں قتل کریں گے۔ حارث کے بیٹے عقبہ نے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں لا کر قید کیا۔ ہتھکڑیاں پہنائیں اور موہب نام اپنے ایک عزیز کو ان کی نگرانی پر متعین کیا۔ حضرت خبیبؓ کو کئی مہینے قید میں رہنا پڑا کیونکہ حارث کی اولاد اس انتظار میں رہی کہ حُرمت والے مہینے گذر جائیں تو ان کی جان لیں۔ گو عمرو بن لُحی کی ضلالت آفرینی کے باعث قریش بت پرستی کے قعرِ ہلاکت میں جا پڑے تھے تاہم بیت اللہ اور حج بیت اللہ کے متعلق وہ اب بھی مذہبی قیود و احکام کے پابند تھے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ سے قریش میں چلی آتی تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی طرح اشہرِ حُرم یعنی حرمت والے چار مہینوں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم میں اب بھی خونریزی سے اجتناب کرتے تھے۔

بدعہدی مسلمان کا شیوہ نہیں

ماہ ہائے حرام کے منقضی ہو جانے کے بعد قتل و جاں ستانی کی تیاریاں ہوئیں۔ حضرت خبیبؓ نے عقبہ کی بیوی اور موہب سے وعدہ لے رکھا تھا کہ اقدام قتل سے پہلے انھیں اس کی خبر کر دینگے جس روز قتل کرنے کا قصد ہوا موہب نے ان کو مطلع کر دیا۔ اُنھوں نے طہارت کے لیے اُسترا مانگا موہب نے لا دیا۔ اتنے میں موہب کا کم سن لڑکا جو حضرت خبیبؓ سے مانوس ہو چکا تھا کھیلتا کھیلتا ان کے پاس چلا آیا اور حسب معمول ان کی ران پر بیٹھ گیا۔ لڑکے کی ماں نے دیکھا کہ اُسترہ ہاتھ میں اور بچہ ران پر ہے تو کانپ اُٹھی اور خوفزدہ ہو کر چلائی۔ حضرت خُبیب رضؓ نے فرمایا کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اس بے گناہ بچے سے اپنے خون کا انتقام لوں گا؟ حاشا۔ یہ مسلمان کی شان نہیں اور بدعہدی ہمارا شیوہ نہیں۔ حضرت خبیب کی باتوں کا اس پر خاص اثر ہوا۔ (استیعاب)

بے موسم کے میووں کا غیبی رزق

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو عام طرز زندگی اور اخلاق و معاملات میں اتنا بلند کر دیا تھا کہ ان کو دیکھ کر ہر وہ شخص ان سے متاثر ہو جاتا تھا جس کی فطرت میں سچائی انصاف پسندی اور پاکیزہ طرز زندگی کی کچھ بھی قدر تھی۔ عقبہ کی بیوی کا بیان ہے کہ خبیب رضؓ سے بہتر کوئی قیدی میری نظر سے نہیں گذرا۔ میں نے بارہا انھیں اُن ایام میں انگور کھاتے دیکھا ہے جب کہ مکہ میں انگور کا نام و نشان نہ تھا اور انگور کا موسم بھی نہ تھا اور ان کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے۔ اس لیے یہ یقیناً خدا ہی کا دیا ہوا رزق تھا جو ان کو رزّاق علی الاطلاق کے خزانۂ غیب سے ملتا تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ و تاریخ ابن جریر طبری)

قتل کی تیاری

حضرت خبیبؓ کی جاں ستانی میں اہل مکہ نے بڑا اہتمام کیا۔ حرم سے باہر موضع تنعیم میں سولی لٹکائی گئی۔ شہر کے مرد عورتیں، بوڑھے، بچے امیر غریب ہر طبقہ کے لوگ تماشائی کی حیثیت سے موجود تھے۔ اہل مکہ بغرض خون فشانی اپنے اپنے نیزے ساتھ لائے تھے۔ ایک جم غفیر عالم مسرت و اشتیاق نظارہ میں عقبہ کے گھر ان کو لینے آیا۔ حضرت خبیبؓ

نے قریش سے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ چونکہ قتل سے پیشتر قتیل کی جائز خواہشات کا احترام شروع سے چلا آتا ہے انھوں نے مہلت دی۔

خبیب رضؓ نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس واقعہ کے بعد اہل ایمان میں یہ طریقہ ہی رائج ہو گیا کہ جس کسی کو اسیر و مجبور کر کے قتل کیا جاتا وہ دوگانہ ادا کر کے قتل ہوتا۔ دوگانہ سے فراغت پاکر فرمایا کہ جی تو چاہتا تھا کہ زیادہ پڑھوں مگر تم لوگ کہو گے کہ موت سے ڈر کر بہانہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ اب مجمع کے ساتھ موضع تنعیم کے مقتل کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچے۔ (بخاری، تاریخ طبری، استیعاب) یہاں پہنچ کر حضرت خبیب رضؓ نے یہ دو شعر پڑھے۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ۔ عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْ ۔ یُبَارِکُ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٍ (ابوداود)

(جس صورت میں کہ میں حالتِ اسلام میں مارا جاتا ہوں مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کسی کروٹ پر ہی کیوں نہ مارا جاؤں۔ میرا قتل خدا کے لیے ہے اور اگر وہ ذاتِ بے ہمتا چاہے تو میرے اعضائے پارہ پارہ میں برکت ڈال دے)

شہادت کا حادثہ فاجعہ

اب اس مہاجر الی اللہ کو سولی پر چڑھایا گیا اور عقبہ بن حارث اور ہبیرہ عبدری نے ان کے گلے میں پھندا ڈال کر ان کا رخ قبلہ سے پھیر دیا۔ انھوں نے فرمایا خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (جدھر کو رخ کرو ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے) گو یہ نہایت دردناک منظر تھا کہ اسلام کا ایک فرزند انتہائی مظلومی غریب الوطنی اور بیکسی کے عالم میں قتل کیا جانے والا تھا تاہم حضرت خبیب رضؓ کامل اطمینان اور دلی مسرت کے ساتھ رضائے الٰہی کے جویاں تھے ان سے کہا گیا کہ اگر دین اسلام چھوڑ دو تو تم رہا ہو سکتے ہو۔ فرمایا ایک جان کیا سو جان بھی اسلام پر قربان ہو تو تھوڑی ہے۔ اعدائے حق بولے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سولی ہو اور تم صحیح و سلامت اپنے گھر چلے جاؤ۔ یہ سن کر اس شیفتۂ حق نے فرمایا مجھے کبھی گوارا نہیں کہ میں گھر میں رہوں اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک میں

ایک کانٹا بھی چبھے۔

یہ جواب سن کر مقتولین بدر کے بیٹوں اور رخوبشیل نے مشتعل ہو کر انتہائی بے رحمی اور قساوت قلبی کے ساتھ چاروں طرف سے قاطبۃً جسم اطہر پر نیزے مارنے شروع کر دیے۔ اسی حالت میں حضرت خبیب رض کا رخ کعبہ کی طرف ہو گیا۔ ابھی رمق جان باقی تھی کہنے لگے خدا کا شکر ہے جس نے میرا چہرہ اس قبلہ کی طرف پھیر دیا جو اس نے اپنے رسول اور اہل ایمان کے لیے پسند کیا ہے۔ لیکن ایک عاشق حق کا جو چہرۂ انور قبلہ کی جانب رخ کر چکا تھا وہ واصل بحق ہونے کے بعد بھی کسی دوسری طرف نہیں پھرا۔ مشرکوں نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ (اصابہ)

مجلس نبوی میں حادثۂ جانکاہ کا تذکرہ

جب حضرت خبیب رض کی گردن مبارک میں پھندا ڈالا گیا تھا۔ تو انھوں نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی تھی۔ الٰہی! یہاں سب دشمن ہیں۔ کوئی دوست نہیں جو میرا اسلام تیرے رسول تک پہنچائے۔ الٰہی! تو ہی میرا اسلام اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا۔" زید بن حارث رض جو اس سانحۂ جانگداز کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ جس وقت خبیب رض مکہ معظمہ کے باہر قتل کیے جا رہے تھے اسوقت میں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس عالی میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر تھا۔ آپ پر آثار وحی ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا خبیب رض کو اہل شرک نے واصل بحق کر دیا اور یہ جبریل ع مجھے ان کا سلام پہنچا رہے ہیں (بیہقی و ابو نعیم) علامہ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں کہ جب حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اے خبیب رض تم پر سلام (فتح الباری)

نعش اطہر کا زمین میں سما جانا۔

حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ کا بڑا قلق تھا۔ اہل مکہ نے حضرت خبیب رض کی لاش کو بہت دنوں تک سولی پر لٹکائے رکھا۔ ایک دن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رض سے فرمایا کہ مکہ جا کر خبیب رض کی لاش کا پتہ لگاؤ اور اس شہید وفا کو سولی سے اتار دو،

حضرت عمروؓ مکہ معظمہ کے باہر اس مقام پر پہنچے جہاں ان کی نعش اطہر لٹک رہی تھی۔ انھیں پاسبانوں کا بھی خوف تھا۔ تاہم سولی پر چڑھ کر وہاں سے علیحدہ کیا۔ لاش زمین پر گری۔ حضرت عمروؓ چاہتے تھے کہ جسم مبارک کو مدینہ اُٹھالے جائیں۔ لیکن انھیں نیچے اُترنے کے بعد یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ نعش مفقود ہے۔ بولے معلوم ہوتا ہے کہ زمین نگل گئی ہے۔ چنانچہ ان کی نعش اطہر کا ہنوز کوئی پتہ نہیں ہے۔ (تاریخ ابن جریر طبری و اصابہ)

حضرت عمروؓ کے بھیجے جانے کے دو مقصد

لیکن دوسری روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ کے مکہ بھیجے جانے کے دو مقصد تھے۔ حضرت خُبیب کی لاش اُتارنا اور ابوسفیان کی ہلاکت۔ چونکہ ہجرت کے بعد سے مسلمانوں میں اور قریش مکہ میں حالتِ جنگ چلی جارہی تھی اور اہل مکہ نہ صرف ہر جگہ اہلِ ایمان کی جان کے لاگو بنے ہوئے تھے بلکہ ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کے آقا و مولیٰ سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے لیے بھی قاتل بھیجے جاتے تھے۔ اور آپ کے خلاف ہر وقت سازشوں کا بازار گرم تھا۔ اس لیے کفار کی سرگرمیوں کو روبانحطاط لانے کے لیے مصلحتِ وقت یہی تھی کہ مکہ کی سرزمین کو ابوسفیان کے خارِ وجود سے پاک کردیا جائے۔ ابوسفیان کے استہلاک اور عزم قتل کے متعلق عمرو بن اُمیہ ضمیری کا اپنا بیان سنیئے۔

ضمریؓ کا بیان

وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو میرے ہمراہ کردیا۔ انصاری کے پاس کوئی سواری نہیں تھی اس لیے میں نے ان کو اپنا ردیف بنالیا۔ میں نے مکہ معظمہ پہنچ کر ایک جگہ اونٹ باندھا اور اپنے رفیق سے کہا کہ تم مجھے ابوسفیان کے گھر لے چلو۔ میں اس کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہاں کوئی مقابلہ ہو یا تم کو کوئی خطرہ نظر آئے تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دینا اور میرے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ واپس چلے جانا۔ میرے پاس ایک نہایت تیز چھُری تھی جسے میں نے اسی غرض کے لیے پہلے سے تیار کرلیا تھا۔ ہم نے خانۂ کعبہ جاکر اس کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ وہاں سے ابوسفیان کے گھر کو چلے۔

حضرت عمرو ضمریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مجھے پہچان لیا۔ وہ چلاّ کر کہنے لگا کہ یہ

عمرو بن امیہ ہے۔" یہ سن کر اہل مکہ ہر طرف سے میری طرف جھپٹے اور کہنے لگے بخدا یہ ضرور کسی بری نیت سے یہاں آیا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا مجھے پہلے بھی یہی خدشہ تھا کہ جس شخص کو ہم قتل کرنے آئے ہیں اُس پر قابو پانا مشکل ہوگا۔ ہم بڑی تیزی کے ساتھ دوڑ کر ایک پہاڑ پر جاچڑھے اور ایک غار میں جاکر پناہ لی۔ اس لیے مکہ والوں کے ہاتھ نہ آ سکے اور وہ پھر پھرا کر واپس چلے گئے۔

اب عثمان بن مالک تیمی میری تلاش میں آیا۔ وہ اپنے گھوڑے کو کاوا دیتا ہوا نظر آیا اور بڑھتے بڑھتے غار کے منہ پر آکھڑا ہوگیا۔ میں نے غار سے نکل کر اس کے خنجر بھونک دیا اس نے ایسی چیخ ماری کہ اہل مکہ نے اسے سنا اور وہ اسی آواز کی سمت لپکے۔ میں پھر غار کے اندر چلا گیا۔ اہل مکہ اس کی آواز پر تیز دوڑتے ہوئے آئے۔ ابھی اس میں جان باقی تھی۔ انھوں نے پوچھا تم کو کس نے مارا۔ اس نے کہا عمرو بن اُمیہ نے اتنا کہتے ہی اس کی جان نکل گئی اور وہ ان کو ہمارا پتہ نہ بتا سکا۔ مکہ والے آپس میں کہنے لگے ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ عمرو ضرور کسی شرارت کے لیے آیا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ ہمیں تلاش کرتے وہ عثمان کو اٹھا کر لے گئے۔

عمرو کہتے ہیں کہ ہم دو دن غار میں رہے۔ جب ہماری تلاش ختم ہوگئی تو ہم تنعیم پہنچے سولی کے گرد پہرہ متعین تھا۔ میں نے انصاری سے کہا کہ اگر تم کو خطرہ نظر آئے تو فوراً میرے اونٹ پر سوار ہوکر مدینہ منورہ کی راہ لینا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام ماجرا بیان کردینا۔ اس کے بعد میں سولی کی طرف گیا اور خبیب رضؓ کی لاش کو اُتار کر اپنی پشت پر لادا لیکن ابھی صرف چالیس قدم گیا ہونگا کہ پہرہ داروں نے مجھے دیکھ لیا اور شور مچادیا۔ میں نے لاش وہیں چھوڑ دی جو اچانک غائب ہوگئی اور وہ میرے پیچھے دوڑے۔ میں نے صفراء کی راہ اختیار کی اور وہ تھک کر پلٹ گئے۔ اب میرا ساتھی اونٹ کے پاس آیا اور اس پر سوار ہوکر مدینۃ الرسول چلا گیا۔ میں پاپیادہ مدینہ کی سمت روانہ ہوا۔ راستے میں ایک پہاڑی کے غار میں گھسا۔ اتنے میں ایک دراز قامت کانا آدمی بھی غار میں آیا اور ایک طرف بانسری بجاکر گانے لگا۔ اس کے تمام اشعار توہین پیغمبر اور استہزاء علی الاسلام پر مشتمل تھے۔

اس کا ایک شعر یہ تھا ؎

ولست بمسلم ما دمت حیًّا　　ولست ادین دین المسلمینا

(جب تک زندگی ہے میں کبھی مسلمان نہ ہونگا اور نہ اب مسلمان ہوں)

میں نے اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیا۔ میں وہاں سے نکلا اور عقاب کی سی سرعت کے ساتھ اپنی راہ لی۔

جناب عمرو کا بیان ہے کہ جب میں موضع نقیع پہنچا تو وہاں مجھے قریش کے دو جاسوس ملے جو رسول خدا کے حالات معلوم کرنے کے لیے مدینہ جا رہے تھے۔ میں نے ان کو شناخت کر لیا اور ان سے کہا کہ قید ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کیا ہم تمہارے ہاتھ پر قید ہوں گے؟ میں نے معاً ایک کو تیر سے ہلاک کر دیا اور دوسرے سے کہا کہ قید ہو جاؤ اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔ میں نے اس کی مشکیں باندھ لیں اور اسے اپنے ساتھ لے چلا جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو چند انصاری بزرگوں کے سامنے سے گذرا۔ انھوں نے کہا یہ دیکھو عمرو بن امیہ آ گئے ہیں۔ چند لڑکوں نے یہ بات سنی تو وہ مجھ سے پہلے ہی دوڑتے ہوئے بارگاہ نبوی میں پہنچ گئے اور میرے آنے کی آپ کو خبر کی۔ میں نے جاسوس قیدی کا انگوٹھا اپنی کمان کی تانت سے باندھ رکھا تھا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سرگذشت سنائی تو آپ نے میرے لیے دعائے خیر کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے مارے جانے کے خواہش مند تھے لیکن آپ کی اس خواہش کو تائید و نصرت خداوندی حاصل نہ ہوئی کیونکہ علم الٰہی میں آئندہ چل کر ابوسفیان کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا اور دین حق کی کچھ خدمت بجا لانا مقدر ہو چکا تھا۔ اس واقعہ سے اُن لوگوں کی حماقت بھی ظاہر ہوتی ہے جو حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ماکان و مایکون ہونے کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کو حضرت عمرو بن امیہ کی ناکام مراجعت کا علم ہوتا تو آپ ان کو قتل ابوسفیان پر متعین نہ فرماتے۔

شرکائے قتل کی ہلاکت و بربادی

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنی جاں سپاری سے پہلے دعا کی تھی الٰہی! جو لوگ میرے

خونِ ناحق میں شریک ہیں ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑ۔" اس دعا کا اثر ایک ہی سال کے اندر ظاہر ہو گیا تمام شرکائے قتل نہایت ذلت و خواری کے ساتھ نہنگ ہلاکت کا شکار ہو گئے۔ (فتح الباری) سے

دریغا که خونِ ناحق پروانه شمع را
چنداں اماں نه داد که شب را سحر کند

حضرت خارجہ انصاری کی لاش سے انتقام

جنگ بدر میں حضرت خارجہ بن زید (بن ابی زہیر خزرجی) انصاری اور حضرت زید بن دثنہ انصاری رضی اللہ عنہما نے مکہ کے ایک مشرک اُمیّہ بن خلف کو مل کر مارا تھا۔ (تفصیل کے لیے راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" میں فصل ۲۵۷ ص ۹۵۸-۹۵۹ ملاحظہ ہو) اور اُمیہ کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قاتلوں کو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ صفوان کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ کسی طرح باپ کے قاتلوں سے بدلہ لے جنگ بدر کے ایک سال بعد غزوۂ اُحد میں کفار کو غلبہ نصیب ہوا تو صفوان کو اپنے باپ کے قاتلوں کی تلاش ہوئی۔ ایک قاتل حضرت خارجہؓ نے مشرکوں کے مقابلہ میں خوب داد شجاعت دی تھی اور نیزوں کے سو سے زیادہ زخم کھا کر جاں بحق ہوئے تھے۔ صفوان ان کی زندگی میں تو ان پر قابو نہ پاسکا تھا اس لیے لاش سے بدلہ لینے کو ہی غنیمت سمجھا۔ چنانچہ لڑائی کے خاتمہ پر ان کی نعش اطہر کو پہچان کر ناک کان اور بعض دوسرے اعضا کاٹ لیے تھے اور کہا تھا کہ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ (اسد الغابہ، اصابہ)

حضرت زیدؓ کا جامِ شہادت پینا

اب قضائے کردگار نے صفوان بن اُمیہ کے لیے حضرت زید بن دثنہؓ سے بدلہ لینے کا سنہری موقع فراہم کر دیا تھا۔ جب صفوان کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ کا دوسرا قاتل مکہ میں بغرض فروخت لایا گیا ہے تو بڑی عجلت سے جا کر حضرت زیدؓ کو پچاس اونٹوں کے عوض میں خرید لیا۔ حضرت خبیبؓ کی طرح جناب زیدؓ کا مقتل بھی موضع تنعیم ہی قرار پایا۔ صفوان نے اپنے غلام نسطاس کو حکم دیا کہ انھیں تنعیم لے چلے۔ زیدؓ کے سانحۂ شہادت کے وقت قریش کے تمام عمائد و اعیان تماشائیوں کی حیثیت سے موضع

تنعیم میں پہنچ گئے۔

جب قاتل تلوار ہاتھ میں لے کر تولنے لگا تو ابوسفیان بن حرب جو ہنوز سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز نہیں ہوئے تھے بلکہ اہل کفر و فساد کے سرغنہ تھے کہنے لگے زید! تمہیں خدا کی قسم! سچ سچ بتاؤ اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور ہم ان کی گردن ماریں اور تم صحیح و سلامت اپنے گھر پہنچا دیے جاؤ تو کیا اس کو اپنی خوش بختی نہ سمجھو گے حضرت زیدؓ نے فرمایا خدا کی قسم۔ میں تو اپنی جان کو اتنا بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک تلوؤں میں کانٹا چبھ جائے اور میں گھر میں رہ کر شرف ہمراہی سے محروم رہوں۔" یہ سن کر ابوسفیان دنگ رہ گئے اور بولے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اصحاب ان سے جس قدر محبت و عقیدت رکھتے ہیں دنیا میں کسی دوسرے کے دوست اسکے اتنے گرویدہ نہیں۔" اس کے بعد صفوان کے غلام نسطاس نے ان مجرم ناآشنا پر تلوار کا وار کیا اور طائر روح نے گلشن رضوان کے اشتیاق میں قفس عنصری کو خیرباد کہہ دیا (صحیح بخاری مع فتح الباری)

ستر قاریوں کا حادثہ شہادت

جاہلی عرب کی بدعہدی اور غداری کا ایک نہایت ہولناک واقعہ ستر قاریوں کا سانحۂ قتل ہے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں اس حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص عامر بن مالک جو نجد کا رہنے والا تھا۔ مدینہ منورہ آیا داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا میں اپنی قوم کے بغیر آپ کی پیروی نہیں اختیار کر سکتا۔ ہاں ایک صورت یہ ہے کہ آپ کے کچھ آدمی میرے ہمراہ اہل نجد کے پاس بھیجیں اور وہ جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیں پھر مجھ کو بھی قبول اسلام میں کچھ تامل نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ اہل نجد غداری کریں گے۔ عامر بن مالک کہنے لگا کہ آپ ہر قسم کا خوف و خطر دل سے نکال دیجئے۔ میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ نے اسکی ضمانت کے بعد اپنے ستر اصحاب کرام جو قرّاء کے نام سے مشہور تھے اس کے ساتھ روانہ کئے اور حضرت منذر بن عمرو ساعدیؓ کو اس جماعت کا امیر مقرر فرمایا۔ اور

ایک مکتوب روسائے نجد کے نام لکھوا کر انھیں دیدیا۔ یہ ستر حضرات زیادہ تر انصار میں سے تھے۔

شبانہ روز کے مشاغل

یہ نفوس قدسیہ فِی اللَّیلِ رُھبَان وبالنہار فرسان (رات کے وقت عابد شب بیدار اور دن میں شہسوار) کے حقیقی مصداق تھے۔ مدینہ مطہرہ میں ان کا عام معمول یہ تھا کہ دن کو جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹ لاتے اور شہر میں بیچ کر اصحابِ صُفّہ اور شہر کے فقراء و مساکین کے لیے طعام خریدتے اور ان کو کھلاتے۔ شہر بھر کے کمزوروں، معذوروں اور بیواؤں کے کام کر دیتے۔ نمازیوں کے وضو کے لیے مسجد میں پانی بھر دیتے۔ خدمت خلق کے کاموں سے فارغ ہو کر پہلے خود تلاوت قرآن میں مصروف ہوتے۔ پھر لوگوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے۔ یہاں تک کہ انہی مشاغل میں آفتاب غروب ہو جاتا۔ جب نماز عشاء سے فراغت پاتے تو کمر ہمت مضبوط باندھ کر قیام شب میں مصروف ہوتے اور ساری رات نماز اور ذکر الٰہی میں گذار دیتے۔ غرض خدمت خلق درس و افادہ اور عبادت الٰہی کے سوا عشق الٰہی کی اس جاں سپار جماعت کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔

ان حضرات نے عامر بن مالک کے ساتھ جا کر بنو عامر اور بنو سلیم کی سرزمین کے درمیان ایک مقام پر جسے بیر معونہ کہتے تھے قیام کیا۔ امیر جماعت جناب مُنذِر بن عَمرو رضؓ نے سب سے پہلے اپنے دو ساتھیوں عمرو بن اُمیہ ضمری رضؓ اور حارث بن صِمّہ رضؓ کو اونٹ دے کر چراگاہ بھیجدیا۔ اس کے بعد حضرت حرامؓ[ع] بن ملحان انصاری رضؓ کو جو حضرت انس رضؓ کے ماموں تھے۔ اس غرض سے قبیلہ بنو عامر کے پاس روانہ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک رؤسائے نجد کے پاس پہنچا دیں۔ حضرت حرام رضؓ دو ساتھیوں کی رفاقت میں روانہ ہوئے۔ جب علاقۂ بنو عامر کے قریب پہنچے تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ پہلے میں جاتا ہوں۔ اگر ان کے گزند سے محفوظ رہا تو تم بھی آجانا۔

ع حرام لغت عرب میں اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جس نے احرام باندھ رکھا ہو۔ ۱۲

حضرت حرامؓ پر نیزے کا مہلک وار

حضرت حرامؓ عامر بن مالک کے بھتیجے عامر بن طفیل بن مالک سے جا کر ملے اور کہا میں سرکار رسالت کا غلام ہوں۔ حضور کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ یہ آپ کا خط ہے۔" عامر بن طفیل نے ادھر اُدھر کی باتوں میں مشغول کر کے ایک شخص کو کچھ اشارہ کر دیا۔ اُس شقی نے حضرت حرامؓ کے پس پشت سے آ کر ایسا نیزہ مارا کہ جگر سے پار ہو کر چھاتی کی طرف نکل گیا۔ اس عاشقِ حق نے نیزہ کھا کر زور سے کہا فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (ربِّ کعبہ کی قسم! میں اپنی مراد کو پہنچ گیا) یعنی خدا اور اُس کے رسولِ مقبولؐ کی خوشنودی اور درجۂ شہادت حاصل کر لیا۔ زخم کاری تھا۔ روحِ مطہر آناً فاناً جنت الخلد کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت حرامؓ کے دونوں ساتھی واپس گئے اور مَعُونہ پہنچ کر صحابۂ کرامؓ کو صورتِ حال سے مطلع کیا اس حادثہ پر ان نفوسِ صالحہ میں سے ہر ایک کی رگ شہادت تڑپ اُٹھی۔

عامر بن طفیل کو معلوم ہو چکا تھا کہ اصحابِ پیغمبر بیرِ مَعُونہ پر اقامت گزیں ہیں۔ اس نے قبائل بنو سُلیم، عُصَیَّہ، رِعل اور ذکوان کو صحابۂ کرامؓ کے خلاف رزم خواہ ہونے کے لیے جا بھڑکایا۔ ان قبائل کا ٹڈی دل بعجلت تمام معونہ کی طرف امنڈ آیا اور آتے ہی ان مقبولین بارگاہ کو محاصرے میں لے لیا۔ جب ان پاکبازوں نے اپنے آپ کو گردابِ بلا میں دیکھا تو درگاہِ ربّ العزت میں دست بدعا ہوئے الٰہی! یہاں کوئی نہیں جو ہمارا اسلام تیرے حبیبؐ تک پہنچائے تو ہی ہمارا سلام آپؐ تک پہنچا دے"

اب اعدائے دین چاروں طرف سے بڑھ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ حضراتِ محصورین نے دادِ شجاعت دے کر اور بہتوں کو قعرِ ہلاکت میں ڈال کر راہِ خدا میں جانیں دیدیں۔ ان نفوسِ قدسیہ میں امیرِ جماعت جناب مُنذر بن عَمرؓو کے سوا کوئی نہ بچا۔ ان سے کہا گیا کہ چاہو تو تمہیں امان دیتے ہیں لیکن انھیں ذوقِ شہادت نے بے تاب کر رکھا تھا اور دشمنانِ دین کی امان بھی کسی طرح گوارا نہیں تھی۔ اس لیے بدستور سلسلہ رزم و پیکار جاری رکھا۔ عامر بن طفیل ان سے کہنے لگا ہتھیار ڈال دو اور ناحق اپنی جان ضائع نہ کرو" فرمایا ناز ہے سعادت کہ یہ حقیر جان راہِ حق میں قربان ہو اور مسلمان نے تو خالقِ کردگار

سے اپنی جان و مال کا ایک سوداگر رکھا ہے اس لیے جان فروشی اس کا فخر اور راہ خدا میں گلا کٹانا اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ غرض مردانہ وار مقابلہ کر کے جامِ شہادت پی لیا۔

اس وقت جبریل علیہ السلام بحکم رب جلیل آستانۂ نبوت میں پہنچے اور ان دردمندوں کا سلام پہنچا کر آپ کو بتایا کہ وہ اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے اور ان کو (اپنی نوازشوں سے) سرفراز فرمایا ہے۔" آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ تمہارے قاری بھائی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے ہیں اور جبریلؑ نے مجھے ان کا سلام پہنچایا ہے۔" یہ سن کر صحابۂ کرامؓ نہایت مغموم و محزون ہوئے۔

جب عمرو بن اُمیہ ضمری اور حارث بن صمّہ رضی اللہ عنہما نے جو اونٹوں کو چراگاہ لے گئے تھے مراجعت کی تو دور سے یہ وحشت ناک منظر دیکھا کہ حضرات صحابہ کی اقامت گاہ کے اردگرد گدھیں جمع ہیں اور چیلیں منڈلا رہی ہیں۔ گرد و غبار اُڑ رہا ہے اور مشرکوں کے سوار کھڑے ہیں۔ انھوں نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر نظر دوڑائی۔ تو دیکھا کہ سواروں کے حلقے کے اندر لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں۔ سمجھ گئے عشاق حق و صدق نے جرعات شہادت پی کر حیات جاوید حاصل کر لی۔ اب یہ دونوں آپس میں صلاح کرنے لگے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا مصلحت وقت یہ ہے کہ مدینۃ الرسول پہنچ کر پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعۂ ہائلہ کی اطلاع دیں۔ لیکن حضرت حارثؓ نے کہ جن کی رگ رگ میں اس وقت شہادت فی سبیل اللہ کا جوش دوڑ رہا تھا فرمایا ہرگز نہیں۔ خوش بختی سے خدائے موفّق نے جاں سپاری کا ایک سنہری موقع بہم پہنچایا ہے۔ اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

الغرض محاصرین کی طرف بڑھے اور جاتے ہی اعداء پر ٹوٹ پڑے لیکن دو کا سینکڑوں سے کیا مقابلہ تاہم اصحاب پیغمبر علیہم الرضوان اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور صرف ایک چیز یعنی قربانی اور جاں سپاری ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ بادۂ حق کے یہ مخمور ہنوز دو ہی دشمنوں کو قعر ہلاکت میں ڈالنے پائے تھے کہ گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن شوقِ شہادت اور ولولۂ جاں سپاری ملاحظہ ہو کہ حضرت حارثؓ کسی طرح بند چھوڑا کر زرلو

اعداء پر جھپٹ پڑے۔ یہاں تک کہ وہ اور مشرکوں کو دار البوار میں پہنچا کر روضۂ رضوان کی راہ لی۔

اب ستر میں سے صرف ایک حضرت عمرو بن اُمیہ پیچھے رہ گئے۔ عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال اور اُنگلی کاٹ کر اُن کو آزاد کر دیا اور بڑے غرور سے کہنے لگا کہ جا کر تمام ماجرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گوش گذار کر دو۔ حضرت عمروؓ کی مخلصی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ابن طفیل کی ماں کو کسی منّت کی بنا پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا اس نے اسی میں حضرت عمروؓ کو محسوب کر لیا۔ انھوں نے دیار حبیب میں پہنچ کر ان گشتگانِ خنجر تسلیم و رضا کی داستانِ مظلومی کہہ سنائی۔ آپ کو اس حادثۂ جانکاہ کا اتنا رنج ہوا کہ کسی اور حادثہ کا شاید کبھی نہیں ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اُنکے بھیجنے پر آمادہ نہ تھا عامر کے عہد حفاظت نے مجھے اس پر آمادہ کر لیا۔

اسکے بعد آپ نے نماز پنجگانہ میں قبائل رعل، ذکوان، عصیّہ اور بنو لحیان پر بد دعا کرنی شروع فرمائی لیکن جب چاروں قبیلوں کے سرآوردہ اعیان و عمائد جو ان نفوس مزکّی کی جانستانی کے ذمہ دار تھے گھبرائے ہوئے اور سخت پریشان حال دار الہجرت میں آئے اور اپنی قسمت اسلام کے دامن سعادت سے وابستہ کر دی تو آپ بد دعا سے دست بردار ہو گئے (ابن سعد، ابن ہشام، ابن جریر طبری)

جیش کی نامور ہستیاں

جو ستّر نفوس مقدسہ اس پاک جیش میں شریک تھے ان میں زیادہ مشہور ہستیاں یہ تھیں (۱) منذر بن عمرو خزرجی ساعدی (۲) حارث بن صمّہ خزرجی نجاری (۳) حرام بن ملحان نجّاری بدری (۴) عروہ بن اسماء بن صلت سُلمی (۵) رافع بن زید بن ورقاء (۶) عامر بن فہیرہ جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آزاد کردہ یافتہ غلام تھے (۷) عمرو بن اُمیہ ضمری (۸) کعب بن زید نجاری بدری۔ ستر پاکبازوں کی مبارک فہرست میں صرف دو بزرگ عمرو بن اُمیہ ضمری اور کعب بن زید نجاری بچ سکے۔ باقی ۶۸ نفوس مقدسہ نے جام شہادت پی لیا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کعب بن زیدؓ کے جانبر ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ مجروح ہو کر بے ہوش پڑے تھے۔ کفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ جب ہوش میں آئے تو مقتولوں کی لاشوں میں سے اُٹھ کر

چلے۔ آخر گرتے پڑتے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد غزوۂ خندق میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا۔ (تہذیب الاسماء والصفات وتاریخ طبری)

قُرّاء کی ترسیل کا مقصد

ابن اسحٰق کی روایت سے اوپر لکھا گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن مالک نجدی کی درخواست پر ستر قاری نجد میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے تھے لیکن بخاری کی دو روایتوں سے غرض ترسیل جنگی امداد معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ رقم فرما ہیں

انس بن مالک ان رعلاً وذکوان وعصیۃ وبنی لحیان استمدوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عدو فامدھم بسبعین من الانصار یسمیھم القراء فی زمانھم وتن تقدم فی الجھاد من وجہ آخر من سعید عن قتادہ بلفظ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ رعل وذکوان وعصیۃ وبنو لحیان فزعموا انھم اسلموا واستمدوا وعلیٰ قومھم (فتح الباری جلد ۷ ص۲۷۰)

ایک شبہہ کا حل

اگر کسی مخیلۂ دماغ میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قضیۂ رجیع اور حادثۂ بیر معونہ میں کفار بد نہاد کی روباہ بازیوں کو کیوں درخورِ اعتنا سمجھا اور اصحاب کرام کو کیوں ان کے ہمراہ کیا؟ ان کے بھیجنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرات سخت بیکسی کے عالم میں قعرِ ہلاکت کی نذر ہو گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے دعوت حق میں دوست دشمن مخلص و مخالف کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ انہیں ہر حال میں اپنے مالکِ کردگار کی پیغام رسانی مقصود ہوتی تھی۔ اس لیے انجام و عواقب کو علام الغیوب کے سپرد کر کے اپنا فرض انجام دیتے تھے۔ جس صورت میں کہ اعداء نے ضرورتِ تبلیغ کا اظہار کر کے اصحاب کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ آپ کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے بیٹوں کو مسلح کر کے میدانِ جنگ میں بھیجتا ہے اور اس بات کو نہیں جانتا کہ اس کے فرزند زندہ واپس آئیں گے یا نہیں اور اصل یہ ہے کہ تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کے مقابلہ میں ستر انسانی جانوں کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اگر شجرۂ ایمان کے سینچنے کے لئے لاکھوں کروڑوں جانیں بھی درکار

ہوں تو مجال انکار نہیں۔

دوسرا شبہہ

دوسرا شبہہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم حامل وحی اور صاحب کشف والہام تھے۔ پہلے چھ اور بعد میں ستر قاریوں کا ہولناک انجام آپ پر کیوں منکشف نہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ تو آپ پر ہر وقت وحی نازل ہوتی تھی اور نہ ہر وقت ہر چیز کا کشف ہوتا تھا بلکہ جب کبھی خدائے حکیم و برتر چاہتا تھا اپنی حکمت پژوہی کے اقتضا سے کوئی بات آپ پر بذریعۂ وحی والہام ظاہر فرما دیتا تھا۔ چونکہ ان شہیدان راہ حق کی جاں سپاری خدائے علیم کے علم ازلی میں یوں ہی مقدر تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کا حسرت ناک انجام منکشف نہ ہو سکا۔ انجام کار منکشف نہ ہونے کی ایک اور نظیر ملاحظہ ہو۔

قبیلۂ عکل کے چند آدمی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر منافقانہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور مدینہ منورہ میں رہنے لگے۔ لیکن یہاں کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی۔ اس لیے بیمار پڑ گئے۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ شفقت انھیں مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر زکوٰۃ کے اونٹوں میں جا رہیں اور وہاں اونٹنیوں کا دودھ پیتے رہیں۔" وہاں جا کر ان کی صحت بحال ہو گئی۔ جب اچھی طرح مضبوط و توانا ہو گئے تو ایک رات تمام مسلمان چرواہوں کو قتل کر کے زکوٰۃ کے اونٹوں کو ہانک لے گئے صحابہ کرام رض نے ان کا تعاقب کیا اور انھیں اونٹوں سمیت واپس لا کر ان کو قرار واقعی سزا دی گئی۔ (بخاری و مسلم)

شیخ عبدالحق رح مدارج النبوت میں یہ واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں کہ شاید اس موقع پر بعض نادان کہیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کا عندیہ اور کفر کیوں ظاہر نہ ہوا؟ اور آپ نے ان کو مسلمانوں کے بیچ کیوں رہنے دیا۔ اور ان کو کیوں حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں میں جا کر رہیں۔ لیکن ایسا کہنا جاہلوں کی سی بات ہے۔ کیونکہ آنحضرت کو واقعات کی

اطلاع اور انجام کار کا انکشاف وحی اور الہام الٰہی کے ذریعہ سے ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس موقع پر کسی حکمت کی وجہ سے جس کا علم علام الغیوب کے سوا کسی کو نہیں کشفِ احوال نہ ہو سکا۔ (مدارج النبوت جلد ۲ مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۴۳)

عہد شکنی سے مصلح عالم کی بیزاری

اسلام میں ایفائے عہد کو جو اہمیت حاصل ہے اور مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد شکنی سے جس درجہ نفرت تھی۔ اُس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب خدائے قادر قیامت کے دن سب اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا تو ہر دغا باز عہد شکن کا جھنڈا اس کی غداری اور عہد شکنی کے موافق بلند کیا جائے گا اور ندا کی جائے گی کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری اور عہد شکنی ہے۔ (مسلم) اور فرمایا کہ مومن کو اسکے ایمان نے اس امر سے روک دیا ہے کہ وہ دشمن کو غافل پا کر دھوکے سے قتل کرے کوئی مسلمان ایسا نہ کرے (ابوداؤد)

اجتماع لشکر کی ناگواری

سلیم بن عامرؓ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد سلطنت میں مسلمانوں اور رومی عیسائیوں میں معاہدہ تھا۔ اور امیر معاویہؓ نے سرحدی شہروں میں پوری تیاری کر رکھی تھی کہ جب معاہدہ کی مدت ختم ہو گی تو یک بیک رومیوں پر حملہ بول دیں گے حضرت عمرو بن عبسہ صحابیؓ کو اس کا علم ہوا تو وہ امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔۔ اللہ اکبر اللہ اکبر وفا چاہیئے نہ کہ غدر۔ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ بلاد دشمن کی طرف تمہاری ننگ و دو وفا نہیں بلکہ داخل غدر ہے۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس نے کسی قوم سے عہد کر رکھا ہو اُس پر لازم ہے کہ اُس عہد کو نہ توڑے اور اس میں کوئی تغیر نہ کرے اور انقضائے مدت تک اس کا پوری طرح پابند رہے اور اس کے اختتام پر فریق مقابل کو جتلا دے کہ ہم میں اور تم میں جو عہد مصالحت تھا اب وہ باقی نہیں رہا۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے اپنی سرگرمیاں بند کر دیں۔ (ترمذی و ابوداؤد)

ابو رافع رضؓ کو مکہ واپس بھیجنا

اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد قریش مکہ نے جب ابو رافع رضؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجا تو آپ کے جمال مبارک اور راثر کلام نے ان کو اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھایا۔ ابو رافع بارگاہ عالی میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اب میں ان لوگوں کے پاس کبھی واپس نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عہد کو نہیں توڑتا اور ان کے قاصد کو نہیں روکتا۔ تم اس وقت واپس جاؤ۔ اگر دین اسلام کی محبت تمہارے دل میں اسی طرح قائم و برقرار رہی جو موجودہ وقت میں موجزن ہے تو پھر آجانا۔ ابو رافع رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے مراجعت کی اور مکہ سے پھر مدینہ آکر اسلام لایا اور بے دغدغہ مسلمان ہوا۔ (ابوداؤد)

فصل ۱۸-

بد نظری کی عادت

عرب میں مرد و زن کا ایک دوسرے کی طرف نفسانی خواہشات کے تحت دیکھنا عام طور پر رائج تھا اور اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا- چونکہ شہوانی نظر بازی داعی الی الزنا ہے اس لیے مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی ایک قسم کی حرام کاری ہی قرار دیا ہے آپ نے فرمایا کہ زنا کئی قسم کا ہے- آنکھوں کا زنا غیر محرم کی طرف دیکھنا ہے- ایک صحابی عرض پرداز ہوئے یا رسول اللہ اگر پرائی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو اس کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا جھٹ اپنی نظر پھیر لو (مسلم و ابوداؤد) اور فرمایا اگر کسی مسلمان کی نظر بلا قصد کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے اور وہ معاً اپنی نگاہ اُس سے پھیر لے تو حق تعالیٰ اس کے دل میں عبادت کی حلاوت پیدا کر دیگا (احمد)

مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بازی کے علاوہ حرام کاری کے دوسرے دواعی کی بھی ممانعت کی- چنانچہ فرمایا آنکھ کا زنا دیکھنا اور زبان کا زنا (غیر محرم سے شہوانی جذبہ کے تحت) بولنا ہے- نفس خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے (بخاری)

دوسری روایت میں دوسرے جوارح کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے- چنانچہ فرمایا ہاتھ کا زنا پکڑنا- پاؤں کا اس کے لیے چل کے جانا- منہ کا زنا چومنا اور کان کا زنا (ایسی باتیں) سننا ہے (ابوداؤد) اور فرمایا کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور جب عورت خوشبو لگا کر مجلس سے گذرتی ہے تو وہ زانیہ ہے- (ترمذی)

ایک بار پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت ایک دوسرے کو گھور رہے تھے آپ نے مرد کا سر پکڑ کر اس کا چہرہ

دوسری طرف گھما دیا اور فرمایا کہ غیر محرم کو دیکھنا حرام ہے (ابوداؤد) شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ جب عورتوں کو پردہ اور ستر کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی مردوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔ علاوہ ازیں مردوں کی اپنی تہذیبِ نفس کا بھی اسی پر انحصار ہے کہ وہ عورتوں کو نہ گھورتے پھریں اور غضِّ بصر کے فرمانِ خداوندی کے پابند رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پہلی نظر جو بے ساختہ نامحرم پر پڑ جائے وہ تمہارے حق میں ہے یعنی اُس پر مؤاخذہ نہ ہوگا لیکن دوسری نظر کا تم کو کوئی حق حاصل نہیں۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک پہلی نظر کو جاری رکھنا بھی بمنزلہ دوسری مرتبہ نظر کرنے کے ہے (حجۃ البالغہ)

فصل ۱۹

بلا اجازت گھروں میں گھسنے کا رواج

بارگاہ نبوت میں ایک انصاریہ کی عرضداشت

پنجاب کے اکثر دیہات کی طرح جاہلی عرب میں بھی یہ رواج تھا کہ اپنے یا پرائے گھر میں بے اطلاع خاموشی سے گھس جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی ایک انصاریہ خاتون نے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! میں بسا اوقات اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ اس وقت کسی دوسرے کا مجھ کو دیکھنا ناگوار گذرتا ہے۔ اپنا گھر ہی تو ہے کبھی کوئی عضو کھلا ہوتا ہے اور یکایک کوئی آجاتا ہے تو طبیعت پر سخت شاق گذرتا ہے۔" اس پر بلا اجازت گھر میں جانے کی ممانعت میں آیت ۲۴ : ۲۷ نازل ہوئی۔

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ اے مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو۔ جب تک گھر والوں سے اجازت حاصل نہ کر لو اور (اجازت لینے سے پہلے) گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کا خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو (مختارِ اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے اور (اگر کوئی موجود ہو اور اجازت لینے کے وقت تم سے کہا جائے کہ اس وقت موقع نہیں اس لیے لوٹ جاؤ تو (بلا تامل) لوٹ آؤ۔ یہ (مراجعت) تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کی موجب ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے"

مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا کہ اول سلام کر کے گھر والوں سے پوچھو کہ ہم آجائیں۔ اور ویسے ہی اجازت لیے بغیر مت گھس جاؤ۔ یہ اجازت طلبی مردانہ اور زنانہ

سب گھروں کے لیے ہے اور استیذان واجب اور تقدیم سلام سنت ہے اور ہر چند کہ آیت میں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔"

تین مرتبہ استیذان کا فرمانِ نبوی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بے اطلاع گھر میں گھسنے کی ہمیشہ ممانعت فرمایا کرتے تھے کیونکہ بعض اوقات گھر کا مکین برہنہ یا کسی ایسی حالت میں ہوتا ہے جس میں دوسروں کا سامنا اس کو ناگوار ہوتا ہے۔ گو کوئی چپ چاپ بے اطلاع جا پہنچے تو شرما جاتا ہے اور زنانہ مکان ہو تو مستورات کا سامنا ہو جاتا ہے جو غیور طبائع پر سخت شاق گذرتا ہے اس لیے جب کبھی اپنے یا پرائے مردانہ یا زنانہ مکان میں جانے کا قصد ہو تو باہر دروازے کے ایک طرف کھڑے ہو کر اجازت لینی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں سے اجازت مانگنی چاہیئے۔ اگر پہلی اور دوسری دفعہ جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ استیذان کریں۔ اگر اس مرتبہ بھی جواب نہ آئے تو واپس آجانا چاہیئے۔ (مسلم)

ماں سے اِذن لینے کی ضرورت

استیذان کے لیے خویش و بیگانہ کی کوئی تفریق نہیں۔ ہر ایک سے اجازت لینا لازم و لابدّ ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اپنے گھر میں جاتے وقت اپنی ماں سے بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ فرمایا ہاں ضرورت ہے۔ انھوں نے گذارش کی یا رسول اللہ! گھر میں صرف میں اور وہ رہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اذن لے کر گھر جاؤ۔ صحابی مذکور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میں تو ماں کی خدمت کرتا ہوں۔ فرمایا پھر بھی بے اجازت مت جاؤ اور فرمایا کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ کبھی ماں کو برہنہ دیکھو۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا تو ایسی حالت میں اذن لے کر جایا کرو۔ (موطائے امام مالکؒ)

اِذن ملنے سے بیشتر پردہ ہٹا کر جھانکنا

الغرض کتنا ہی عزیز یگانہ یا بے تکلف دوست کیوں نہ ہو اطلاع کئے اور اذن لیے بغیر کسی کے پاس اچانک نہ پہنچ جانا چاہیئے۔ حضور کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے تھے۔ اگر اجازت نہ ملتی تو آپ لوٹ آتے تھے۔ آپ نے بھی یہ فرمایا کہ جس کسی نے اجازت ملنے سے بیشتر کسی کے دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر نظر کی اور گھر کی کسی مخفی چیز کو دیکھ لیا تو اُس نے ایسا کام کیا جو اس کے لیے حلال نہ تھا۔ اور اگر کسی نے اس طرح جھانکنے والے کی آنکھیں پھوڑ دیں تو میں اس فعل کو پسند کرونگا۔ اور اگر کوئی کسی ایسے دروازے پر سے گذرا جس پر پردہ نہیں اور وہ دروازہ بند بھی نہیں اور گھر والوں پر نظر پڑ گئی تو اس کی کچھ خطا نہیں بلکہ خطا گھر والوں کی ہے کہ انھوں نے پردہ کیوں نہ ڈالا اور دروازہ کیوں نہ بھیڑا (ترمذی)

دریافت کرنے پر "میں ہوں" کہنا مہمل جواب ہے

پکارنے یا داخلۂ مکان کی اجازت طلبی پر اگر گھر والے پوچھیں کہ کون ہو؟ تو اِذن چاہنے والے کو ہمیشہ اپنا نام بتانا چاہیئے۔ دریافت کرنے پر جواب دینا کہ "میں ہوں" سخت مہمل جواب ہے۔ حضرت جابر انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے اس غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانِ مبارک میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی کہ اپنے والد کے قرض کی نسبت آپ سے گفتگو کروں جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں ہوں۔" آپ نے فرمایا کہ میں تو میں بھی ہوں۔ گویا آپ نے (نام بتانے کی جگہ) "میں ہوں" کہنے کو ناپسند فرمایا۔

استیذان کا طریقہ

داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ علیہم الرضوان کو معاشرتی آداب سکھائے ان میں استیذان یعنی اجازت مانگنے کا طریقہ یہ بتلایا کہ جانے والا پہلے دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو کر السلام علیکم کہے۔ ایک دن آپ اپنے کسی خانۂ اقدس میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آکر کہنے لگے کہ اندر آجاؤں؟ آپ نے اپنے خادم حضرت اَنس رضؓ

سے فرمایا کہ باہر نکل کر ان کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ اور بتاؤ کہ وہ السلام علیکم کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب کریں۔ چنانچہ انھوں نے سلام کرنے کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دی۔ بعض لوگ اس معاشرتی طریقہ کا مقصد نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے ایک شخص کو جو بالکل دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا فرمایا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس طریقہ کے قائم کرنے کا مقصد وحید یہ ہے کہ آنے والے کی نگاہ کسی ایسی چیز پر نہ پڑ جائے۔ جس کا اظہار گھر والوں کو ناگوار ہو (ابوداؤد)

پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کے استیذان کا طریقہ یہ تھا کہ آپ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ دروازے کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اُس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ ہوا تھا۔ اگر گھر والے جواب نہ دیتے تو آپ بلا پس وپیش پلٹ آتے۔

سعد بن عُبادہ سے آنحضرت کا استیذان

ایک دفعہ آپ حضرت سعدؓ بن عُبادہ رئیس خزرج کے مکان پر تشریف لے گئے اور باہر کھڑے ہو کر طلب اذان کے لیے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا حضرت سعدؓ نے سلام کا جواب اتنا آہستہ دیا کہ آپ سن نہ سکے۔ ان کے فرزند حضرت قیس بن سعدؓ کہنے لگے ابا آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ وہ بولے بیٹا ذرا خاموش رہو۔ رسولِ خدا ہم پہ بار بار سلام کریں گے تو ہمارے لیے بابرکت ہوگا۔ حضور نے قدرے توقف فرما کر پھر السلام علیکم کہا۔ حضرت سعدؓ نے پھر بھی آہستہ سے سلام کا جواب دیا کہ آپ سن نہ سکے۔ حضور نے کسی قدر انتظار کے بعد تیسری مرتبہ آنے کی اجازت چاہی مگر جب کوئی جواب نہ آیا تو آپ واپس چلے۔ حضرت سعدؓ نے آپ کو مراجعت فرماتے ہوئے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی یا رسول اللہ! تشریف لے چلیے۔ میں آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا تاکہ آپ بار بار سلام فرمائیں اور ہمارے لیے خیر و

برکت کا موجب ہو۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

اس واقعہ میں امت کے لیے اچھا سبق ہے۔ ہم کسی کے مکان پر جائیں اور گھر والے کوئی جواب نہ دیں تو ہم اس میں اپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن آپ نے عدم اجابت پر کچھ بھی ناگواری محسوس فرمائی اور اس کو کسی عذر پر محمول کر کے آپ نے لوٹ آنے کا قصد فرمایا۔

استیذان کے مختلف طریقے

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ لوگوں کے طبقات مختلف ہیں اس لیے استیذان کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ مثلاً ایک اجنبی شخص کو جس کے صاحبِ خانہ کے ساتھ کوئی خاص مراسم یا دوستانہ تعلقات نہیں۔ اُس وقت تک اس کے گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیئے جب تک صریحاً اجازت طلب نہ کرے اور صاحبِ خانہ صریح الفاظ میں اس کو اجازت نہ دے۔ دوسری صورت اُن اشخاص کی ہے جن سے بڑا میل جول اور بے تکلفی ہو۔ ان کے استیذان میں ویسا تشدد نہیں۔ جیسا پہلی صورت میں تھا۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب میری بات چیت کی آواز سنو اور تمہارے طلب اذن پر میں نے امتناع بھی نہ کیا ہو تو یہ تمہارے لیے بمنزلہ اجازت کے ہے۔

تیسری قسم اُن خورد سال بچوں پر مشتمل ہے جن سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ ان کو بجز چند مخصوص اوقات کے جن میں آدمی عام طور پر کپڑے اُتار دیتا ہے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔

فصل ۔۲۰۔

بے آئینی اور نظام حکومت کے فقدان پر قناعت

مدینۃ الرسول کا شرف و امتیاز

عرب میں مدینۃ الرسول کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ چالیس سال تک نبوت اور خلافت راشدہ کے مرکز و مستقر کی حیثیت سے سارے عرب کا دارالحکومت رہا۔ بلاد عربیہ میں کسی دوسرے شہر کو کبھی یہ شرف حاصل نہ ہو سکا کیونکہ اس سے پہلے سارا ملک کبھی ایک پرچم کے نیچے جمع نہیں ہوا تھا۔

بعثت نبوی سے پہلے عرب کے اکثر حصوں کے سیاسی اختیارات تو قبائلی سرداروں کے ہاتھ میں ہوتے تھے اور دوسرے علاقے غیر ملکی استعمار کے پنجہ میں گرفتار رہتے تھے۔ محکوم عربوں کو آزادی اور عربی سلطنت کے قیام کا کبھی احساس تک نہ ہوا تھا اور وہاں کے باشندے اپنی بے آئینی اور نظام حکومت کے فقدان پر ہمیشہ قانع رہے اور یہ صرف پیغمبر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طفیل ہے کہ اہل عرب بھی حکومت خود اختیاری سے بہرہ مند ہوئے اور انھیں نہ صرف شاہد آزادی سے ہمکنار ہونے کی سرفرازی نصیب ہوئی بلکہ آئندہ چل کر وہ کشور کشا اور فاتح اور سلطنتوں کے بانی کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔

ایام بعثت میں عرب کی سیاست ملکی

بعثت نبوی کے ایام میں عرب کے سب سے زرخیز خطہ یمن پر ایرانیوں کی حکومت تھی۔ مدینہ منورہ بھی جسے ہجرت نبوی سے پہلے یثرب کہتے تھے یمن کے زیر فرمان ہونے کے باعث بالواسطہ ایران کا محکوم تھا۔ عراق عرب بھی حدود نجد تک ایران کے زیر اقتدار چلا آتا تھا۔ شمال میں نہ صرف عقبہ و معان بلکہ تبوک تک کی سرزمین رومی

عیسائیوں کی زیر اثر تھی۔ حوران میں غسّانی عیسائیوں کی حکومت تھی جو رومیوں کے باجگزار تھے۔ جیرہ و انبار میں لخمی حکمران برسرِ اقتدار تھے جنھوں نے شاہ ایران کو اپنا آقا تسلیم کرلیا تھا۔ اور گو مکّہ معظمہ مع نواح اور نجد کی سرزمین اب تک خارجی مداخلت سے محفوظ تھی تاہم کھٹکا لگا ہوا تھا کہ یہاں بھی کوئی اجنبی حکومت آکر عنانِ اقتدار ہاتھ میں نہ لے لے بلکہ اسکے اسباب و ذرائع پیدا ہو چلے تھے۔

حکومت الٰہی کی تاسیس

ہجرت نبوی کے بعد اطراف و جوانب کے سب مسلمان ترکِ وطن کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے اور اس طرح اسلامی جمعیت بڑھتی گئی۔ جنگ بدر کے بعد حکومت الٰہی کی تاسیس ہوئی۔ آپ کو مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں کامل طور پر حاکمانہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ چند سال کے بعد مکہ معظمہ فتح ہوا اور قبائل کے قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں سوا لاکھ کلمہ گو آپ کے ہم رکاب مکہ معظمہ پہنچے ہوئے تھے۔ اس وقت یمن، تہامہ، نجد اور بعض نواحِ شام آپ کے دستِ تصرف میں تھے۔ ان مقامات اور شہروں میں آپ کے عامل متعین تھے جو مسلمانوں سے زکوٰۃ اور غیر مسلموں سے جزیہ وصول کر کر کے خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتے تھے اور آپ کی حیاتِ باسعادت میں مدینہ طیبہ ایک دار السلطنت کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

رسالت پر بادشاہت کا گمان

اسی بنا پر اہل یورپ نے آپ کی رسالت کو بادشاہت اور سلطنت خیال کیا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں تو آپ واقعی پیغمبر تھے لیکن مدینہ جاکر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں آپ بذاتِ خود اور آپ کی ازواج مطہرات مسجد کے حجروں میں قیام فرما تھیں۔ عرب کے خزانے آپ کے دستِ تصرف میں تھے اور آپ سیم و زر لوگوں میں بانٹتے رہتے تھے لیکن آپ کے اپنے گھروں میں فاقے پر فاقے گزرتے تھے۔ آپ کے خادم حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (آپ کے کھانے کے لیے جو کی روٹی اور گھٹیا قسم کی چربی لے گیا اور آپ نے مدینہ منورہ کے ایک یہودی کے

پاس اپنی زرہ گروی رکھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے کچھ جو لیے۔ اور میں نے ایک شام آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ محمد کے اہل و عیال کے پاس نہ گیہوں کا ایک صاع ہے اور نہ کسی اور اناج کا اور اس وقت حرم نبوت میں نو بیویاں تھیں (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے فرمایا کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما رہے آپ نے یا آپ کے اہل بیت نے متواتر دو دن بھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ ہم ایک چاند دیکھتے تھے پھر دوسرا چاند دیکھتے تھے۔ پھر ہمیں تیسرا چاند دکھائی دیتا تھا اور اس مدت میں ہمارے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ راوی نے پوچھا ام المومنین! پھر غذا کا کیا انتظام تھا؟ فرمایا کھجور کے چند دانے کھا کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے (ترمذی) ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رض آستان نبوت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس پر کوئی بچھونا نہ تھا اور یہ چٹائی آپ کے جسم اطہر پر منقش ہو گئی تھی۔ اور آپ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا۔ جس میں پوست خرما بھرا ہوا تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

جامع صفات نبوت

اصل یہ ہے کہ نبوت و رسالت مختلف زمانوں میں مختلف حیثیت اختیار کرتی رہی ہے۔ کبھی تو انبیاء بصورت بادشاہ و خلیفہ ظہور فرما ہوتے تھے اور کبھی بصورت سبر و عالم مبعوث ہوتے تھے اور کبھی صورت زاہد و مرشد تشریف لاتے تھے۔ جس طرح پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام انبیاء پر فضیلت و برتری بخشی گئی۔ اسی طرح آپکی شریعت بھی تمام شرائع سابقہ سے اعلےٰ و برتر ہے۔ ظاہر ہے کہ جب افضل شریعت افضل نبی پر نازل ہو تو اس کی صورت بھی ان تمام صورتوں کی جامع ہو گی جو کبھی رسالت و نبوت کے ضمن میں پائی گئیں۔

پس خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، بادشاہت، معلمیت اور زاہدیت تینوں صفات کی جامع تھی۔ آپ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی طرح تو بادشاہ نبی

تھے۔ اور زکریا علیہ السلام کی طرح بصورت عالم نبی اور حضرات یونس، یحییٰ اور عیسےٰ علیہم السلام کی طرح نبوت کے ساتھ کامل درجہ کے عابد وزاہد نبی بھی تھے۔

روم، ایران اور دوسرے ممالک کی تسخیر

گو حکومت و خلافت لازمۂ نبوت نہیں لیکن اگر دعوت حق کی آواز کو دبایا جاتا تو خدا کے پیغمبر مزاحم قوتوں کو مغلوب کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کا حق ادا کرتے اور اپنی مقہور قوم کو فراعنۂ وقت کی غلامی سے نجات دلاتے تاریخ عالم کے ناقابل انکار واقعات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ دنیا کے کسی فرزند وطن نے اپنی درماندہ ومحکوم قوم کو اتنا سربلند نہیں کیا جس قدر کہ سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربوں کی سی پست و درماندہ قوم کو برسر حکومت کر کے سرفرازی بخشی۔ آپ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو ایسی تعلیم وتربیت سے نوازا کہ وہ آئندہ چل کر عربی بادشاہت کے نظم ونسق کو باسلوب احسن چلا سکیں۔

یہ بادشاہت بیس، بائیس سال کی مختصر مدت میں مدینہ کے چھوٹے سے قصبہ سے نکل کر روم، ایران اور دوسری مملکتوں پر ایشیا، افریقہ اور یورپ تین براعظموں میں چھا گئی۔ ۲۷ھ (۶۴۷ء) میں جبکہ مدینہ طیبہ میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت تھے عساکر خلافت ہسپانیہ میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ فوجیں چند نسلوں کے بعد طارق کی تکمیل فتح تک وہیں مقیم اور قابض تھیں۔

فصل ۲۱-

بے حجابی نسواں

عرب میں کوئی عورت پرائے مردوں سے پردہ نہیں کرتی تھی۔ عورتیں زیب و زینت کر کے آزادانہ پھرتی تھیں اور یہ آزادی فسق و فجور میں ترقی کا باعث تھی۔ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرابی کا بھی تدارک فرمایا۔

ایک بار آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ قبیلۂ مُزینہ کی ایک عورت زیب و زینت کئے ہوئے بڑے ناز و نخرے کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئی۔ آپ کو سخت ناگوار ہوا۔ اور آپ نے فرمایا لوگو! اپنی عورتوں کو زیب و زینت کا لباس پہن کر مسجدوں میں آنے سے روک دو۔ بنی اسرائیل پر اُس وقت تک خدا کا عذاب نازل نہیں ہوا جب تک انکی عورتوں نے بناؤ سنگار کر کے مسجدوں میں آنا شروع نہ کیا۔ (ابن ماجہ)

۵ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے طرز بود و ماند میں اصلاحات کا نفاذ فرمایا۔ اب تک مسلم خواتین بھی جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق کھلے بندوں پھرتی تھیں اب حکم ہوا کہ خواتین گھروں سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں جس سے چہرہ بھی چھپ جایا کرے۔ آنچل سینے پر ڈال کر چلیں۔ پاؤں میں کوئی زیور ہو تو کوشش کریں کہ اس کی آواز نہ پیدا ہو۔ پردے کی اوٹ سے بولیں۔ گفتگو میں کسی قسم کے تصنّع اور بناوٹ کو دخل نہ دیں۔ امہات المومنین اور بنات طاہرات کو چہرہ کھول کر پرائے مردوں کے سامنے آنے کی قطعی ممانعت فرمائی گئی۔ یہاں تک کہ اندھوں سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

ایک مرتبہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اُمّ المومنین حضرت میمونہ اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ

سلمہ رضی اللہ عنہا بیت اقدس میں موجود تھیں۔ آپ نے دونوں سے فرمایا کہ پردے میں ہو جاؤ۔ حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں جو ہم کو نہیں دیکھ سکتے آپ نے فرمایا کہ یہ تو نابینا ہیں لیکن تم تو اندھی نہیں ہو۔ تم دونوں دیکھ رہی ہو (احمد، ترمذی، ابوداؤد) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عورت مستور ہے (یعنی اُسے مستور و مخفی رہنا چاہئے) لیکن جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے لوگوں کی نظروں میں مرغوب کر کے دکھاتا ہے (ترمذی)

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مردوں اور عورتوں کا مل کر چلنا سخت ناگوار تھا۔ عہد نبوی میں مدینہ منورہ کے اندر خواتین بھی آپ کے پیچھے نماز ادا کرتی تھیں صفوں کی ترتیب یہ تھی کہ آگے مردوں کی صفیں ہوتی تھیں۔ پھر لڑکوں کی اور پھر عورتوں کی۔ جب آپ نماز کا سلام پھیرتے تو پہلے خواتین اُٹھ کر گھروں کو چلی جاتیں۔ پھر لڑکے جاتے پھر مرد نکلتے۔ ایک مرتبہ حسب معمول سب سے پہلے عورتیں نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے نکلیں۔ لیکن راستے میں کچھ عورتیں اور کچھ مرد ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ آپ نے دیکھا تو عورتوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ پیچھے ہٹو۔ تمہارے بیچ وسط راہ سے چلنا ہرگز مناسب نہیں تم کو گذرگاہ کے دونوں کناروں پر چلنا چاہئے۔ اسکے بعد یہ حالت ہو گئی کہ خواتین اور لڑکیاں بالکل دیواروں سے لگ کر چلنے لگیں۔ (ابوداؤد)

صحابیات کا برقعہ اوڑھ کر یا پس پردہ آنحضرت ﷺ سے ہمکلام ہونا۔

عہد حاضر میں مُریدنیاں نام نہاد پیرانِ طریقت کے سامنے بے حجاب اور کھلے بندوں حاضر رہتی ہیں لیکن اسلام نے اس بے غیرتی کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ صفحۂ دہر پر نہ تو کبھی ایسی ہستی عرصۂ شہود میں آئی جو تقویٰ و طہارت اور عصمت و عفت میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر سکے اور نہ کسی طبقہ، کسی ملک اور کسی زمانہ کی خواتین تقویٰ و طہارت میں کبھی اس عظمت و تقدس کی مالک ہوئیں۔ جس سے حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات ممتاز تھیں۔ باوجود اس کے آیتِ حجاب نازل ہونے کے بعد آستان مبارک کی حاضری کے وقت یا تو صحابیات کے چہروں پر نقاب پڑی رہتی تھی یا پس پردہ رہ کر آپ سے ہم کلام ہوتی تھیں۔ بے حجابانہ آپکے سامنے نہ آتی تھیں۔

ایک انصاری خاتون اُمّ خلادؓ چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اپنے فرزند کے حالات دریافت کرنے لگیں جو آپ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک ہو کر وہیں شہید ہو گیا تھا۔ حاضرین مجلس میں سے کوئی صاحب کہنے لگے کہ تمہارا بیٹا قتل ہو گیا ہے تعجب ہے کہ ایسی مصیبت کے وقت بھی تمہیں نقاب اور پردہ پوشی سوجھی ہے؟ ام خلادؓ نے فرمایا کہ اگر میں اپنا بیٹا کھو چکی ہوں تو کیا اب شرم حیا سے بھی عاری ہو جاؤں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے فرزند کو دوہرا ثواب ملے گا کیونکہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے (ابوداؤد)

عورتوں کے لیے مسنون ہے کہ ہاتھوں پر مہندی لگائیں اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں تو کم از کم ہاتھوں کے ناخنوں کو تو مہندی سے سُرخ کر لیں تاکہ نسوانی ہاتھ مردانہ پنجے سے ممیز ہو جائے۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک عورت نے جس کے ہاتھ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا خط تھا پس پردہ سے اشارہ کیا۔ لیکن آپ نے اُس کے ہاتھ سے وہ خط نہ لیا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ ہاتھ کسی مرد کا ہے یا عورت کا۔ اُس عورت نے کہا یہ زنانہ ہاتھ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم عورت ہو تو تمہیں چاہیئے تھا کہ اپنے ناخن مہندی کے ساتھ متغیر کر لیتیں۔ (ابوداؤد و نسائی)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین اسلام سے مواجہہ نہیں ہوتا تھا۔

ایک انصاری جوان کا جذبۂ غیرت

صحابہ کرام علیہم الرضوان پردۂ نسواں کو اس درجہ اہم و ضروری خیال کرتے تھے اور اس سختی سے اس کے پابند تھے کہ وہ لبعض اوقات بیوی کو بے پردہ دیکھ کر شدت غیرت میں اس کے قتل پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ غزوۂ خندق کے ایام میں ایک انصاری نوجوان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اور وہ ہر روز دوپہر کے وقت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر چلا جاتا تھا۔ ایک دن جو اس نے گھر جانے کا اذن مانگا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنا ہتھیار اپنے ساتھ رکھا کرو۔ کیونکہ مجھے

تمھارے حق میں بنو قریظہ کی طرف سے خدشہ ہے۔ (بنو قریظہ ایک یہودی قبیلہ تھا۔ جس نے مسلمانوں سے معاہدۂ امن کر رکھا تھا۔ لیکن غزوۂ خندق میں غداری کر کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

اس نوجوان نے ہتھیار لے لیے اور گھر کو چلا۔ لیکن گھر پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ اسکی بیوی گھر سے باہر دونوں دروازوں کے درمیان کھڑی ہے۔ نوجوان بیوی کو گھر کے باہر بے پردہ دیکھ کر شدت غیرت سے بدحواس ہو گیا اور چاہا کہ نیزہ مار کر اس کو ہلاک کر دے۔ بیوی نے کہا خدا کے لیے اپنے نیزے کو روک لو اور پہلے اندر جا کر دیکھ لو کہ میں باہر نکلنے پر کیوں مجبور ہوئی؟ نوجوان اندر گیا اور دیکھا کہ ایک بڑا سانپ کنڈلی مارے بچھونے پر بیٹھا ہے۔ نوجوان سانپ کی طرف بڑھا اور اس کو نیزے سے پرو کر اندر سے نکالا اور اس نیزے کو گھر کے صحن میں گاڑ دیا۔ سانپ نے نیزے کی طرف اُچھل کر نوجوان کو ڈس لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ معلوم نہیں دونوں میں سے کس نے جان توڑنے میں سبقت کی۔ انصاری نوجوان پہلے طعمۂ اجل بنا یا سانپ پہلے مرا۔

پردۂ نسواں کی اہمیت

شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں رقم فرما ہیں کہ مرد اور عورت کا ایک دوسرے کو آزادانہ دیکھنا ان کے شہوانی جذبات میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ بسا اوقات حرامکاری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے اس مفسدہ کا سدِّ باب نہایت ضروری تھا۔ چونکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور اس کو اس قسم کی مختلف ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ جن کے باعث مردوں اور عورتوں کا میل جول ناگزیر ہے اس لیے شارع علیہ السلام نے دفع مفاسد کے لیے مختلف تدبیریں شروع فرمائیں۔

جن میں سے پہلی تعلیم یہ تھی کہ کوئی عورت اشد ضرورت کے بغیر اپنے گھر سے نہ نکلے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ (اپنے گھروں میں قرار پکڑو یعنی بلا ضرورت باہر نہ نکلو) اور اگر بضرورت نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ چھپا لیا کریں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ　　اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (احزاب آیت ۵۹) سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں۔

اور امہات المومنین کے بارہ میں حکم ہوا کہ اگر ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ (۳۳:۵۳) یعنی بے ضرورت تو پردے کے پاس جانا اور بات کرنا بھی نہ چاہئے۔ البتہ ضرورت کے وقت کلام کا مضائقہ نہیں مگر رؤیت نہ ہو۔

آپ کی ایک تعلیم یہ تھی کہ (محارم کے سوا) کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے بجز اس صورت کے کہ ان کے ساتھ کوئی تیسرا شخص ہو جس کا اُن پر رعب ہو۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں بیٹھتا ہے تو شیطان ان میں تیسرا ہوتا ہے اور فرمایا کہ جن خواتین کے شوہر سفر میں ہوں ان کے پاس مت جایا کرو کیونکہ شیطان آدمی کے اندر اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

نسوانی چہرہ کے ستر میں نہ داخل ہونے کی کٹ حجتی

بعض لوگ یہ جھگڑا ڈالا کرتے ہیں کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں اور اس کے چھپانے کا قرآن یا حدیث میں کوئی حکم نہیں۔" ہر چند کہ پردہ نسواں کے موضوع پر ان سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے انصاف پسند جویائے حق کے لیے اس میں کافی سے زیادہ بصیرت ہے تاہم قارئین کرام کے مزید اطمینان کے لیے سورۂ نور کی اکتیسویں آیت پیش کی جاتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

اے پیغمبر! آپ مسلمان عورتوں سے کہئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے تو اس کے ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں) اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا گھر کے پلے ہوئے ایسے خادموں پر جو عورتوں سے کچھ غرض و مطلب

نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا ضعیف القوٰی بڈھے) یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ہنوز آگاہ نہیں اور (چلنے میں) اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) ان کے مخفی زیور معلوم ہوجائیں۔“

عرب کی عورتیں چادر اوڑھتے وقت اس کا ایک پلّہ دوسری طرف کو پس پشت لٹکا لیا کرتی تھیں اور گریبان بڑے بڑے ہونے کے باعث تمام سینہ اور اس کے اردگرد کا حصہ کھلا رہتا تھا۔ اس کی ممانعت میں متذکرہ صدر آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ چادر آگے کو لٹکائیں۔ اور بُکّل گریبان پر ماریں تاکہ سینہ بھی چھپ جائے اور زیورات اور زینت کے مقامات پنڈلی بازو، گردن، سر، سینہ، کان ظاہر نہ ہونے دیں۔ البتہ بدن کا جو حصہ عادۃً یا بدونا چارہ کھلا رہتا ہے یعنی چہرے کی ٹکیا اور ہتھیلیاں اور پاؤں کے پنجے جو عموماً کاروبار میں بمجبوری کھلے رہتے ہیں۔ ان کا چھپانا فرض نہیں۔ البتہ جہاں مظنۂ فتنہ اور ارتکاب معصیت کا اندیشہ ہو وہاں چہرے کا چھپانا بھی واجب ہے۔ خصوصاً فتنہ و فساد کے موجودہ دور میں مطلقاً بلا استثناء مرد اور عورت دونوں کو غضِ بصر کا حکم ہے خواتین کے لیے ہر عضو کا اور بالخصوص چہرے کا جو تمام حسن و جمال کا مدار اور فریفتگی کا مبدأ و محل ہے لازمی امر ہے۔ علاج وغیرہ کی ضرورت سے طبیب کو دکھانا مستثنیٰ ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں کہ زینت سے مراد زیور اور ان کے مواقع سے مراد، ہاتھ، پنڈلی، بازو، گردن، سر، سینہ اور کان ہیں یعنی ان سب مواقع کو سب سے چھپائے رکھیں۔ بلحاظ دو استثناؤں کے جو آگے مذکور ہیں اور ظاہر ہے کہ جب ان مواقع کو اجانب سے پوشیدہ رکھنا واجب ہے جن کا محارم کے سامنے ظاہر کرنا جائز ہے تو اور مواقع و اعضاء جیسے پشت و شکم وغیرہ جن کا کھولنا محارم کے روبرو بھی جائز نہیں ان کا پوشیدہ رکھنا بدلالۃ النص واجب ہوا۔ حاصل یہ کہ سر سے پاؤں تک اپنا تمام بدن پوشیدہ رکھیں۔

بوڑھی عورتوں کا چہرہ چھپانا افضل ہے

مکرر معلوم ہوا کہ سورۂ نور کی اکتیسویں آیت میں چہرہ کے داخل ستر نہ ہونے کا جو تذکرہ ہے اُس کا مطلب محض یہ ہے کہ چہرہ بالذات ستر نہیں۔ نہ یہ کہ عورتیں کھلی مہار اپنا جمال پرائے مردوں کو دکھاتی پھریں۔ کیونکہ فتنہ کے احتمال سے چہرہ چھپانا واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ جہاں فتنہ کا احتمال

نہ ہو مثلاً بڑی بوڑھی عورتیں جو مردوں کے لیے اصلاً محلِ رغبت نہیں رہتیں ان کو اجازت ہے کہ اپنے زائد کپڑے جن سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے اُتار رکھیں بشرطیکہ مواقعِ زینت کا اظہار نہ کریں جن کا ظاہر کرنا نا محرم کے روبرو بالکل ہی ناجائز ہے۔ بخلاف جوان عورت کے کہ بوجہ احتمالِ فتنہ اس کو چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی ضروری ہے اور ہرچند کہ بڑی بوڑھی عورتیں چہرہ کھولنے کی مجاز ہیں اگر وہ اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ زیبِ رقم فرمایا ہے۔ جو حضرات تفصیل کے طالب ہوں وہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل ۲۲

بے حیائی

عازم حج نہ ہونے کا سبب امکانی

صفحاتِ گذشتہ پر لکھا گیا تھا کہ قریش کے سوا تمام عرب ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ۹ھ میں حج فرض ہوا۔ اس سے پیشتر مکہ فتح ہو چکا تھا تاہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کے لیے تشریف نہ لائے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے۔ اور حدیثوں میں ہے کہ آپ کنواری پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ ایسی حالت میں اس بے حیائی کا منظر برائی العین دیکھنا آپ کو کہاں گوارا تھا؟ اس لیے آپ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو ایام حج میں مکہ معظمہ روانہ فرمایا کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ کوئی شخص عریاں ہو کر طواف کعبہ کا مجاز نہ ہوگا۔ (مسلم)

عُریاں غسل کرنے کی ناگواری

اہل عرب بیت الخلا جاتے وقت اور پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرتے تھے (ابوداؤد) یہودی جو منہبی آدمی ہونے میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے برسرِعام برہنہ غسل کرتے تھے اور اس حالت میں لوگ بے تکلف ان کو دیکھتے تھے (بخاری) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ستر ہونے کی سختی سے ممانعت کی اور فرمایا خبردار آئندہ جو کوئی غسل کرے اس پر لازم ہے کہ تستّر اور پردہ داری کے ساتھ غسل کیا کرے (ابوداؤد) ایک بار حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بے ستری کی حالت میں نہاتے ہوئے دیکھا تو منبر پر چڑھ کے فرمایا کہ خداوند عالم باحیا اور پردہ پوش ہے حیا اور پردہ داری کو پسند کرتا ہے۔ تو تم میں سے جب کوئی نہانا چاہے تو پردہ کر لیا کرے (نسائی)

نذیر عُریاں

عربوں میں یہ دستور بھی بتایا جاتا ہے کہ جب کوئی دشمن اُن پر حملہ آور ہونا تھا تو جو قاصد

اُس حملہ کی خبر لے کر آتا تھا وہ بالکل برہنہ ہوتا تھا اور اس نے اپنا تہبند سر سے لپیٹا ہوتا تھا اس قسم کے قاصد کو "نذیرِ عُریان" یعنی برہنہ ڈرانے والا کہتے تھے۔ ان کی اس ابتر حالت سے قبائل میں رزم و پیکار کا سخت جوش پھیل جاتا تھا۔ حسبِ بیان بعض علماء ایک حدیث میں بھی اس رسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری (کتاب الاعتصام) میں آپ نے فرمایا کہ میری اور میرے دین کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی قوم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے دشمن کے لشکر کو بچشم خود دیکھا ہے اور میں نذیرِ عُریاں (ننگا ڈرانے والا) ہوں۔

زندہ اور مُردہ کی ران دیکھنے کی ممانعت

گھٹنے سے لے کر ناف تک مرد کا ستر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ناف بھی ستر میں داخل ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خارج ہے۔ اس مقام کے کسی حصے کا دوسرے کے سامنے کھولنا یا کسی دوسرے شخص کے اس مقام کا دیکھنا جائز نہیں۔ آپ نے جرہد اسلمیؓ سے جو اہلِ صُفّہ میں تھے فرمایا تھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ران ستر ہے (ترمذی و ابوداؤد) آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا اے علیؓ! نہ تو (دوسرے کے سامنے) اپنی ران کھولو اور نہ زندہ یا میّت کی ران کی طرف دیکھو (ابوداؤد و ابن ماجہ) آپ نے معمر صحابیؓ سے فرمایا اے معمر! اپنی رانوں کو ڈھانک لو۔ کیونکہ رانیں ستر ہیں (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ) زندہ تو زندہ مردہ کو بھی برہنہ دیکھنے کی آپ نے ممانعت کی چنانچہ فرمایا کہ اپنی ران ہرگز نہ کھولو اور نہ زندہ کی ران دیکھو نہ مردہ کی۔ (ابوداؤد)

امام ابن جوزیؒ اپنے شہر بغداد کے عوام کی نسبت لکھتے ہیں:۔ ان لوگوں کی ایک عادت یہ ہے کہ حمام میں تہبند کے بغیر داخل ہوتے ہیں اور بعض تہبند باندھ کے داخل ہوتے ہیں لیکن تہبند کو سمیٹ کر اس طرح اوپر چڑھا لیتے ہیں کہ شرمگاہیں کھل جاتی ہیں۔ اسی حالت میں بدن ملنے والے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ شرمگاہ کا کچھ حصہ دیکھتا ہے جو گھٹنوں سے ناف تک ہے۔ پھر خود وہ شخص دوسرے لوگوں کی شرمگاہیں دیکھتا ہے اور نہ باہم نگاہ نیچی کرتے ہیں اور نہ اس پر انکار کرتے ہیں۔

عورت بیٹی کو بھی عُریاں دیکھنے کی مجاز نہیں

نہ تو کوئی مرد کسی دوسرے شخص کی ناف سے گھٹنوں تک دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ کسی عورت کا جسم ناف سے لے کر گھٹنوں تک دیکھے۔ چنانچہ حسبِ روایت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ کوئی مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھے اور نہ مرد کسی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں برہنہ جمع ہو اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں ننگی ہو کر جمع ہو (مسلم)

کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنی ماں یا بہن یا بیٹی کا جسم گھٹنے سے ناف تک دیکھے ہاں اگر خورد سال بچی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن جب لڑکی سات سال کی ہو جائے تو اس سے عورتوں کو اور اسکو دوسری عورتوں سے پردہ کرنا لازم ہے۔

بلا مجبوری ننگا ہونا لعنت کا کام ہے

اسلام نے کسی دوسرے کے سامنے ننگا ہونا یا کسی برہنہ شخص کی طرف دیکھنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ (دوسرے کا ستر دیکھنے والا اور وہ جس کے ستر کی طرف دیکھا گیا ہو دونوں پر اللہ نے لعنت کی ہے) لیکن یہ وعید قصداً دیکھنے یا دکھانے والے کے متعلق ہے۔ اگر بلا قصد اچانک نظر پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ نظر فوراً ہٹا لی جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے خواہر زادے مسور بن مخرمہؓ کا بیان ہے کہ میں ایک بھاری پتھر اُٹھا کر جا رہا تھا۔ اس اثناء میں میرا تہبند گر پڑا اور میں ننگا ہو گیا اور تہبند کو نہ اُٹھا سکا رسول خدا نے مجھے اس حال میں دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنا کپڑا اٹھاؤ اور ننگے نہ چلو (مسلم)

خلوت میں بلا ضرورت کشف عورت کی ناپسندیدگی

شریعت غراء نے خلوت میں بھی بلا ضرورت شدید برہنگی جائز نہیں رکھی۔ چنانچہ اس معنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور لوگوں کی نسبت حق تعالےٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے (بخاری) اور فرمایا کہ پیشاب پاخانہ اور مقاربت کے سوا دوسری حالتوں میں برہنہ ہونے سے بچو۔ تمھارے ساتھ ایسے لوگ (ملائکۂ حفاظت و کاتبین کرام) ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے تم اُن سے حیا کرو اور اُن کا اکرام کرو۔

اور فرمایا کہ باستثناء اپنی بیوی کے اپنے ستر کو ڈھانک رکھو۔ ایک صحابی عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر آدمی تنہا ہو اور کوئی دیکھتا نہ ہو تو وہاں کشفِ ستر میں تو کچھ مضائقہ نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اس سے شرم کی جائے (ترمذی)

ابوداؤد، ابن ماجہ) لفظ ستر میں قُبل، دُبر، گھٹنے ناف اور رانیں سب داخل ہیں۔ اور غسل خانہ میں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو برہنہ نہانا جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ وہاں بھی کپڑا باندھ کر غسل کیا جائے۔

خواتین کے باریک لباس کی ناگواری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقۂ اناث کو باریک کپڑا پہننے کی ممانعت فرمائی خصوصاً ایسا باریک لباس جس میں بدن کا رنگ دکھائی دے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے نبی صلی اللہ وسلم کے پاس آئیں۔ آپ کو ناگوار ہوا اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا (ابوداؤد) آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں فریق جہنمی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں کوڑے دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان کوڑوں سے لوگوں کو مارتے ہیں۔ دوسرا فریق اُن عورتوں کا ہے جو کپڑے پہننے کے باوجود برہنہ ہیں (اور ان کے باریک لباس سے ان کا بدن نظر آتا ہے) یہ (بے حیا) عورتیں پرائے مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور خود ان کی طرف جھکتی ہیں۔ ایسی عورتیں نہ صرف جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گی حالانکہ اس کی خوشبو بہت بڑی مسافت سے دماغوں کو معطر کرتی ہے (مسلم)

مروی ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن باریک اوڑھنی پہنے اپنی پھوپھی کے پاس آئیں۔ ام المومنین نے تادیباً وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی۔ اور اس کی بجائے ان کو موٹی اوڑھنی پہنادی (موطاء مالکؒ) جن مسلمانوں کی بیویاں اور بہو بیٹیاں جالی کی کرتیاں اور ہوائی دوپٹے پہنتی ہیں۔ اُن کو ان حدیثوں سے عبرت پذیر ہونا چاہیئے۔

برہنہ مباشرت

ایک بے حیائی یہ ہے کہ اکثر مرد و زن مباشرت کے وقت چارپایوں کی سی بے حجابی کے ساتھ بالکل برہنہ ہو جاتے ہیں اور بے تکلف ایک دوسرے کے اندام نہانی کو دیکھتے ہیں لیکن سرورِ کون و مکان علیہ التحیہ والسلام نے اس فعل کو ناپسند فرمایا۔ (ابن ماجہ)

زنانخانہ میں مخنث کے آنے کی بندش

مدینہ طیبہ میں ہیت نامی ایک مخنث رہتا تھا۔ مدینۃ الرسول سے اس کا اخراج بھی اصلاحات

کا ایک اہم جزو اور رونق کی ایک بڑی ضرورت تھی۔ مخنث ہیجڑے کو کہتے ہیں۔ وہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک پیدائشی جس کے بدن میں خلقی نرمی اور جنس لطیف کی طرح اعضا میں لوچ ہو وہ اخلاق، کلام اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ ان عادات و اطوار میں عند اللہ گنہگار نہیں۔ اوائل میں ہیت کو پیدائشی ہیجڑا اور بے ضرر سمجھ کر کوئی شخص اپنے زنانخانہ میں آنے جانے سے نہیں روکتا تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی خیال کے پیش نظر اس کو حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر میں آنے سے نہیں روکا تھا۔

مخنثوں کی دوسری قسم اُن ہیجڑوں پر مشتمل ہے جو خُصیے نکلوا کر بتکلف ہیجڑے بنتے ہیں ایسا ہیجڑا حدیث مشہور کے بموجب لعنتی ہے۔ ایک مرتبہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ ہیت بھی وہاں موجود تھا۔ دوران گفتگو میں حضرت اُم سلمہؓ کے بھائی عبد اللہؓ بن ابو اُمیّہ سے کہنے لگا کہ اگر اللہ نے طائف تمہارے ہاتھ پر فتح کر دیا تو میں تمھیں وہاں غیلان کی بیٹی دکھاؤں گا۔ جس کی جسمانی ساخت میں یہ اوصاف ہیں ۔ چونکہ مخنث عام طور پر جنسی امور سے بالکل بے تعلق ہوتے ہیں اور انھیں ایسی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ہیت مدت تک قسم اول کے غیر اولی الاربہ طبقہ میں داخل سمجھا جاتا رہا۔ لیکن جب اس نے عبد اللہ بن ابی اُمیّہ سے ایسی ہیجان انگیز بات کہی تو پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ آیندہ یہ شخص تم میں سے کسی کے پاس نہ آئے ۔،

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مخنّث سے پردہ کرنا چاہیئے اور یہ کہ مخنّث خصی اور مجبوب قسم کے لوگ غیر محرموں کے حکم میں ہیں۔

شہر سے اخراج

اس امتناع کے بعد بھی ہیت کی یہی عادت تھی کہ مردوں کے سامنے عورتوں کے حسن و جمال کے اور عورتوں کے روبرو مردانہ اوصاف کے قصے چھیڑ دیتا تھا۔ جب ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ مخرب اخلاق سرگرمیاں ملاحظہ کیں تو اس کو شہر سے ایک چراگاہ کی طرف نکلوا دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کی خلافت میں لوگوں نے حضرت خلافت مآب سے کہا کہ اب وہ بوڑھا اور ناتوان ہو گیا ہے۔ اور سخت

محتاج اور نادار ہے تو امیر المومنین نے اس کو اجازت دی کہ ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے دن آیا کرے اور بھیک مانگ کر واپس جایا کرے۔ غرض نادم واپس وہیں رہا۔ (ماخوذ از مرقات شرح مشکوٰۃ و مظاہر حق)

فصل ۲۳

بے رحمی اور قساوت

عرب کے عہد جاہلیت میں ہر قسم کے جانداروں پر عام اس سے کہ انسان ہوں یا بہائم وطیور بڑے بڑے ناگفتہ بہ مظالم توڑے جاتے تھے۔ مقتدائے عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انسداد فرمایا۔

سنگ دلی کے چند نظائر

مسلسل جنگ و خونریزی اور عام وحشت و جہالت نے اہل عرب کو نہایت بے رحم اور سنگ دل بنا دیا تھا۔ جس کے مظاہر مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتے تھے۔ بعض اوقات دشمن کی عورتوں اور بچوں تک کو آگ میں جلا دیتے تھے۔ دشمن کے بچوں کو تیروں کا نشانہ بنانے میں بڑی لذت محسوس کی جاتی تھی۔

ایک موقع پر ایک بے درد نے اپنے دشمنوں کے چند بچوں کو ایک میدان میں کھڑا کر کے تیروں سے چھلنی کر دیا۔ اور جو بچہ اس طرح نہ مرا اس پر دوسرے دن تیر اندازی کی گئی۔

سزا کا ایک طریقہ یہ تھا کہ دو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر دشمن یا مجرم کے اعضاء کو اس میں باندھ دیتے تھے اور پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ جس سے مجرم کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا تھا۔ کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ دیتے تھے۔ پھر گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیتے تھے جس سے اسکے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے تھے اور اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین ورؤسا دیا کرتے تھے۔ [ع]

ع ماخوذ از کتاب تاریخ اخلاق اسلامی لعبد السلام الندوی ۱۲

لاش کے ناک کان کاٹنا

دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد جوش انتقام میں اس کے ناک کان اور دوسرے اعضا کاٹ ڈالتے تھے۔ غزوۂ احد میں مشرکین مکہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ اور دوسرے شہدائے اسلام کے اعضا کاٹے تھے اور ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے توحضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا۔ لیکن خوش ذائقہ نہ ہونے کے باعث اس کو نگل نہ سکی تھی۔ مکہ کی ایک قریشیہ سُلافہ نے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک (حضرت) عاصمؓ بن ثابت کی کھوپری میں شراب نہ پیئے گی چین سے نہ بیٹھے گی۔ چنانچہ کفار نے حضرت عاصمؓ کو جرعۂ شہادت پلانے کے بعد ان کے سر مبارک کو اس غرض سے مکہ معظمہ لے جانا چاہا کہ سُلافہ کے ہاتھ فروخت کریں۔ لیکن تائید غیبی نے شہد کی مکھیوں کے ذریعہ سے ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہونے دی۔ حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عاصمؒ کے نانا اور عاصم بن عمرؓ خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے نانا تھے۔

اہل ایمان پر وحشیانہ مظالم

ابتدائے اسلام میں قریش مکہ نے صحابۂ کرامؓ پر ان کے قبول اسلام کی پاداش میں جو ظلم توڑے ان کی دردناک تفصیل "سیرت کبریٰ" میں لکھ چکا ہوں۔ اس قساوت و سنگدلی میں بعض یہ سزائیں بھی تھیں کہ کفار مکہ حضرت بلالؓ کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔ حضرت خبابؓ کو پکڑ کر دہکتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیتے اور ان کے سینہ مبارک پر پاؤں رکھ کر زور سے دباتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ اسی طرح حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر پیٹتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ بعض صحابہ کو پانی میں غوطہ دیتے تھے۔ بھوک پیاس میں مبتلا رکھتے تھے۔ بعض کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔

ہاشمیوں کو بھوکوں مارنے کی کوشش

ایک سنگ دلی یہ تھی کہ عمائد قریش ہاشمیوں سے برابر مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ وہ سرور

انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے اُن کے حوالے کر دیں۔ لیکن حضرت ابو طالب اور دوسرے ہاشمیوں کو اس سے انکار تھا۔ اس بنا پر مکہ کے دکانداروں نے ہاشمیوں کے ہاتھ سودا فروخت کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اعداء اُن تمام اشیاء خوردنی کو جن کی نسبت احتمال ہوتا تھا کہ ہاشمیوں کے ہاتھ پڑ جائیں گی ہر قیمت پر خرید لیتے تھے۔ جب سوداگر غلہ لاتے تو اعداء شہر سے دُور نکل کر راستہ میں جا ملتے اور سارا اناج خرید لیتے۔ انھوں نے ہاشمیوں کو ہر طرف سے محصور کر رکھا تھا۔ کھانے کی کوئی چیز ان کے پاس نہ پہنچ سکتی تھی۔ جب ہاشمیوں کے ننھے ننھے بچے بھوک سے بلکتے تھے تو سیاہ دل بُت پرست خوش ہوتے اور ان کے پتھر دل کسی طرح نہ پسیجتے (ابن جریر طبری)

بے زبانوں پر ناگفتہ بہ مظالم

انسانوں کی طرح بے زبان جانور بھی اس قساوت سے محفوظ نہ تھے۔ جب قحط پڑتا تو ایک قسم کی گھاس کے گٹھے گائے کی دُم میں باندھ کر اس میں آگ لگا دیتے تھے اور اس کو پہاڑ پر دوڑا کر بارش کی دعا مانگتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ آگ بجلی چمکنے کا شگون تھی نر اونٹوں کی آنکھ پھوڑ ڈالتے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ ایسا کرنے سے ان کو نظر نہ لگے گی۔ جب کوئی بڑا آدمی مر جاتا تھا تو اس کے اونٹ کی گردن کو اس کی دُم کی طرف الٹ دیتے تھے اور ایک گڑھے میں ڈال کر اس کا آب و دانہ بند کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مر جاتا تھا۔ بعض اوقات مرنے کے بعد اس کو جلا دیتے تھے۔ کبھی اس کی کھال کھینچ کر اس میں بھُس بھر دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس قسم کے اونٹ یا اونٹنیاں قیامت کے دن مُردہ کے لیے سواری کا کام دیں گی۔

زندہ جانوروں کے اعضا کاٹنے کی قساوت

ایک ظالمانہ طریق یہ رائج تھا کہ اونٹ کے کوہان اور زندہ دنبے کی دُم کی چکتی اور بکری کے سُرین کا گل یا بعض حصہ کھانے کے لیے کاٹ لیا کرتے تھے اور جانور کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قطع عضو کے بعد جانور کس قدر دکھ اور تکلیف اُٹھاتا ہوگا اور زندگی کے باقی ماندہ ایام کس مصیبت سے گزارتا ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس ظالمانہ رسم کا انسداد فرمایا۔ ابوواقد لیثی کا بیان ہے کہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ان ایام میں یہاں اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکیاں کاٹنے کا رواج تھا آپؐ نے اس کی ممانعت کے بعد یہ بھی فرمایا کہ جو چیز ایسی حالت میں کاٹی جائے کہ جانور زندہ ہو تو وہ چیز مُردار ہے۔ نہ کھائی جائے (اگرچہ حلال جانور ہی سے کاٹی جائے) رواہ الترمذی، ابوداؤد

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں جو یہ رسم تھی کہ زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیا جاتا یا چلتے پھرتے دُنبوں یا دنبیوں کی چکیاں کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ ایسا کرنے میں جانور کی سراسر تعذیب اور حکم شرع کی منکرانہ خلاف ورزی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کی جان لینے کا ایک مخصوص طریقہ مشروع فرمایا ہے۔ جس کو ذبح اور تذکیہ کہتے ہیں۔ اس لیے شارع علیہ السلام نے کسی زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹنے کی ممانعت فرمائی اور اس حکم کو مؤکد کرنے کے لیے اس کا کھانا بھی حرام قرار دیا۔

بلّی سے ظالمانہ برتاؤ کا انجام

حدیثوں میں ایک غیر مسلمہ عورت کا تذکرہ ہے جس نے بلّی کو باندھ کر اس کا کھانا پانی بند کر رکھا تھا وہ اسی طرح بندھی بندھی مرگئی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے دستِ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ (سورج گہن کی نماز کے سجدے میں) جنت مجھ سے اتنی قریب کر دی گئی تھی کہ اگر میں ہاتھ پھیلاتا تو انگور کے چند خوشے لے لیتا۔ اور جہنم مجھ سے اتنا قریب ہو گیا کہ میں اس سے بچنے لگا اور میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں تمہیں ڈھانپ نہ لے۔ اسی اثناء میں میں نے قبیلہ حمیر کی ایک عورت کو دیکھا۔ جو ایک بلّی پر ظلم کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھی۔ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا۔ نہ تو اسے چھوڑتی تھی کہ جا کر اپنی روزی تلاش کرے اور نہ خود اس کو کھانے پینے کو دیتی۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح بھوکی پیاسی مرگئی۔ میں نے دیکھا کہ بلی اُس عورت کو بری طرح نوچ رہی تھی (نسائی)

جانوروں کو نشانہ بنانے کی رسمِ بد

جاہلیت کی ایک رسم بد یہ تھی کہ جانوروں کو کسی چیز میں باندھ کر ان پہ نشانہ لگاتے

تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنگ دلی کو مٹا دیا اور اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جس چیز میں روح ہو اس کو نشانہ نہ بنایا جائے (ترمذی) ایک مرتبہ چند آدمی مرغی کو باندھ کر نشانہ بنا رہے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ادھر سے گذر ہوا تو ان کو دیکھ کر سب بھاگ گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ ھشام بن زید کا بیان ہے کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ حکم بن ایوب کے ہاں گیا۔ وہاں چند لڑکوں کو دیکھا کہ انھوں نے ایک مرغی کو نشانہ مقرر کر رکھا ہے اور اس کو تیر مار رہے ہیں۔ حضرت انسؓ نے ان کو سمجھایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو اس طرح باندھ کر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

جانوروں کے ساتھ ہمدردی و مواسات

جاہلی عرب بے زبانوں کے ساتھ انتہائی شقاوت اور سنگ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ لیکن آپ نے جانوروں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی و مواسات کا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا رحمٰن رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والا رحم کریگا (ابوداؤد۔ ترمذی) فرمایا ایک آدمی جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی آگے چل کر اس کو ایک کنواں ملا تو وہاں پانی پیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے ہے اور پیاس کے مارے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے اپنے موزے اتار کر ان میں پانی بھرا اور کتے کو پانی پلایا۔ خدائے قدوس نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کو بخش دیا۔ یہ سن کر صحابہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ہر ذی روح کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے (بخاری)

جانوروں کو لڑانا اور داغنا

ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے اور ان کے منہ پر داغ دینے اور منہ پر مارنے سے منع فرمایا (ترمذی) اگر جانور بیمار ہو اور بدن کو داغ دینے کے سوا کوئی علاج کارگر نہ ہو تو منہ کے سوا دوسرے حصۂ بدن کو داغنا جائز ہے۔ لیکن جانور کا منہ داغنا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منہ داغے ہوئے گدھے

کو دیکھا۔ آپ کو اس سے بڑا رنج ہوا اور فرمایا جس نے اس گدھے کو داغا وہ خدا کی رحمت سے دور ہے (بخاری و مسلم) آپ نے جانوروں کی پیٹھ پر بے ضرورت بیٹھنے رہنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ خالق کردگار نے ان کو اس لیے تمہارے تابع فرمان بنایا کہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ کو جہاں تم سخت مشقت برداشت کرکے پہنچتے بسہولت پہنچ سکو (ابوداؤد)

اونٹوں پر مشقت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ایام ارزانی میں سفر کرو تو راستہ میں اونٹوں کو چرنے کے لیے چھوڑتے جاؤ اور جب قحط سالی میں سفر اختیار کرو تو راہ میں توقف و تاخیر نہ کرو بلکہ جلد منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کرو اور جب مقام کرو تو راستہ میں مت اترو (ابوداؤد) ایک مرتبہ آپ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے دیکھا کہ بھوک اور مشقت کی وجہ سے اس کا پیٹ پیٹھ سے جالگا ہے۔ آپ نے اس کے مالکوں سے فرمایا ان بے زبان چوپاؤں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان پر صلاحیت و انصاف کے ساتھ سواری کرو اور ان کو حسن اسلوب سے کھلاؤ (ابوداؤد)

اونٹ کا مالک کی شکایت کرنا

آپؐ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپؐ بہائم وطیور کی بولی سمجھتے اور وہ نبی کی حیثیت سے آپ کو پہچانتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ اُدھر سے ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ کو دیکھ کر رونے کی آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپؐ اس کے پاس گئے اور اس کے بدن پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور دریافت فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے۔ انصاری نے کہا یا رسول اللہ! میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس اونٹ کے بارہ میں خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے جس نے اس کو تمھاری ملکیت میں دیا ہے؟ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور مشقت زیادہ لیتے ہو (مسلم وابوداؤد)

گھوڑوں پر شفقت

گھوڑوں کی پیشانی اور دُم کے بال کترنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ رحمت عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور انکی ایالیں اور دُمیں نہ کترو کیونکہ دُمیں ان کی چوریاں ہیں جن سے وہ مکھیاں اڑاتے ہیں اور ایالیں ان کو گرم رکھتی ہیں اور ان کی پیشانی کے بالوں میں خیر و برکت ہے (ابوداؤد) یحییٰؒ بن سعید بن عاص اُموی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ اپنے گھوڑے کا منہ چادر سے پونچھ رہے ہیں۔ لوگوں نے اس التفات کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھے گھوڑے کی خبر نہ لینے پر عتاب ہوا۔ (مؤطاء امام مالکؒ)

اس حدیث سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اپنے جانوروں کی خبر گیری اور خدمت گزاری میں کوتاہی کرتے ہیں۔ وہ کتنی جواب دہی کے بارِ گراں کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔

طبیب کو مینڈک مارنے کی ممانعت

بے زبانوں پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شفقت یہ ہے کہ آپ نے موذیوں کے سوا کسی جاندار کو مارنے کی اجازت نہیں دی۔ ایک طبیب نے آپ سے دوا کے لیے مینڈک مارنے کی اجازت مانگی۔ لیکن آپ نے اس کے مارنے کی اجازت نہ دی (ابوداؤد) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ھُدھُد اور چڑیا کے مارنے سے منع کیا (ابوداؤد) ایک سفر میں اہل لشکر میں سے کسی نے ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لیے۔ چڑیا بچوں کی محبت سے ان کے سروں پر منڈلانے لگی۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو کس نے بے قرار کیا ہے۔ اس کے بچوں کو چھوڑ دو (ابوداؤد) ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ ایک مقام پر منزل کی۔ وہاں ایک پرندے نے انڈا دیا تھا۔ ایک شخص نے وہ انڈا اُٹھا لیا۔ چڑیا بے چین ہوکر پر مارنے لگی۔ آپؐ اس کو دیکھ کر بے چین ہو گئے اور دریافت فرمایا کہ کس نے اس کا انڈا چھین کر اس کو ایذا دی اٹھانے والے نے کہا یا رسول اللہ یہ غلطی مجھ سے سرزد ہوئی۔ آپ نے فرمایا انڈا وہیں رکھ دو۔ (ادب المفرد۔ بخاریؒ) اور فرمایا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو اور

اٹا کر ان کو تکلیف نہ دو (ابوداؤد)

جاندار کو بلا ضرورت مارنے کا امتناع۔

مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت کسی جانور کی جان لینے کو بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ (مستدرکِ حاکم) آپ نے فرمایا کہ جو شخص چڑیا یا اس سے کسی بڑے جانور کو ناحق ہلاک کرے گا خدائے عزیز قیامت کے دن اس قتل کے متعلق اس سے بازپرس کریگا۔ دریافت کیا گیا یارسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا حق یہ ہے کہ اس کو ذبح کر کے کھائے یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں اور وہ درندے بھی نہیں ان کو بلا ضرورت مارنا جائز نہیں۔ جو جاندار بے ضرر ہیں یا اُن سے انسان کو کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچتا ہے مثلاً شہد کی مکھی وغیرہ ان کا مارنا بھی ممنوع ہے۔

جاندار کو کھلانے پلانے میں ثواب

کسی جاندار کو مارنا اور اس کے درپئے آزار ہونا تو ایسا جرم ہے جو کسی مسلمان کے ہرگز شایانِ شان نہیں بلکہ مسلمان کی تو یہ شان ہے کہ وہ ان بے زبانوں کو کھلائے پلائے اور ان کی خبرگیری رکھے۔ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یارسول اللہ! اگر کسی کا بھولا بھٹکا جانور میرے حوض پر آجائے اور میں اس کو پانی پلاؤں تو کیا مجھے اس کا کچھ نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہر تشنہ جگر کو پانی پلانے میں (انسان ہو یا جانور، مسلم ہو یا غیر مسلم) ثواب ہے (بخاری ومسلم)

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ اسلام کے پہلو میں کتنا نرم اور شفیق دل ہے اور اس نے اپنے پیروؤں کو مقہور و بے بس حیوانات کے ساتھ رحم و کرم کی تعلیم دے کر کس درجہ اپنی عظمت شان کا ثبوت دیا ہے۔

ذبیحہ کو آرام پہنچانے کی تاکید

دنیا میں ہر چیز انسان کی نفع رسانی کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی آدم کو کائنات کی ہر چیز پر حاکمانہ تصرف عطا کیا گیا۔ بھیڑ بکری اور بعض دوسرے پاک وطیّب

جانور انسانی خوراک میں داخل ہیں۔ مگر ایک بُت پرست قوم گوشت خوری کو ظلم قرار دیتی ہے۔ اگر یہ ظلم ہے تو پھر گھوڑے پر سواری کرنا، گدھے بیل، اُونٹ سے بارکشی کی خدمت لینا بھی ظلم ہے حالانکہ دنیا کا کوئی صحیح العقل انسان اس کو ظلم نہیں سمجھتا۔ ہاں یہ امر کسی طرح پسندیدہ نہیں کہ جانور کو ایسی بے احتیاطی سے ذبح کیا جائے کہ اس کو تکلیف پہنچے چنانچہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے ہر ذی روح پر لطف و احسان کرنا لازمی فرض قرار دیا ہے۔ پس اگر قصاص میں کسی انسان کو قتل کرو تو اس کو حسن اسلوب سے قتل کرو۔ جلد فراغت کرو۔ ترسا ترسا کر نہ مارو اور جب کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو تو چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت و آرام پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھو۔ (مسلم)

ذبح کی اجازت دینے پر اعتراض

بعض غیر مسلم اسلام پر معترض ہیں کہ جس شریعت نے جاندار کو ذبح کرنیکی اجازت دی۔ وہ کیونکر صحیح اور منجانب اللہ ہو سکتی ہے؟

اس کے جواب میں امام ابن جوزیؒ رقم طراز ہیں کہ جمادات پر حیوانات کو اور حیوانات میں غیر ناطق پر ناطق (یعنی پرندوں اور چارپایوں پر انسان) کو فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اس برتری کی وجہ ناطق کا فہم و فطنت ہے۔ ناطق کو نظری و عملی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ اس لیے غیر ناطق کی نسبت ناطق کا باقی رہنا زیادہ اہم و ضروری ہے اور ناطق کی قوتیں باقی رکھنے کے لیے گوشت کا بدل کوئی چیز نہیں۔ پس اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ جس ہستی کی زندگی زیادہ اہمیت اور فائدہ عظیم رکھتی ہے۔ وہ کم فائدہ والی چیز کو اپنے استعمال میں لائے اور بہائم کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ اشرف المخلوق انسان ان سے فائدہ اُٹھائے۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ اگر چارپائے ذبح نہ کئے جائیں تو دنیا میں ان کی اتنی کثرت ہو جائے کہ کھیتیاں اور چراگاہیں کفایت نہ کریں اور مریں تو ان کی بدبو سے اشرف المخلوق انسان کی صحت پر بُرا اثر پڑے۔ اور بنی آدم کے قوائے عقیلہ میں فتور ہو۔ غرض اگر انسان حیوانات کو اپنے استعمال میں نہ لائے تو ان کی پیدائش ہی ایک بڑی حد تک عبث اور بے کار ہو جاتی ہے۔

ذبح کرنے میں جانور کو ایذا نہیں پہنچتی

اس کے بعد علامہ ممدوح لکھتے ہیں کہ یہ خیال صحیح نہیں کہ ذبح کرنے میں جانور کو ایذا پہنچتی ہے۔کیونکہ بعض حکماء کا قول ہے کہ ذبح کے وقت جانور کو درد بالکل محسوس نہیں ہوتا۔کیونکہ درد کا احساس دماغ کی جھلیوں کو ہے اور اعصابِ حسّاسہ اسی میں ہیں۔اسی بنا پر جب خود دماغ کو صرع یا سکتہ پہنچتا ہے تو انسان کو کچھ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔اور ذبح کرتے وقت جب تیزی سے شاہ رگیں کاٹ دی جائیں تو درد ایسے محل میں نہیں پہنچتا جس کو حسّ ہو۔اسی بنا پر خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب جانور کو ذبح کرو تو چھری کو خوب تیز کر لیا کرو تاکہ ذبیحہ کو آرام ملے ؀

فصل ۲۴

بیعُ الحبلہ کا رواج

منجملہ اُن خرابیوں کے جو جاہلی عرب میں برپا تھیں ایک بیع الحبلہ کی رسم تھی۔ یہ ایک قسم کی خرید و فروخت تھی۔ جس کی یہ صورت تھی کہ ایک شخص اس وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا کہ اس کے جو بچہ پیدا ہوگا جب وہ بڑا ہو کر جنے گا تو اس وقت اس کی قیمت ادا کی جائیگی۔ آخر دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے ہودہ خرید و فروخت کو جو بہت سے مفاسد کو متضمن تھی قطعاً ممنوع قرار دیا۔ (بخاری)

فصل ۲۵

بے گناہوں سے قصاص طلبی

عرب کے دورِ جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جب کوئی شخص قتل ہو جاتا تو مقتول کے لوگ قاتل کے خاندان میں سے جس کسی کو چاہتے پکڑ کر قتل کر دیتے حالانکہ قانونِ معدلت یہ ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے سے قصاص نہ لیا جائے۔ حضرت ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظلم و بے داد کی قطعی ممانعت فرمائی اور مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ قریب قریب ساری اسلامی برادری بلد الامین میں جمع تھی آپ نے خطبہ فرمایا یاد رکھو کہ جو قصور کریگا اسی سے مواخذہ ہوگا۔ باپ کے جرم میں بیٹا اور بیٹے کے عوض میں باپ نہیں پکڑا جائے گا (ابن ماجہ)

اسی معنی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (کوئی شخص دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ شانہٗ کے نزدیک سب سے بڑے ظالم تین ہیں (۱) وہ جو حرم الٰہی سے کسی کو قتل کرے (۲) وہ جو قتل کا بدلہ غیر قاتل سے لے۔ (۳) وہ جو عہد جاہلیت کا انتقام حالت اسلام میں لے۔ (ابن حبان) ابو رمثہ رضؓ صحابی کا بیان ہے کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرے والد محترم سے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر گواہ رہیئے کہ اگر مجھ سے کوئی قصور سرزد ہوا تو اس کو گرفتار کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے۔ یاد رکھو کہ یہ نہ تو تم پر گناہ کریگا اور نہ تم اس پر گناہ کرو گے۔ (ابو داؤد، نسائی) اور فرمایا کہ نہ تو مسجدوں میں حدیں قائم کی جائیں اور نہ باپ سے اس کے بیٹے کا بدلہ لیا جائے (ترمذی و دارمی)

اور یہ ظلم و ستم کچھ عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ دنیا کے ہر ملک میں یہی دستور تھا

کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اُس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اگر اصلی مجرم روپوش یا فرار ہو جاتا یا موت کے دامن میں منہ چھپا لیتا تو حاکم وقت اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا۔ یہی بے آئینی صدیوں سے دنیا میں حکمران چلی آتی تھی۔ لیکن دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی۔

ایک کے عوض میں کئی کئی

ایک ظالمانہ دستور یہ تھا کہ ایک ایک مقتول کے بدلے میں کئی کئی آدمیوں کی جان لیتے تھے۔ ہجرت نبویؐ سے چند سال پیشتر مدینہ مکرمہ کے قبائل اوس اور خزرج میں جو جنگ ہوئی تھی اس میں غالب فریق نے مغلوب کے بہت سے غلاموں اور عورتوں کو بھی ہلاک کیا تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے۔ لیکن سابقہ جنگ میں جو جانی نقصان ہوا تھا۔ اس کے انتقام کا جذبہ طبائع میں برابر موجزن رہا شکست خوردہ قبیلہ نے غالب گروہ کے عمائد و اعیان کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم اپنے ہر غلام کے بدلے تمھارے دو آزاد مردوں کو اور ہر عورت کے عوض میں تمھارے دو مردوں کی جان لیں گے۔ تب کہیں دل کو چین ہوگا۔ اس وقت سورۂ بقرہ کی ایک سو اٹھترویں (۱۷۸) آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ مقتول کے بدلے میں صرف قاتل کی جان لی جائے۔ قطع نظر اس کے کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

(ترجمہ) اے مومنو! تم میں سے جو لوگ مارے جائیں ان کے بارے میں تم کو جان کے بدلے جان کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام۔ اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس قاتل کو اس کے بھائی (طالب قصاص) سے کوئی جزو قصاص معاف کر دیا جائے تو جان کے بدلے خون بہا اور وارث مقتول کی طرف سے اس کا مطالبہ دستور (شرع) کے مطابق اور قاتل کی طرف سے وارث مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ (خون بہا کا) ادا کر دینا۔ یہ (حکم خون بہا) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اسکے لیے عذاب دردناک ہے۔" (لباب النقول)

عہد حاضر میں امریکہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے۔ اس کے باوجود وہاں کی مسیحی حکومتیں اپنے ایک ایک فرنگی مقتول کے عوض میں غلام حبشی قاتل کی قوم کے کئی کئی افراد کی جانیں لیتی ہیں۔ ایک نام نہاد مہذب فرنگی قوم (برطانیہ نے پچھلے دنوں) اپنے ایک افسر سرلی سٹیک کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر دم لیا تھا۔

فصل ۲۶

بیوی کے پاس اقربائے شوہر کی آمد و رفت

جاہلیت کے عربوں میں شوہر کے رشتہ دار دیور، جیٹھ وغیرہ عورت کے پاس بے تکلف آتے جاتے تھے۔ اس سے مفاسد و فتن کے دروازے کھلتے تھے۔ دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے ہودہ رسم کو بھی برطرف کر دیا۔ چنانچہ مروی ہے:۔

قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللہِ اَرَاَیْتَ الْحَمْوَ قَالَ اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ (رواہ البخاری و مسلم)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں پر داخل ہونے سے بچو۔ ایک شخص عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! مجھے حمو یعنی دیور جیٹھ وغیرہ کے داخل ہونیکے متعلق بتلایئے۔ آپ نے فرمایا کہ دیور، جیٹھ تو (عورت کے حق میں) موت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دیور، جیٹھ وغیرہ مرد کے رشتہ داروں کا خلوت میں عورت کے پاس آنا جانا یا بدون شرعی پردے کے سامنے آنا درست اور جائز نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ جاہلی عرب کا یہ روگ اب پاکستان اور ہندوستان میں بھی عام ہے۔

فصل ۲۷

جائداد وقف کرنے کا عام احساس

وقف لغت میں حبس اور روکنے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں کسی ایسی چیز کو حق تعالےٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کا نام ہے کہ اصل جائداد قائم رہے اور اس کے منافع سے مسلمان فائدہ اٹھائیں۔ وقف جائداد نہ بیع و رہن کی جاسکتی ہے۔ نہ ہبہ ہو سکتی ہے اور نہ اس میں میراث جاری ہوتی ہے۔

اسلام ہی وقف کا موجد ہے۔

جاہلیت میں صرف یہ کہ اس کا رواج نہیں تھا اور کبھی کسی کو اس کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ بلکہ صرف ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالح مسلمین کے لیے اس کو مشروع فرمایا تھا۔ اسی بناء پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ دوسرے مذاہب کے قوانین میں وقف کا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔

اسی بنا پر شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام ہی طریقہ وقف کا موجب ہے

صحابہ کرام رض کے اوقاف

بہت سے صحابہ رض نے مسلمانوں کے لیے اپنے اموال وقف کئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیبر میں اپنی زمین وقف کی (بخاری کتاب الوصایا باب الوقف) اس کے علاوہ نخلستان بھی وقف کئے (بخاری کتاب الوصایا) اسی طرح دو سو درخت بھی وقف کئے تھے۔ ان میں سے سو درختوں کے متعلق ایک وقف نامہ بھی لکھا تھا جس میں اُم المومنین حضرت حفصہ رض کو متولی قرار دیا تھا (ابوداؤد کتاب الوصایا) جب قرآن مجید کی آیت من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً (کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے یعنی اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ کرے) نازل ہوئی تو حضرت ابو دحداح انصاری رض جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ باغ میں رہتے تھے اپنی بیوی کے پاس گئے

اور کہنے لگے کہ اب باغ سے نکل چلو کیونکہ میں نے اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس کو فقراء و مساکین پر وقف کر دیا۔ (استیعاب) حضرت کعب بن مالک انصاریؓ کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے اس خوشی میں خیبر کا حصہ رکھ کر باقی تمام جائداد فی سبیل اللہ وقف کر دی (ابوداؤد کتاب الایمان والنذور) حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنی ماں کی طرف سے ایک باغ وقف کیا تھا (ابوداؤد کتاب الوصایا)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا کنواں بیرِ رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے بیرحاء وقف کیا۔ اسی طرح حضرات ابوبکر صدیق، زبیر بن عوامؓ، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص، انسؓ، حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اموال وقف فی سبیل اللہ کیے۔

فصل ۲۸

جنسی اختلاط کا لوگوں سے تذکرہ

عرب میں یہ بے حیائی عام تھی کہ آپس میں مل کر بیٹھتے تو اپنی اپنی بیویوں سے مباشرت کرنے کی کیفیت بالتفصیل بیان کرتے۔ (ابوداؤد) لیکن ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فحش بیانی کی قرار واقعی اصلاح فرما دی۔

مروی ہے کہ قبیلہ طفاوہ کا ایک معزز آدمی مدینہ منورہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ہاں مہمان ہوا۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کو عبادت اور مہمان داری میں ابوہریرہؓ کے برابر مستعد نہ پایا۔ ایک دن میں ان کے پاس حاضر تھا اس وقت وہ تخت پر ایک تھیلی لیے ہوئے بیٹھے تھے۔ جس میں گٹھلیاں بھری ہوئی تھیں حضرت ابوہریرہؓ ان گٹھلیوں پر سبحان اللہ پڑھتے تھے۔ جب ختم ہو جاتیں تو ان کو اکٹھا کر کے پھر تھیلی میں ڈال دیتے اور پھر پڑھنا شروع کر دیتے۔

مہمان مذکور کا بیان ہے کہ انہی ایام میں انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں بخار میں لوٹ رہا تھا۔ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے آپ نے دریافت کیا کہ دوس کے نوجوان (ابوہریرہ) کو کسی نے دیکھا ہے؟ ایک شخص عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! وہ مسجد کے فلاں کونے میں پڑے ہیں۔ بخار چڑھ رہا ہے۔ آپ میرے پاس تشریف لائے اور ازراہ شفقت دست مبارک مجھ پر رکھا اور طبیعت کا حال دریافت کر کے کھانے کے لیے فرمایا

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر تشریف لے گئے میں بھی مصلیٰ پر پہنچا اس کے بعد آپ نے نماز پڑھائی اور فرمایا کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ پھر آپ نے رب العالمین کی حمد وستائش کی اور مردوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم میں کوئی

ایسا شخص ہے جو اپنی اہلیہ کے پاس جاکر دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردہ ڈال لیتا ہے اور اللہ کے پردے میں چھپ جاتا ہے؟ حاضرین نے کہا ہاں۔ فرمایا پھر اس کے بعد لوگوں سے کہنے بیٹھتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ایسا کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔

اس کے بعد آپ خواتین کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کیا تم میں کوئی ایسی عورت موجود ہے جو اپنی سہیلیوں سے ایسی بات کہتی ہے؟ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اتنے میں ایک عورت کہنے لگی یا رسول اللہ! مردوں میں بھی اس قسم کا تذکرہ کرنے والے پائے جائیں گے اور عورتوں میں بھی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شیطان دوسرے شیطان سے راستہ میں ملے اور شارع عام میں لوگوں کے سامنے باہم اختلاط کریں۔"

اس کے بعد فرمایا معلوم ہو کہ مردوں کو ایسی خوشبو لگانی چاہیئے جس کا رنگ نہ دکھائی دے اور خوشبو پھیلے اور (باہر نکلنے والی) عورتوں کے لیے وہ خوشبو موزوں ہے جس کا رنگ ظاہر ہو۔ لیکن محسوس نہ ہو (ابوداؤد) الغرض آپ نے عورتوں کو ایسی خوشبو لگا کر نکلنے سے منع فرمایا کہ لوگوں کے دماغ تک پہنچے اور پرائے مردوں کی رغبت اور کشش کا باعث ہو۔ ہاں گھر کی چاردیواری میں عورت بھی ہر طرح کی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔

فصل ۲۹

جنگ جوئی اور رزم خواہی

جاہلی عرب میں جو جو اخلاقی برائیاں پھیل رہی تھیں ان میں خانہ جنگی اور عربدہ جوئی نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ وہ لوگ ادنٰی ادنٰی باتوں میں سر پھٹول کرتے اور کٹ مرتے تھے ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسر پیکار تھا۔ ہر بچہ اپنے باپ یا دوسرے اقربا کے قاتل سے انتقام لینے کا جذبہ اپنے دل میں پرورش کرتا رہتا تھا۔ اس طرح ایک ایک جنگ و پیکار کا سلسلہ کئی کئی سال تک جاری رہتا تھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنو عدنان سینکڑوں خون آشام جنگوں میں ملوث رہے یہ محاربات ایام عرب کے نام سے مشہور ہیں۔ آل عدنان کی لڑائیاں دوسرے قبیلوں کے خلاف اس کثرت سے نہیں ہوئیں جس قدر کہ ان کی آپس کی مصاف آرائیاں تھیں۔ ان خانہ جنگیوں میں بکر اور تغلب کی لڑائیاں زیادہ شہرت رکھتی ہیں۔ ان کا آغاز ایک معمولی بات سے ہوا تھا لیکن پھر ان کا سلسلہ برابر چالیس برس تک ممتد رہا۔

قریش میں بھی لڑنا مرنا قبیلہ کی آن اور خاندان کا وقار یقین کیا جاتا تھا۔ قریش کی مشہور خون آشام جنگ حرب فجار کے نام سے مشہور ہے جو خاص حرم اور ماشہر حرم میں بنو قیس کے خلاف لڑی گئی۔ ایک اور مشہور معرکہ ذی وقار کہلاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے دو مشہور قبیلوں اوس اور خزرج میں جن خوفناک لڑائیوں کا سلسلہ مدت ہائے دراز تک قائم رہا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور محاربہ جنگ بعاث ہے اس رزم و پیکار میں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام آئے۔ اس خوفناک جنگ کا خونخوار سلسلہ اسوقت منقطع ہوا جب سرور عالم و عالمیاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ کو اپنے شرف قدوم سے مشرف فرمایا۔ اور ان دونوں قبیلوں نے مشرف باسلام ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

چونکہ عرب میں قتل کا انتقام لینا ایک خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صدیاں گذر

جانے پر بھی اس فرض کی تکمیل نہیں ہوتی تھی اس بنا پر جزیرۂ عرب میں رزم و پیکار کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم رہتا تھا اور عرب کی سرزمین ہمیشہ خانہ جنگی کے خون سے لالہ زار بنی رہتی تھی۔ آخر حجۃ الوداع کے دن عرب کی یہ قدیم ہلاکت آفریں رسم صدیوں کے خون خرابہ کے بعد ملیامیٹ ہوئی اور فخر عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے خاندان کا خون معاف کر کے اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے تمام خون یعنی ان کے انتقام باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کے انتقام سے دست بردار ہوتا ہوں۔ (بخاری و مسلم بروایت جابرؓ)

اور دوسری روایت میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح آج قربانی کا دن اور ذوالحجہ کا مہینہ اور یہ بلدۃ الحرام محترم ہے۔

فصل ۳۰

چوری اور نقب زنی

عرب میں جس طرح بعض قبائل رہزنی اور غارت گری میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور انھوں نے اس کو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا۔ اسی طرح بہت سے قبائل نے چوری کا بزدلانہ شیوہ اختیار کر کے اس کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیا تھا اور لطف یہ کہ دونوں قسم کے قبائل اپنی برائی کو عیب نہیں سمجھتے تھے بلکہ بہادری شمار کرتے تھے۔ عرب کے قبیلے اسلم، غفار، مُزینہ، جُہینہ اور اشجع حاجیوں کا مال و اسباب چُرانے میں بدنام تھے۔ ان کے لیے حج کا موسم کمائی کا موسم بہار تھا۔ سلیک بن سلکہ اور تابط شراعرب کے مشہور شاعر تھے۔ لیکن ان کی شاعری کا تمامتر سرمایہ محض اپنی چوری اور حیلہ گری پر فخر کرنا تھا۔

عربوں میں سرقہ کی بیماری اس کثرت سے پھیلی ہوئی تھی کہ مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سلسلۂ اصلاحات میں چوری کے انسداد کے لیے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں سے چوری نہ کرنے کی بیعت لینا بھی ضروری قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بارگاہ نبوی میں جس قدر عورتیں یا مرد بغرض بیعت حاضر ہوتے تھے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری باتوں کے علاوہ ان سے یہ بھی عہد لیتے تھے کہ چوری نہیں کریں گے (بخاری) فتح مکہ کے دن جب خواتینِ مکّہ قبول اسلام کے لیے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اُن سے بھی چوری نہ کرنے کا عہد لیا۔ کلام مجید کی سورہ ممتحنہ میں منجملہ دوسرے امور کے سرقہ نہ کرنے پر بھی بیعت لینے کا حکم صادر ہوا۔

عار مٹنے کی دعا

جب قبائل اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ نے دوسرے قبیلوں کے مقابلہ میں قبول اسلام میں سبقت کی تو ان کو یہ طعن کرنے کا موقع ملا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت تو حاجیوں کے

چوروں نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اسلم، غِفار، مُزینہ اور جُہینہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک بنو تمیم، بنو عامر، اسد اور غطفان سے اچھے ہوں تو پھر انھیں کوئی خسارہ نہیں اور فرمایا مجھے اُسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اسلم، غِفار، مزینہ اور جہینہ بنو تمیم وغیرہ سے بہتر ہیں (بخاری و مسلم) پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے ان ننگ و عار کو ان سے مٹایا۔ آپ نے غفاریوں کے لیے غفار غفر اللہ کہا (خدا غفار کی مغفرت کرے) کے الفاظ میں ان کیلیے دعا کی کہ ان سے یہ عار مٹ جائے۔

آپ نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں سے چوری نہ کرنے کا عہد لینے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ حکم خداوندی کے بموجب اس جرم کی جسمانی سزا دیئے جانے کا بھی اعلان فرمایا۔ کلام پاک میں ہے:۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ	مرد چوری کرے یا عورت دونوں میں سے ہر ایک کا (داہنا) ہاتھ ان کے کرتوت کے بدلے میں کاٹ ڈالو۔ یہ تعزیر ان کے حق میں خدا کی طرف سے قرار پائی ہے۔
(۵ : ۳۸)	

لیکن قطع ید کی شرط یہ ہے کہ مسروقہ چیز کسی محفوظ مقام سے چرائی گئی ہو اور اس کی قیمت دس درم سے کم نہ ہو۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔

ایک مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹا جانا

حدود یعنی شرعی سزاؤں میں حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی سفارش قبول نہیں فرماتے تھے۔ اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک قرشی عورت نے چوری کی۔ قرشی مہاجرین یہ دیکھ کر سخت مضطرب و بے چین ہوئے کہ ایک نہایت معزز خاندان کی ایک عورت کا ہاتھ کٹ جائے گا (یہ عورت حضرت ابو سلمہؓ کی بھتیجی تھی) اب یہ کوشش شروع ہوئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے لیے سفارش کی جائے۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ سفارش کون کرے؟ آخر قرعۂ انتخاب حضرت اُسامہؓ

کے نام پڑا جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ شہید کے صاحبزادہ اور آپ کے بڑے چہیتے تھے۔ سب لوگ کہنے لگے کہ اسامہؓ کے سوا کوئی نہیں جو سفارش کی جرأت کر سکے۔

حضرت اُسامہؓ نے اس عورت کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ لیکن آپ پر یہ سفارش شاق گذری۔ آپ نے بطریق انکار و توبیخ اُسامہؓ سے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد میں سفارش کرتے ہو؟ اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ انھی باتوں پر ہلاک ہوئے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی عزت دار آدمی چوری کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے اور مداہنت سے کام لیتے اور جب کوئی ضعیف و ناتواں شخص سرقہ کا مرتکب ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ اگر (بفرض محال) میری بیٹی فاطمہؓ چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بھی اہل عقل و انصاف کے نزدیک سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ عربوں جیسی تربیت نایافتہ قوم میں ایسی خالص خدا پرستی اور اس درجہ کا عدل و انصاف اور ایسی راست بازی بجز تعلیم و توفیق خداوندی ہرگز ممکن نہ تھی۔ ہاتھ کاٹنا ایک ایسی سزا ہے کہ آج بھی اس پر عمل درآمد ہو تو دنیا سے چوری جیسے جُرم کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

فصل ۳۱

حرام کاری اور فواحش کی گرم بازاری

اسلام سے پہلے اہلِ عرب سخت بدکاری میں مبتلا تھے اور ان میں فواحش کی گرم بازاری تھی شعراء فواحش و زناکاری کے واقعات کو بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اشعار میں بیان کرتے تھے۔ عہد جاہلیت کے نامور شاعر امراء القیس نے اپنی پھوپھیری بہن اور دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے فاسقانہ تعلقات کا بڑے فخر کے ساتھ قصیدہ لامیہ میں ذکر کیا ہے۔

حصول اولاد کے مختلف ذرائع

زمانۂ جاہلیت میں سرزمینِ عرب کے اندر نکاح اور حصولِ اولاد کے چار ذرائع مروج تھے۔ ایک تو یہی طریقہ جو اہلِ اسلام میں رائج ہے کہ ایک شخص دوسرے کی بیٹی یا بہن کے لیے پیغامِ نکاح بھیجتا ہے اور وہ کچھ مہر مقرر کر کے نکاح کر دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جب عورت حیض سے پاک ہوتی تو اُس کا شوہر اُس کو کسی حسین و عالی نسب مرد کے پاس نطفہ حاصل کرنے کے لیے بھیجدیتا۔ وہ اس حکم کی تعمیل کرتی اور جب تک حاملہ ہو جانے کا یقین نہ ہو جاتا شوہر بیوی سے الگ رہتا۔ یہ دیّوثی اس کوشش میں اختیار کی جاتی تھی کہ اولاد حسین و نجیب پیدا ہو۔ اس عقد کو نکاح الاستبضاع کہتے تھے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ چند مرد جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی کسی عورت کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ جب وہ حاملہ ہو کر بچہ جنتی تو چند روز کے بعد سب کو بلا بھیجتی جب سب جمع ہو جاتے تو کہتی کہ یہ لڑکا تم میں سے فلاں شخص کا ہے اور جس کا نام چاہتی لے دیتی۔ پھر وہ لڑکا اس کا بیٹا کہلاتا۔ چوتھا طریقہ یہ رائج تھا کہ بہت سے مرد جن کی تعداد معین نہ ہوتی تھی، عورت کے پاس آمد و رفت رکھتے۔ وہ کسی کو آنے سے نہ روکتی۔ ایسی عورتوں کو بغایا یعنی رنڈیاں اور کسبنیں کہا جاتا تھا اس قسم کی پیشہ ور عورتیں اپنے دروازے پر جھنڈیاں

نصب کر رکھتی تھیں۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہاں روک ٹوک کے بغیر ہر شخص تعلقات پیدا کر سکتا ہے۔

جب یہ کسبن حاملہ ہو کر بچہ جنتی تو اس کے سب آشنا جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا۔ وہ جس کا لڑکا کہہ دیتا وہ اسی کی طرف منسوب ہو جاتا اور اس شخص کو اس بچے کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوتا۔ لیکن رحمت خداوندی نے ظلمت کدۂ عالم کی روحانی اور اخلاقی تاریکیاں دور کرنے کے لیے آفتاب رسالت کو طلوع فرمایا تو دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے نکاح کو بحال رکھ کر باقی تینوں قسم کے ازدواج کو بڑی سختی سے روک دیا۔ (ابوداؤد)

نکاح خدان

عرب میں عورتوں سے چوری چھپے آشنائی کرنے کا بھی رواج تھا۔ اس تعلق کو نکاح خدان کہتے تھے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں اسی طریقہ کی طرف اشارہ ہے:۔

مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (۴ : ۲۵)

مگر شرط یہ ہے کہ قید نکاح میں لائی جائیں اور نہ تو بازاری عورتوں کا سا تعلق رکھنا چاہتی ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والی ہوں۔

متعہ کا بھی رواج پایا جاتا تھا۔ یعنی کسی مدت معین کے لیے عورت سے تعلق پیدا کرتے تھے اس مدت کے گذرنے پر خود بخود علیحدگی ہو جاتی تھی۔

فعل حرام کے مقدمات سے بچنے کی تاکید

اسلام نے اپنے پیروؤں کو حرام کاری سے بچانے کے لیے اُن تمام باتوں سے بھی روکا جو اس کا پیش خیمہ ہو سکتی ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَّسَآءَ سَبِيْلًا (۱۷ : ۳۲)

اور زنا کے پاس مت پھٹکو۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بہت ہی بُرا چلن ہے۔

اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ یعنی اس کے مبادیات و مقدمات اور دواعی سے بھی بچو۔ اسلام نے ان تمام باتوں کو جو حرامکاری کی تمہید ہیں حرام قرار دیا۔ مرد و عورت کے ناجائز اختلاط کا پہلا فاسد

نظر ہے۔ لہٰذا مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم دیا کہ جب ایک دوسرے کا سامنا ہو تو دونوں اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

ظاہر ہے کہ عورتوں کی ادنیٰ سی بدعنوانی بھی مردوں کو سبقت کرنے کی جرأت دلاتی ہے۔ اس لیے خواتین پر شرافت کی چند پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ مثلاً کہ وہ نگاہیں پست رکھیں۔ غیروں کو اپنا بناؤ سنگار اور بھڑک نہ دکھائیں۔ گھر سے باہر نکلیں تو خوشبو نہ لگائیں۔ اور گھونگھٹ نکال کر نکلیں۔ اپنے زیوروں کی جھنکار کسی کو نہ سنائیں۔ مرد اور عورت مل جل کر نہ بیٹھیں۔ کوئی شخص پرائی عورت سے تنہائی میں نہ ملے۔ کوئی کسی کے گھر میں اجازت حاصل کئے بغیر قدم نہ رکھے۔

حفظ عفّت کی مختلف تدابیر

مندرجہ ذیل آداب گو رب العالمین نے اپنے پیغمبر کی بیویوں کو خطاب کر کے سکھائے ہیں لیکن یہ آداب تمام خواتین اسلام کے لیے پیروی کا نمونہ ہیں۔ خدائے برتر فرماتا ہے " اے پیغمبر کی بی بیو! تم کچھ عام اور معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہارے لیے تقوے کی راہ یہ ہے کہ (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جب کہ بضرورت بولنا پڑے تو) نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعاً) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے۔ جس کے دل میں (کسی طرح کا) کھوٹ ہو اور قاعدۂ (عفّت) کے موافق بات کہو (یعنی عورتوں کے فطری انداز کی بجائے ایسے انداز سے گفتگو کرو جس میں رُوکھا پن ہو کہ یہ حافظِ عفت ہے) اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ (جمی بیٹھی رہو) اور زمانۂ جاہلیت کے قدیم دستور کے موافق اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔ نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! خدا کو تو بس یہ منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی کو دور رکھے۔ اور تم کو (ظاہراً و باطناً) ایسا پاک صاف رکھے جیسا کہ پاک صاف رکھنے کا حق ہے۔
(۳۳: ۳۲-۳۳)

حفظ عفّت و عصمت کی قرآنی تدبیروں کی مزید تشریح پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کی احکام و مواعظ میں ملتی ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی غیر عورت

کے گھر میں اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں نہ جائے۔ اتفاقاً کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو نظر کو فوراً ہٹالو۔ عورتیں باریک لباس نہ پہنیں۔ مخنث زنانہ مکانوں میں نہ جانے پائیں وغیرہ ذالک۔

بدکار عورت سے نکاح

اسلام نے یہ بات کسی مسلمان کے لیے پسند نہیں کی کہ فاحشہ عورتوں کو ان کی توبہ نصوح سے پہلے اپنے عقد ازدواج میں لائے کیونکہ اس سے اسلامی معاشرہ کی ساری آب و ہوا مسموم ہو جاتی ہے۔ ہجرت نبوی کے بعد جو مسلمان اپنی کسی مجبوری کی بنا پر مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے۔ ان کو مدینہ منورہ تک پہنچانے کا کام حضرت مرثد غنوی رض کے سپرد ہوا تھا۔ وہ بارہا مکہ معظمہ آئے اور چوری چھپے اسیران پنجہ ظلم کو مکہ معظمہ سے نکال کر اپنے ساتھ لے بھاگے۔ عہد جاہلیت میں عناق نامی مکہ معظمہ کی ایک نہایت خوش جمال طوائف سے ان کی آشنائی تھی۔ لیکن قبول اسلام کے بعد انھوں نے اس سے تمام تعلقات قطع کر لیے تھے۔

جب حضرت مرثد رض ایک مرتبہ اسیران بلا کی رہائی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو چاندنی رات میں ایک گلی سے گذر رہے تھے۔ سوء اتفاق سے عناق نے ان کو جاتے دیکھ لیا اور آواز دی۔ عناق بڑی گرمجوشی سے ملی اور اپنے مخصوص انداز میں خوش آمدید کہتے ہوئے ان کے پاس شب باش ہونے کی خواہش کی۔ حضرت مرثد رض نے فرمایا کہ وہ زمانہ گیا۔ اب میں بحمداللہ مسلمان ہوں اور اسلام میں پرائی عورت سے اختلاط کرنا حرام ہے۔ عناق نے عشوہ و ناز کے بہتیرے تیر چلائے مگر وہ ان کا دامن تقویٰ اس معصیت سے آلودہ نہ کر سکی اور وہ بیرخی برتتے ہوئے چلے گئے۔

اس سرد مہری پر عناق کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور وہ شور و غل مچانے لگی۔ اب قریش کے آٹھ آدمیوں نے مرثد رض کا تعاقب شروع کیا۔ لیکن چونکہ وہ جاکر پہاڑ کے غار میں چھپ گئے اس لیے ان کا سراغ نہ مل سکا۔ وہ غار سے نکل کر صحیح سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئے اور تمام واقعات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار کرنیکے بعد عرض پیرا ہوئے

یارسول اللہ! عناق سے نکاح کرنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا اور وحی الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔

اس کے بعد قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۴:۳)

بدکار مرد تو بدکار عورت یا مشرکہ ہی سے نکاح کریگا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک کے سوا اور کوئی نکاح میں نہ لائے گا اور (دیندار) مسلمان پر تو ایسے تعلقات حرام ہیں۔

اس فرمان خداوندی کی بنا پر آپ نے حضرت مرثدؓ کو عناق سے نکاح کرنے کی اجازت نہ دی۔ (نسائی و تاریخ ابن جریر طبری)

متذکرہ ہدایات صدر کا منشاؤ مقصد یہ ہے کہ مسلم گھرانوں کی معاشرت عفت اور پاکدامنی کا گہوارہ ہو۔ اسلام نے صرف انھی اخلاقی تعلیمات پر بس نہیں کی بلکہ ان حرمان نصیبوں کے خلاف جو مسلمانوں کی عزت وناموس کو داغدار اور سلسلۂ نسب کو ناپاک کریں شرعی ثبوت کے بعد جسمانی سزا بھی مقرر فرمائی تاکہ غیر متقی لوگوں کو بھی کم از کم اس کا خوف ہی پاک زندگی بسر کرنے پر مجبور کرے۔ یہ سزا شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ یہ دُنیوی سزا ہے۔ لیکن آخرت میں جو دردناک عذاب ہوگا اس کا تصور بھی سخت روح فرسا ہے۔

حرام کاری کا برزخی عذاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنا ایک خواب بیان کیا جس میں آپ نے مختلف گناہوں پر عذاب کی مختلف دردناک اور عبرت ناک صورتیں دیکھیں۔ ان میں بدکاروں کے عذاب کی یہ صورت تھی کہ تنور کا سا ایک سوراخ تھا جس کا بالائی حصہ تنگ اور حصۂ زیرین کشادہ تھا۔ اس تنور میں آگ روشن تھی اور اس میں بہت سے برہنہ مرد اور برہنہ عورتیں موجود تھیں۔ جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا تھا تو یہ لوگ بھی شعلے کے ساتھ ساتھ اوپر آجاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باہر نکل آئیں گے۔ لیکن جب آگ فرو ہوتی تو یہ پھر اندر گر

پڑھتے تھے۔ (بخاری)

شبِ معراج کے واقعات میں مذکور ہے کہ آپ ایسے لوگوں کے پاس پہنچے۔ جن کے پاس ہنڈیا میں پکا ہوا نفیس گوشت رکھا تھا اور دوسری ہانڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت تھا۔ صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ لوگ پکے ہوئے نفیس وخوش ذائقہ سالن کی طرف التفات نہیں کرتے بلکہ پاس کا کچا متعفن گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے کہا یہ آپ کی اُمت کے وہ مرد ہیں جن کے گھر میں حلال طیّب بیوی موجود ہے لیکن یہ اس کو چھوڑ کر پرائی ناپاک عورت کے پاس جاتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں میں ایسی عورتیں بھی ہیں جو اپنے حلال طیّب شوہر کو چھوڑ کر کسی ناپاک مرد کے پاس جاتی ہیں (طبرانی وبزاز)

اہلِ معصیّت کا اپنے تئیں حدّ شرعی کے لیے پیش کرنا

تربیت یافتگانِ رسول امین کے تقویٰ وطہارت اور خشیت الٰہی کا تو کیا کہنا۔ عہد نبوی کے عام مسلمانوں کا دل بھی ارتکاب معصیت پر غم واندوہ کا آتش کدہ بن جاتا تھا۔ اور اُس وقت تک اس کی تسکین خاطر نہیں ہوتی تھی جب تک وہ حد شرعی کی کٹھالی میں تپا کر اپنے آپ کو پاک نہ کر لیں۔ ایک مرتبہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص پکار کر کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔" آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ اُس طرف سے آپ کے سامنے آکر وہی لفظ زبان پر لایا جدھر کو آپ نے رُخ انور کیا تھا۔ آپ نے پھر رخ گردانی کی۔ وہ پھر اس طرف آموجود ہوا اور بولا یا رسول اللہ! میں حرام کاری کا مرتکب ہوا ہوں۔

آپ نے اُس سے فرمایا کیا تمھیں سودا وجنون تو نہیں ہے؟ کہنے لگا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تم محصن (شادی شدہ) ہو؟ کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے حکم دیا کہ اس کو لے جا کر سنگسار کر دو۔ چنانچہ وہ سنگسار کر دیا گیا۔ (بخاری ومسلم) بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بھلائی کے ساتھ اُس کا ذکر کیا اور اُس پر نماز جنازہ پڑھی۔

ماعز بن مالک کا حادثۂ رجم

نعیم بن ہزّال کا بیان ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی نے حالت یتیمی میں میرے والد ہزال بن یزید اسلمی کے حجر تربیت میں پرورش پائی تھی۔ آخر وہ قبیلے کی ایک لونڈی سے حرام کاری کا مرتکب ہوا۔ لیکن وہ اپنی اس حرکت پر بہت پچھتایا۔ میرے والد اس سے کہنے لگے کہ تم آستان نبوت میں جاؤ اور یہ واقعہ حضور کی گوش گذار کرو۔ عجب نہیں کہ آنحضرت صلعم تمھارے لیے استغفار کر دیں۔ اس کو بارگاہ نبوی میں بھیجنے سے میرے والد کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ اس کے رجم کا حکم دیں (ابوداؤد)

ماعز نے آستان نبوت میں حاضر ہو کر گذارش کی یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ جاؤ اللہ سے استغفار کرو اور توبہ و انابت کو اس کی درگاہ میں شفیع لاؤ۔ ماعز تھوڑی دور جا کر لوٹ آیا اور عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے مکرر فرمایا کہ جاؤ اور بارگاہ ایزدی میں توبہ استغفار کرو۔ وہ چلا آیا لیکن سہ بارہ بارگاہ نبوی میں جا کر عرض کرنے لگا کہ مجھے پاک کر دیجئے۔ (وہ پاک سرشت یہ سمجھ رہا تھا کہ سنگسار ہوئے بغیر حقیقی طہارت حاصل نہیں ہو سکتی) جب چار مرتبہ ایسا ہی ہوا تو آپ نے پوچھا کہ میں تمھیں کس چیز سے پاک کر دوں؟ بولا زنا کے گناہ سے۔ آپ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ اس کو جنون تو نہیں؟ انھوں نے گذارش کی یا رسول اللہ! اس کو ہرگز جنون نہیں۔ فرمایا کیا یہ مخمور تو نہیں ہے؟ یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کے منہ کی بو سونگھی۔ لیکن اسے شراب کی بو کچھ محسوس نہ ہوئی۔ آپ نے ماعز سے پوچھا کیا تم نے واقعی زنا کیا ہے؟ بولا ہاں (مسلم)

اب آپ نے اس سے فرمایا شاید تم نے اس کا بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ لگایا ہوگا یا اس کی طرف (بد نظری سے) دیکھا ہوگا؟ کہنے لگا نہیں (آپ نے صاف لفظوں میں) پوچھا کیا تو نے اس سے جماع کیا ہے؟ بولا ہاں۔ یہ سن کر آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیدیا (بخاری) آپ نے ہزّال سے فرمایا کہ اگر تم ماعز کو اپنے کپڑے سے ڈھانکتے (پردہ پوشی کرتے) تو

تمھارے لیے بہتر تھا (ابوداؤد) ماعزؓ کے حادثہ رجم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایک مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ماعزؓ بن مالک کے لیے استغفار کرو۔ اُس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ امت میں تقسیم کی جائے تو سب کو کفایت کرے (مسلم)

ماعزؓ کے داخلۂ جنت کی بشارت

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ماعزؓ کے سنگسار کئے جانے کے بعد شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابیوں کی گفتگو سنی۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اس شخص کی طرف دیکھو کہ اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس کا نفس اس کو برانگیختہ کرتا رہا یہاں تک کہ آخرکار اس کو اس طرح سنگسار کرا کے چھوڑا جس طرح کتے پر پتھراؤ کیا جاتا ہو۔ اس وقت تو آپ خاموش رہے لیکن آگے بڑھے تو وہاں ایک مرا ہوا گدھا پڑا تھا کہ بہت پھول جانے کے باعث اس کے پاؤں اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے آپ نے ان دونوں صحابیوں سے فرمایا کہ جاکر اس مُردار گدھے کا گوشت کھاؤ۔ انھوں نے کہا اے نبی اللہ! یہ تو کھانے کے قابل نہیں۔ آپ اس کے کھانے کو کیوں فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ تم نے جو ابھی اپنے بھائی کی آبروریزی کی وہ تو مُردار کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اور مجھے اسی ذات برتر کی قسم ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ ماعزؓ اس وقت بہشت کی نہروں میں رحمت ومسرت سے ہمکنار ہے (ابوداؤد)

قبیلۂ غامد کی ایک عورت کا سنگسار کیا جانا

ماعزؓ کے حادثہ رجم کے بعد ایک غامدی عورت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر عرض پیرا ہوئی یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ اس کی یہ عرضداشت آپ کو ناگوار ہوئی اور فرمایا جا اور جاکر استغفار کر اور اللہ کی طرف انابت ورجوع کر۔ کہنے لگی یا رسول اللہ کیا آپ مجھے بھی اسی طرح پھیر پھیر دینا چاہتے ہیں۔ جس طرح آپ نے ماعزؓ بن مالک کو لوٹا دیا تھا؟ اور میری یہ حالت ہے کہ میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو زنا سے حاملہ ہے؟ بولی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی جا اور اُس وقت تک انتظار کر جب تک وضع حمل نہ ہو جائے ایک انصاری نے اس کی خبرگیری کا ذمہ لیا۔

کچھ مدت کے بعد انصاری نے آکر عرض کی یارسول اللہ! غامدیہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے آپ نے فرمایا بالفعل ہم اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اسے اس وقت تک چھوڑے رکھیں گے جب تک اس کے دودھ پلانے کا کوئی انتظام نہ ہو جائے۔ یہ سن کر ایک انصاری بزرگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا نبی اللہ اس کی رضاعت میرے ذمہ ہے اب آپ نے عورت کے رجم کا حکم دے کر فرمایا کہ اس کے لیے گڑھا کھودا جائے۔ چنانچہ اس کے سینے تک گڑھا کھودا گیا اور آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جا کر سنگسار کریں۔ چنانچہ سنگسار کر دی گئی۔

حضرت خالد بن ولید نے بھی سلسلہ سنگ باری میں ایک پتھر پھینکا جو اس کے سر پر پڑا اور خون نکل کر خالدؓ کے چہرے پر پڑا۔ خالدؓ اس عورت کو برا کہنے لگے۔ یہ دیکھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالد! بدگوئی سے باز رہو۔ مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظلم سے محصول وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے تو وہ بھی بخشا جائے۔ اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (مسلم) دوسری روایت میں حضرت عمر فاروقؓ نے کہا یارسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے ایسی عورت پر نماز پڑھی ہے جو حرام کاری کی مرتکب ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ راہ خدا میں جاں سپاری سے بڑھ کر اس نے کوئی چیز نہیں پائی۔ یعنی اس کی حرام کاری کسی کو معلوم نہیں تھی۔ اس نے خوفِ خدا سے خود آکر اس کا اقرار کیا اور اپنی جان پر کھیل گئی۔

اقبال جرم میں عورت کی دینداری

مروی ہے کہ دو شخص جھگڑتے ہوئے بارگاہ نبوت میں آئے۔ ایک شخص کہنے لگا یا رسول اللہ! میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری پر لگا تھا۔ اس نے اس شخص کی بیوی سے حرام کاری کی۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا بیٹا سنگسار ہوگا۔ میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے اس کے معاوضہ میں اس کو سو بکریاں اور اپنی ایک لونڈی دے دی۔ اس کے بعد میں نے اہل علم سے استفسار کیا تو مجھے بتایا گیا کہ چونکہ تمہارا بیٹا کنوارا ہے اس لیے

اسس کو رجم نہیں بلکہ سَو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن ہوگا۔ اور اسس شخص کی بیوی سنگسار ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا تمہاری بکریاں اور لونڈی واپس ملیں گی۔ البتہ تمھارے بیٹے کو سو دُرے مارے جائیں گے اور سال بھر کے لیے خارج البلد رہے گا۔

اس کے بعد آپ نے ایک صحابیؓ اُنیس بن ضحاک اسلمیؓ سے فرمایا کہ اُس عورت کے پاس جاؤ۔ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگسار کردو۔" انھوں نے جاکر اس عورت سے کہا کہ فلاں شخص کے بیٹے نے تم پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ اگر وہ اس تہمت میں جھوٹا ہے تو تم اس پر حدِ قذف لگوا سکتی ہو اور اگر تم زنا کا اقرار کرو تو اس پر حدِ قذف واجب نہ ہوگی بلکہ تم کو سنگسار کیا جائے گا۔" لیکن اُس عورت نے کمال دینداری سے جواب دیا کہ اس نے تہمت نہیں لگائی بلکہ مجھے اپنے جرم کا اعتراف ہے اور واقعی مجھے رجم کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ اُنیس رضؓ نے اس کو سنگسار کر دیا۔ (بخاری و مسلم معہ شرح نوویؒ)

ہاتھ کٹنے پر شکرِ الٰہی

یہاں موقع کی رعایت سے ضمناً ایک اور سبق آموز واقعہ بھی حوالۂ قرطاس کیا جاتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک شخص عمرو بن سمرہ بن جُندب عشمی نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر گذارش کی یا رسول اللہ! میں نے فلاں قبیلہ کا اونٹ چرایا۔ میرا ہاتھ کاٹ کر مجھے اس گناہ سے پاک کر دیجئے۔ آپ نے اُس قبیلہ میں آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ کیا تمھارا کوئی اُونٹ چوری ہوگیا ہے؟ اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ واقعی ہمارا ایک اونٹ مفقود ہے آپ نے قطع ید کا حکم دیا اور عمرو بن سمرہ کا ہاتھ قطع کیا گیا۔ ثعلبہ کا بیان ہے کہ میں اس وقت دیکھ رہا تھا۔ جب عمرو کا ہاتھ کٹ کر گرا۔ عمرو (جزع و فزع کرنے کے بجائے) کہنے لگا۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اس گناہ سے پاک کیا ورنہ میرا سارا بدن دوزخ میں جلتا۔ (ابن ماجہ)

عہدِ رسالت کے مسلمانوں کی قوت ایمانی

ان واقعات سے عہدِ رسالت کے مسلمانوں کی قوت ایمانی کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ

فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے بھی طہارت نفس حاصل کئے بغیر کس درجہ بے چین رہتے تھے۔ ان وقائع سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ پاکیزگی روح کے مقام رفیع پر دوبارہ پہنچنے کے لیے حد شرعی کی ہولناکی ان کی راہ میں قطعاً حائل نہیں ہوتی تھی۔

یہودیوں میں زنا کی سزا

دنیا میں دین مصطفوی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) ہی وہ پہلا دین نہیں جس نے دنیا کو رجم کی سزا سے متعارف کرایا بلکہ یہ سزا قرون اُولیٰ سے چلی آتی ہے۔ یہودیوں میں تورات کے رُو سے زانی کی سزا رجم ہی تھی لیکن جب سے وہ حکومت وجہانبانی کی سرفرازی سے محروم ہوئے اور کوئی سلطنت اجرائے حدود میں ان کی معاون اور پشت پناہ نہ رہی تو ان کا قانون رجم بھی عملاً ختم ہوگیا۔ اطراف مدینہ میں جو یہودی آباد تھے رجم کے بجائے انھوں نے یہ سزا مقرر کر رکھی تھی کہ مجرم کا منہ کالا کر کے کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے اور اس کو مارتے پیٹتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب عنانِ اختیار حضرتِ سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آئی تو یہودی ایک مرد اور ایک عورت کو آپ کے پاس لائے اور کہنے لگے کہ یہ دونوں حرام کاری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آپ ان کو اس کی سزا دیجئے۔ آپ نے پوچھا کہ تورات میں زانی کی سزا کیا لکھی ہے؟ انھوں نے کہا ہم حکم تورات کے بموجب زنا کرنے والوں کو فضیحت کرتے اور دُرّے مارتے ہیں۔ یہود کے اعلم العلماء حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو ہجرت کے معاً بعد مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اُن سے کہنے لگے تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ تورات میں تو رجم کا حکم ہے۔ وہ تورات لائے اور اس کو کھولا اور ایک یہودی نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس کو چھپا دیا۔ اور ماقبل اور مابعد کی عبارت پڑھ کر سنانے لگا۔ عبداللہ بن سلام رضؓ نے کہا اپنا ہاتھ اُٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اُٹھایا تو رجم کی آیت موجود تھی۔ یہودی کہنے لگے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) عبداللہ نے سچ کہا۔ اس میں رجم کی آیت موجود ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے رجم کا حکم دیا اور وہ سنگسار کئے گئے۔ (بخاری ومسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے رجم کی آیت نکال کر سنائی

تو آپ نے فرمایا خداوندا! یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں۔ جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا" چنانچہ وہ سنگسار کئے گئے۔ (ابوداؤد باب رجم الیہودیین)

موجودہ بائبل میں سنگسار کرنے کا حکم

باوجودیکہ بائبل ہمیشہ اہل کتاب کی تحریفات کا تختۂ مشق بنی رہی تاہم اس میں اب بھی زانی کے لیے قتل وسنگسار کا حکم موجود ہے۔ احبار میں ہے۔" اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو سے زنا کرے وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کئے جائیں۔" (احبار ۲۰:۱۰) اور بائبل کی کتاب استثناء میں ہے۔

اگر لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں پائی نہ جائیں تو وہ اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں اور اُس کی بستی کے لوگ اس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مرجائے کیونکہ اُس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں حرام کاری کی۔ سو تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کیجیو۔

اور اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ مرد جس نے اُس عورت سے صحبت کی اور عورت بھی۔ سو تو بنی اسرائیل میں سے شر کو دفع کیجیو۔ جو لڑکی کہ کنواری ہے اور وہ کسی کی منگیتر ہو اور کوئی اور شخص اُسے شہر میں پا کے اُس سے ہم صحبت ہو تو تم اُن دونوں کو شہر کے دروازے پر نکال لاؤ اور تم ان پر پتھراؤ کرو کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے ہمسائے کی جورو کو رسوا کیا۔ سو تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کیجیو۔

(استثناء ۲۲:۲۰-۲۴)

اسلام میں زنا کی سزا بن بیاہے کے لیے سو دُرے اور بیاہے کے لیے رجم ہے لیکن بائبل کے اُن مندرجات سے جو ابھی سپردِ قرطاس ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ موسوی شریعت میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کے لیے بلاتفریق رجم کی سزا مقرر

تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تفریق بہت سے مصالح و حکم پر مبنی ہے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں۔ یاد رہے کہ قرآن میں بھی رجم کی سزا منصوص تھی لیکن بقول حضرت عمرؓ اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ (صحیح بخاری رجم المحصن)

رجم کی مشروعیت کا انکار کرنے والے

بعض لوگ سزائے رجم کی مشروعیت کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں موقع کی رعایت سے حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی ایک پیشین گوئی درج کی جاتی ہے جو شاہ ولی اللہؒ نے کتاب "ازالۃ الخفاء" میں قلمبند کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے خطبہ دیا جس میں فرمایا لوگو! اس اُمت مرحومہ میں ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو دجال کے ظہور اور آفتاب کے مغرب سے طلوع کرنے اور محصنِ زانی کے لیے رجم کی سزا کے مشروع ہونے کا انکار کریگی (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۸۱)

فصل ۳۲

حرام کاری کی کمائی کھانا

عہد جاہلیت کے بعض عرب رؤسا اپنی لونڈیوں سے بدکاری کراتے اور اس کی آمدنی کھاتے تھے۔ جب ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرکے ارض یثرب کو اپنے قدوم سے رشک فردوس بنایا اور اسلامی تعلیمات کا گھر گھر چرچا ہوا تو ان ایام میں وہاں کے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کے پاس چھ لونڈیاں تھیں جن سے وہ پیشہ کراتا اور اسکی آمدنی کھاتا تھا۔

مظلوم لونڈیوں سے صدیق اکبرؓ کی عملی ہمدردی

ان میں سے دو لونڈیاں مسیکہ اور امیمہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت سے متاثر ہوکر مشرف باسلام ہوگئیں اور بدکاری سے انکار کر دیا۔ لیکن رئیس المنافقین نے مار پیٹ کرا کے انھیں اس شناعت پر مجبور کیا۔

جب افضل المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لونڈیوں کی مظلومی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے ترس کھا کر انھیں اپنے زنانخانہ میں چھپا دیا۔ رئیس المنافقین نے سنا تو بہت غل مچایا۔ اور ان کے در دولت پر پہنچ کر کہنے لگا کہ ہماری لونڈیوں کو بہکانے اور پناہ دینے کا تم کو کوئی حق نہیں۔ مگر انھوں نے ایک نہ سُنی۔ اس وقت کلام مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۲۴: ۲۳)

اور اپنی لونڈیوں کو جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں دنیا کے عارضی فائدے کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو (صحیح مسلم باب التفسیر وتفسیر ابن کثیر)

اس سلسلہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کو جرم قرار دینے کے علاوہ بچہ اسی کا

قرار دیا جس کی وہ مملوکہ تھی اور برملا کہہ دیا کہ زانی کو خاک اور پتھر کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔

حضرت سعدؓ اور عبد بن زمعہ کی منازعت

مروی ہے کہ عُتبہ بن ابی وقّاص نے مرتے وقت اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرے نطفہ سے ہے۔ تم اسے لے کر اپنے پاس رکھنا۔ چنانچہ جب لشکرِ اسلام فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوا تو حضرت سعدؓ نے یہ کہہ کر اُس لڑکے کو لے لیا کہ یہ میرے بھائی کی اولاد ہے۔ اس نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں اس کو اپنی کفالت میں لے لوں۔" زمعہ اُم المومنین حضرت سودہؓ کے والد کا نام تھا۔ حضرت سودہؓ کے بھائی عبد بن زمعہ نے حضرت سعدؓ سے لڑکا واپس لینا چاہا۔ اور کہا کہ یہ لڑکا میرا بھائی ہے۔ کیونکہ یہ میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے۔

آخر دونوں نے فصلِ خصومت کے لیے بارگاہ نبوی کی طرف رجوع کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ میرے بھائی عتبہ کا بیٹا ہے۔ اُس نے مرتے وقت اس لڑکے کے لیے وصیت کی تھی۔ حضرت عبد بن زمعہؓ نے اس کے جواب میں کہا یا رسول اللہ! چونکہ یہ لڑکا میرے باپ کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے میرا بھائی ہے اور میں اس کا مستحق ہوں۔" آپ نے فریقین کے بیانات سن کر عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا کہ بچہ ماں کے آقا کو ملتا ہے۔ اور زانی کو پتھر کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ مگر اس لحاظ سے کہ وہ لڑکا شکل وصورت میں عتبہ بن ابی وقاص سے ملتا جلتا تھا آپ نے اُم المومنین حضرت سودہؓ سے فرما دیا کہ تم اس لڑکے کو بھائی نہ سمجھنا اور اس کے سامنے کبھی نہ ہونا۔ چنانچہ جب تک اُمّ المومنین قیدِ حیات میں رہیں اس لڑکے سے غیر محرموں کی طرح چھپتی رہیں۔ (موطائے امام مالکؒ)

اُم المومنین حضرت سودہؓ نے خلافت فاروقی کے آخر میں داعیٔ حق کو لبیک کہا تھا۔

فصل ۳۳

حریفانِ معرکہ سے ظالمانہ برتاؤ

ظہور اسلام سے پہلے حریفانِ معرکہ سے نہایت بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قریش مکہ نے جو بت پرست تھے۔ غزوۂ اُحد میں مسلمان شہیدوں کے ناک کان کاٹ ڈالے تھے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو اس قسم کے وحشیانہ افعال کی سختی سے ممانعت کی اور فرمایا کہ مومن قتل کرنے میں سب سے بہتر ہے (ابوداؤد) یعنی مومن کی شان سے بعید ہے کہ دشمن کو اذیتیں دے دے کر مارے یا غیر انسانی اور غیر شریفانہ برتاؤ برتے۔ کسی کو وحشیانہ طریق سے قتل کرے یا قتل کرنے کے بعد مقتول کے ناک کان کاٹے یا پیٹ چاک کرے۔

مسلم سپہ سالار کو اپنی غلطی پر ندامت

غیر مسلموں میں ہمیشہ سے معمول چلا آیا ہے کہ حریفِ معرکہ یا دشمنِ مذہب کو ایسی بری طرح عذاب دے دے کر مارتے ہیں کہ جذبات غضب و انتقام کو پوری طرح تسکین ہو۔ لیکن اسلام ایسی بہیمانہ انتقام جوئی کو قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ ایک معرکہ میں سیف اللہ خالدؓ بن ولید کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن سپہ سالار کے سامنے چار واجب القتل اعدائے دین پیش کئے گئے اور ان سے دریافت کیا گیا کہ ان کو کس طرح ہلاک کیا جائے۔

عبدالرحمٰن نے حکم دیا کہ ان کو باندھ کر تیروں سے بے جان کر دو۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ کو اس وقعہ کا علم ہوا تو وہ عبدالرحمٰنؒ کے پاس گئے اور فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوایوبؓ کہنے لگے کہ مجھے اُس

خالقِ کردگار کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ تو انسان تھے۔ اگر مُرغی بھی ہوتی تو اس کا اس طرح بے رحمی سے مارا جانا مجھے گوارا نہ ہوتا۔" عبدالرحمٰن کو اپنی فروگذاشت پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے کفارہ کے طور پر چار غلام خرید کر آزاد کیے۔ (ابوداؤد)

دشمن کے ناموس کی بربادی

زمانۂ جاہلیت میں صرف یہی نہیں کہ فاتحین قبیلہ مفتوحہ کی عورتوں کے مالک ہو جاتے تھے بلکہ سب سے زیادہ ہولناک و زہرہ گداز منظر یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ عین میدانِ جنگ کے وسط میں مفتوحین کے ناموس بھی برباد کر دیتے۔ چونکہ اس کی تفصیل میں جانا سخت اندوہناک اور شرمناک ہے اس لیے محض اشارہ پر اکتفا کیا گیا۔ ناموس کی بربادی اس حالت میں وقوع پذیر ہوتی جبکہ مفتوحین کی بیبیاں حسن و جمال میں ممتاز حیثیت کی مالک ہوتی تھیں لیکن وہ اس جوہر سے آراستہ نہ ہوتیں تو بعض اوقات فاتحین اپنے مفتوحین کی عورتوں اور بچوں کو نذرِ آتش کر دیتے تھے۔ (تاریخ اخلاق اسلامی بحوالہ مجمع الامثال میدانی جلد اول صفحہ ۲۶۷)

عورتوں بچوں اور بڈھوں کی ایذا رسانی کی ممانعت

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی میں عورتوں، بچوں، بڈھوں اور راہبوں کی جان ستانی کی ممانعت فرمائی۔ اسی طرح دشمن کی فوج کے ساتھ رہنے والے مددگار مثلاً نائی، دھوبی، باورچی، سقّہ، بھنگی، بیلدار، سائیس وغیرہ پر جنھیں انگریزی میں فالوئرز (Followers) کہا جاتا ہے ہاتھ اُٹھانے سے بھی منع فرمایا۔ البتہ اگر ان پیشہ ور مزدوروں میں سے کوئی شخص دشمن کی حمایت میں لڑتا ہو تو اُس کی سرکوبی میں مضائقہ نہیں۔

مروی ہے کہ ایک معرکہ میں ایک غیر مسلمہ حضرت خالد بن ولید کی غلطی سے قتل ہو گئی۔ لوگ اس کی لاش کے پاس جمع ہو گئے۔ جب مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کی لاش پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضی

اور تاسّف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب یہ لڑی نہ تھی تو قتل کیوں کی گئی؟! اسکے بعد آپ نے حضرت خالدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ اللہ کے رسول نے تم کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے بچوں اور ان کی عورتوں کو اور مزدوروں کو جو لڑنے والوں کے کام کاج کرتے ہیں مت مارو (ابن ماجہ)

صفوانؓ بن غسّال کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک قریہ میں روانہ فرمایا۔ آپ نے رخصت کرتے وقت ہمیں جو ہدایات دیں ان میں یہ بھی ارشاد تھا کہ دشمن میں سے کسی کے ناک کان نہ کاٹنا۔ عہد شکنی نہ کرنا۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔ غنیم کے کسی بچے، عورت اور بڈھے کو نہ مارنا (ابن ماجہ)

دشمن کو دھوکا دے کر ہلاک کرنے کی ممانعت

رحمت عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو دھوکا دے کر ہلاک کرنے سے بھی منع کیا چنانچہ فرمایا کہ مومن کو اُس کے ایمان نے اس امر سے روک دیا ہے کہ دشمن کو غافل پا کر دھوکے سے قتل کرے۔ خبردار کوئی مسلمان ایسا نہ کرے (ابو داؤد) عہد جاہلیت میں معمول تھا کہ دشمن پر بے خبری اور غفلت کی حالت میں جا پڑتے تھے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے تھے اور عہد حاضر میں بھی مغرب کی نام نہاد مہذب قوموں میں دستور ہے کہ دشمن پر رات کے وقت حالت غفلت میں حملہ کیا جاتا ہے۔ اس تاخت کو شبخون کہتے ہیں۔ چونکہ اس وقت دشمن لڑائی کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اس کارروائی سے اس کے آرام میں خلل انداز ہو کر اس کو بدحواسی اور اضطراب میں ڈالنا ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آپ کا معمول تھا کہ دن نکلنے کے بعد ایسے وقت میں مقابلہ کا قصد فرماتے تھے جبکہ غنیم بھی اچھی طرح تیار ہو لیتا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے اذا اتی قوما لم یغر حتی یصبح (غزوات میں سنت نبوی یہ تھی کہ دشمن کے سر پر رات کو پہنچ جاتے تو بھی دن نکلنے سے پہلے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے)۔

فصل ۳۴

خدا تک پہنچنے کیلئے وسائط کی تلاش

خدائے بے چوں و بے چگون کی ہستی کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ملل و ادیان کے سامنے ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست تعلق پیدا ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتا ہے تو کیونکر؟ اس ضرورت کے پیش نظر تمام مذاہب نے درمیانی واسطے اور ذریعے قائم کر رکھے تھے اور لوگ، نام نہاد اوتاروں، فرضی دیوتاؤں اور پیروں کا سہارا ڈھونڈتے تھے۔ لیکن اسلام نے آکر بتایا کہ خالق اور اس کے بندوں کے بیچ میں کوئی درمیانی واسطہ نہیں۔ خدائے علیم ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر شخص براہ راست خدا کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں پیش کر سکتا ہے۔ مالک الملک کا دربار توسط، شفاعت اور رسمی سفارش سے مبرّا ہے۔ وہ ہر شخص کے پاس ہے اور ہر شخص کی فریاد اور التماس براہ راست سنتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (اور فرمایا) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ

(۲: ۱۸۶)

ہم انسان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں (اے پیغمبر) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو میری طرف سے کہہ دیجئے کہ میں ان کے قریب ہوں اور جب کبھی کوئی مجھ سے دعا کرے تو میں دعا کرنیوالے کی دعا کو سنتا اور مناسب ہوتا ہے تو قبول بھی کر لیتا ہوں۔ سو ان کو چاہیئے کہ میرے احکام قبول کر لیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ رُشد و فلاح حاصل کر سکیں۔

فصل ۳۵

خدا کو بندوں کی عبادت کا حاجتمند سمجھنا

مذاہب و ادیان سابقہ کے پیرو برابر اس غلط فہمی کا شکار چلے آتے تھے کہ عبادت کا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی فرمانروا نے اپنے کسی اہل کار کی اطاعت مندی اور وفاشعاری کی آزمائش کے لیے حکم دیا کہ وہ تمام رات ایک ہاتھ اٹھا کر کھڑا رہے۔ اس حکم میں نہ بادشاہ یا اہلکار دونوں میں سے کسی کا کوئی نفع نہیں محض نوکر کی اطاعت و فرمان پذیری کا امتحان ہے۔ اسی طرح لوگوں نے سمجھ رکھا تھا کہ ہم جو احکام شرعیہ بجا لاتے ہیں تو اس سے محض امتثال امر مقصود ہے۔ بندے امتثال امر میں جس قدر دکھ اٹھائیں خدا اسی قدر زیادہ ہم سے خوش ہوتا ہے۔ ہاتھ کو ہوا میں معلق رکھ کر خشک کر دینا۔ چلے کھینچنا شادی نہ کرنا، تمام عمر جوگی بن اور رہبانیت میں بسر کرنا، اس قسم کی جو باتیں ہندوؤں، عیسائیوں اور دوسرے مذاہب میں پائی جاتی ہیں سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے۔

لیکن اسلام نے آج سے چودہ صدیاں پہلے ہی یہ راز فاش کر دیا تھا کہ خدا کو بے نیاز کو لوگوں کی عبادت کی کوئی احتیاج نہیں۔ چنانچہ فرمایا:-

مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ — جو کوئی محنت اٹھاتا ہے وہ اپنے لیے اٹھاتا ہے۔ خدا تو تمام عالم سے بے نیاز ہے۔

اور یہ بھی جتلا دیا کہ عبادت اور اطاعت سے خود انسان کو نفع پہنچتا ہے اور مالک الملک نے عبادت اور تکلیفات شرعیہ کا جو حکم دیا ہے اس میں خود انسان کا اپنا فائدہ ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا (۴۱: ۴۶) — جو نیک عمل کرتا ہے تو خاص اپنے بھلے کے لیے اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ — اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک اور

مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ سُتھرا رکھنا چاہتا ہے اور نیز یہ چاہتا ہے کہ تم پر انعام پورا
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵:۶) کرے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

رب العالمین نے ہر ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان فرمائے ہیں
مثلاً نماز کی نسبت فرمایا:۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے۔

روزے کی نسبت فرمایا:۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ متقی بن جاؤ۔

حج کی نسبت فرمایا:۔

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (۲۲ : ۲۸) اور سفر حج سے اُن کا یہ مقصود ہو گا کہ اپنے دینی و دنیوی
فوائد کے لیے آموجود ہوں ❖

فصل ۳۶

خلاف وضع فطرت جرائم کا ارتکاب

سرزمین عرب میں اغلام اور دوسرے افعال خلاف وضع فطرت کا بھی رواج تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک اُموی کہا کرتا تھا کہ اگر خدا نے قرآن مجید میں آل لوط کا ذکر نہ کیا ہوتا تو یہ بات میرے خیال میں بھی نہ آتی کہ کوئی شخص ایسا بھی کر سکتا ہے۔" ولید کے اس قول سے ایک مصنف نے استنباط کیا ہے کہ اہل عرب اغلام وغیرہ قسم کے افعال سے بالکل ناآشنا تھے مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ شاہزادوں کا ماحول عوام الناس کے ماحول سے بالکل جدا ہے۔ شاہزادوں کو شروع سے ایسی کڑی نگرانی میں رکھا جاتا ہے کہ لفنگاپن کی باتیں ان کے کانوں میں نہیں پڑتیں۔ اس لیے ولید کا اس فعل کے وجود سے خالی الذہن رہنا جائے تعجب نہیں۔

اغلام کی سزا

عرب میں اغلام وغیرہ کا افعال کا وجود پایا جاتا تھا اور پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرابی کی اصلاح فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو لوط علیہ السلام کی امت کا سا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ابن عباس رضہ اور ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم لوط کا سا عمل کرنے والا ملعون ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ رزین) حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے لواطت کے فاعل اور مفعول پر دیوار گرا دینے کا حکم دیا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے عہد خلافت میں دونوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

بیہقی نے روایت کی ہے کہ خلافت صدیقی میں امت لوط کا سا عمل کرنے والا گرفتار ہو کر ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے ان کی رائے دریافت

کی۔حضرت علیؓ نے یہ رائے دی کہ ان کو آگ میں جلایا جائے۔ابن عباسؓ کے نزدیک ایسے مجرموں کو پہاڑ یا کسی دوسرے بلند مقام سے اوندھا گرایا جائے۔پھر پتھروں سے ان کو کچلا جائے۔حسب روایت بیہقی امیرالمومنین علیؓ نے اپنے ایام خلافت میں ایک لوطی کو سنگسار کرایا۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک لوطی سنگسار کیا جائے۔شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں کی یہی سزا ہے۔امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے۔ورنہ کوڑے مار کر جلا وطن کر دیں۔امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک حاکم مقتضائے وقت کے بموجب جو سزا مناسب خیال کرے دے۔لیکن یاد رہے کہ مفعول کو اسی صورت میں سزا دی جائے گی جب کہ اُس پر جبر نہ ہوا ہو یا وہ بالغ ہو۔

بیویوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ بعض عرب اپنی بیویوں سے بھی قوم لوطؑ کا سا عمل کرتے ہوں گے اس خبث کے ازالہ کے لیے مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل اُس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں کرتا جو کسی مرد یا عورت سے اس کی مقعد میں بدفعلی کرے اور فرمایا ملعون ہے۔وہ شخص جو اپنی بیوی سے اس کی دبر میں جماع کرے (احمد و بزار) اور فرمایا جو کوئی حائضہ عورت سے یا کسی عورت کی دبر میں جماع کرے یا نجومی کی بات کو سچ جانے اُس۔نے اُس کا انکار کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُترا (ترمذی ابوداؤد) اور فرمایا عورتوں سے ان کی دبر میں جماع مت کرو (احمد، ترمذی، نسائی)

حیوان کے ساتھ

بعض حرماں نصیب غلبۂ شہوت میں اندھے ہو کر شرف و مجد انسانی کو ہی بھول جاتے تھے اور اس ناگفتہ بہ گراوٹ میں کسی حیوان ہی کے ساتھ شہوت رانی کر کے ذلت و خسران کی سیاہی منہ پر مل لیتے تھے۔ان کی نسبت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی حیوان سے فعل بد کرے اس کو قتل کر دو اور اس کے ساتھ حیوان کو

بھی ہلاک کر دو" اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ جس صورت میں حیوان نہ عقل رکھتا ہے اور نہ اس پر تکلیف شرعی عائد ہوتی ہے۔ اس کو کیوں ہلاک کریں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس کی علت، و حکمت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تو کچھ نہیں سنی۔ لیکن آپ نے اس کو مکروہ جانا کہ ایسی حالت میں اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے کسی اور طرح منتفع ہوں کہ اسکے ساتھ ایسا فعل بد کیا گیا ہو (ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ)

بعض علماء کے نزدیک چارپایہ کے قتل کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس سے انسان بصورت حیوان یا حیوان بصورت انسان پیدا نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جانور کو ہلاک کر کے اس کو نذر آتش کر دیا جائے۔

اوپر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے حدیث مرفوع درج ہوئی کہ جو کوئی چارپایہ سے بدفعلی کرے اس کو قتل کر دو لیکن دوسری روایت میں عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو کوئی چارپائے سے بدفعلی کرے اُس پر کچھ حد نہیں ہے (ترمذی و ابوداؤد) اور حسب روایت ترمذی سفیان ثوریؒ نے کہا کہ پہلی حدیث سے جس میں فاعل کے قتل کا حکم ہے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک یہی معمول بہا ہے (مشکوٰۃ) علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ پہلی حدیث زجر اور تشدید پر محمول ہے اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ چارپائے سے بد فعلی کرنے والا قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کو تعزیر کی جائے۔

جان دار کو آگ میں جلانے کا عذاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ میں جلانا خاص رب العالمین کا عذاب ہے اس لیے کوئی بندہ اس تعذیب کا مجاز نہیں (بخاری) لیکن اوپر رزین کی روایت سے معرض تسوید میں آیا۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے اغلام کے دونوں مجرموں کو آگ میں جلایا تھا۔ اسی طرح عکرمہؓ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس زنادقہ لائے گئے تو انھوں نے ان کو آگ میں جلوا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عذاب خداوندی کے

ساتھ کسی کو معذب نہ کرو۔ البتہ ان کو اس ارشاد نبوی کے بموجب موت کے گھاٹ اتار دیتا کہ جو مسلمان اپنا دین بدل ڈالے اسکو قتل کر ڈالو (بخاری)

اس حدیث میں زنادقہ سے مراد عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو تھے جو اسس میں فتنہ پردازی اور مسلمانوں کو ضلالت میں ڈالنے کے لیے منافقانہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہ اجنشہ حضرت علی مرتضیٰ رض کو خدا قرار دیتے تھے۔

اس بیان کی تائید شیعوں کی ایک معتبر کتاب رجال کشی سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں امام جعفر صادق رح سے منقول ہے کہ عبداللہ بن سبا[ف] نے یہ بھی کہا کہ حضرت علی خدا ہیں اور میں ان کا رسول ہوں۔" حضرت علی رض نے اس کو بہت سمجھایا اور توبہ کر لے کے لیے کہا لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی۔ آخر حضرت علی رض نے اس بدبخت کو آگ میں جلوا دیا۔ رجال کشی میں امام جعفر صادق رح سے یہ بھی مروی ہے کہ جنگ جمل کے بعد ستر آدمی امیرالمومنین کے پاس آئے جو اسی ابن سبا کی بولی بولتے تھے۔ انھوں نے بھی توبہ کرنیسے انکار کیا۔ اور ان سب کو بھی حضرت علی رض نے آگ میں جلوا دیا۔

لیکن امیرالمومنین رض کی طرف سے احراق کے جتنے احکام جاری ہوئے وہ بے خبری میں ہوئے۔ انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آگ میں جلانے کا حق حاصل نہیں۔ آخر جب حضرت عبداللہ بن عباس رض نے امیرالمومنین کو سرکار رسالت کا فرمان سنایا تو آپ متأسف ہوئے کہ نذر آتش کرنے کے بجائے قتل کرنا چاہیئے تھا۔

ف عبداللہ بن سبا شیعی فرقے کا بانی تھا جو منافقانہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ ۱۲

فصل ۳۷

خودکُشی

انسان کو چاہیئے کہ مصائب و نوازل کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور خودکشی کر کے قضا و قدر کے دستِ ابتلاء سے بچنے کی بزدلانہ کوشش نہ کرے۔ ہمارے جسم میں جو جان ہے وہ اللہ تعالےٰ کی امانت ہے۔ خودکشی کرنے والا اس امانت میں خیانت کرتا ہے۔ بعض مشرک قومیں خودکشی کو ایک متبرک فعل گمان کرتی ہیں لیکن اسلام نے اس کو حرام موت اور انتہا درجہ کی رذالت اور دُون ہمتی قرار دیا ہے۔ عہدِ جاہلیت میں خودکشی کی طرف عام رجحان پایا جاتا تھا۔ معمولی معمولی حادثوں میں لوگ اپنی جان لے کر نہنگ اجل کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ لیکن مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات حقّہ سے اس برائی کو یک سر مٹا دیا۔ ان تعلیمات کا آج بھی یہ اثر ہے کہ خودکشی کی جتنی کم وارداتیں مسلمانوں میں ہوتی ہیں اُتنی کم دنیا کی کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتیں۔

احادیث نبویہ میں خودکشی کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ چند ارشاداتِ حقّہ ملاحظہ ہوں۔

پہاڑ سے گر کر خودکشی کرنا

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کی وہ آتش جہنم میں ہمیشہ گرتا رہے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رکھا جائے گا اور جو شخص زہر پی کر خودکشی کرے گا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کے اندر جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس کو پیتا رہے گا اور جو شخص ہتھیار سے خودکشی کرے گا تو اس کا ہتھیار اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔ جس سے وہ اپنے پیٹ کو جہنم میں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا چاک کرتا رہے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم و رواہ الترمذی فی معناہ)

اور فرمایا جو کوئی (دنیا میں) اپنا گلا گھونٹے گا۔ وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا۔ اور جو کوئی (دنیا میں) اپنے آپ کو نیزہ مارے گا اسی طرح آگ میں بھی اپنے تئیں نیزہ مارا کریگا۔ (بخاری) مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی اپنے آپ کو حرام موت مارے گا۔ دوزخ میں بھی اس کو ویسی ہی سزا ملے گی۔

اپنا ہاتھ کاٹ کر خودکشی کرنے والا

اور فرمایا پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں زخم آیا تھا۔ اس نے بے صبری کرکے چھری لی اور اس سے اپنا ہاتھ زخمی کاٹ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خون نہ تھما یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ رب العزت نے فرمایا کہ میرے بندے نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے میں مجھ سے جلدی کی۔ پس میں نے اس پر جنت حرام کر دی (بخاری و مسلم)

حضرت جابر انصاریؓ کا بیان ہے کہ جب طفیل بن عمرو دوسی صحابیؓ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو ان کی قوم کے ایک شخص نے بھی ہجرت میں ان کی رفاقت اختیار کی۔ یہاں پہنچ کر وہ بیمار ہوا اور بے صبری کی حالت میں اس نے اپنے تیر کی پیکان سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے۔ دونوں ہاتھوں سے اتنا خون جاری ہوا کہ وہ مر گیا۔ چند روز کے بعد حضرت طفیل بن عمرو رضؓ نے اس کو عالم رؤیا میں خوشگوار حالت میں دیکھا لیکن ایسی حالت میں پایا کہ اُس نے اپنے ہاتھ ڈھانک رکھے تھے۔ پوچھا حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بولا کہ میں نے جو اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی وہ عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوا اور اس کے طفیل میری مغفرت ہو گئی۔ طفیل رضؓ نے پوچھا تم نے اپنے ہاتھ کیوں ڈھانک رکھے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا تھا کہ ہم تیری اُس چیز کو ہرگز درست نہ کریں گے جو تو نے خود خراب کی۔ حضرت طفیل بن عمرو رضؓ نے اپنا یہ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ یہ خواب سن کر آپ نے دعا کی الٰہی! اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے (مسلم)

یعنی جیسے تو نے اس کے سارے بدن پر کرم کیا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر بھی کرم فرما۔ اس حدیث سے ہجرت کی بڑی فضیلت ثابت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس شخص

نے خودکشی کی نیت نہ کی ہوگی۔ عالم اضطراب میں یہ حرکت سرزد ہوگئی۔ اور ممکن ہے کہ ہلاکت ہی کی نیت ہو۔ لیکن ہجرت کی برکت اور پیشوائے امت علیہ التحیہ والسلام کی دعا سے اس کی مغفرت ہوگئی۔

کوئی گناہ خودکشی کا مقابلہ نہیں کر سکتا

قتلِ نفس یعنی خودکشی کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر اور شرک کے سوا کوئی دوسرا کبیرہ گناہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قاتلِ نفس کی اصلی سزا تو یہی تھی کہ کفار کی طرح وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے اور وہاں سے اس کو کبھی خلاصی نصیب نہ ہو۔ جیسا کہ احادیث نبویہ کے ظاہری الفاظ سے مترشح ہوتا ہے تاہم مدت ہائے مدید کے بعد اس کا عقیدۂ توحید رنگ لائیگا اور وہ اس کو دوزخ سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جائیگا۔

قاتلِ نفس کا جنازہ پڑھنے سے سرورِ عالم کا انکار و اجتناب

حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ خودکشی اکبر الکبائر ہے قاتلِ نفس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ مروی ہے کہ ایک شخص بیمار ہوا اور کچھ دنوں کے بعد اس کی موت کی خبر مشہور ہوئی۔ اس کا ہمسایہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! فلاں شخص مر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ وہ مر گیا ہے بولا میں خود اس کو دیکھ کر آیا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ وہ نہیں مرا۔ ہمسایہ واپس چلا گیا۔ پھر اس کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی۔ ہمسایہ مکرر حاضرِ خدمت ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! فلاں شخص گذر گیا ہے۔

آپ نے فرمایا وہ نہیں مرا ہے۔ ہمسایہ واپس گیا۔ تھوڑی دیر میں پھر اس کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی۔ مریض کی بیوی اپنے اُسی ہمسایہ سے جو دو دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مرنے کی اطلاع دے آیا تھا کہنے لگی ذرا جا کر رسول خدا کو اس کی خبر کر دو۔ اب ہمسایہ برائی العین دیکھنے کے لیے اس کے گھر پہنچا تو وہاں کیا دیکھتا ہے کہ اس نے تیر کی پیکان سے اپنا گلا کاٹ لیا ہے۔ اب وہ پھر سرکارِ دو عالم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! اب تو وہ واقعی مر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیونکر معلوم ہوا۔ بولا میں خود اس کو دیکھ کر آیا ہوں۔ اس نے تیر سے

اپنا گلا کاٹ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے خودکشی کی ہے تو میں اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا

(ابوداؤد)

خودکشی کے جواز پر استدلال

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ کمال توبہ خودکشی ہے جس پر بنو اسرائیل عمل پیرا ہوئے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل خدا کی طرف سے اس پر مامور ہوئے تھے۔ جیسا کہ فرمایا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو) لیکن ہم اس اقدام سے منع کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے لیے یہ حکم ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (خودکشی نہ کرو)۔

فصل ۳۸

دوسرے جنم میں جزا و سزا ملنے کی خام خیالی

جاہلی عرب میں بعض لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ قیامت اور حشر و نشر کچھ نہیں آدمیوں کو ان کے اعمال کی جزا سزا اسی دنیا میں برنگ تناسخ و آواگون مل جاتی ہے۔ جس کی یہ صورت ہے کہ نیکوں کی روحیں جب بدن سے نکلتی ہیں تو مالدار اور مرفہ الحال لوگوں کے بدن میں داخل ہو کر مال و دولت سے عیش کرتی ہیں اور بدکاروں کی روحیں جب بدن سے نکلتی ہیں۔ تو بُرے اجسام میں داخل ہو کر مدت العمر سختیاں اور مشقتیں برداشت کرتی ہیں۔

عقیدۂ تناسخ کا اختراع

امام ابن جوزیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گھڑا گیا تھا۔ لیکن معلوم نہیں کہ بُت پرست بھارت اور آتش پرست ایران میں یہ عقیدہ کب پہنچا اور ہندوؤں اور پارسیوں نے اس کو کس طرح اپنا لیا۔ تمام دنیا کے مسلمان، عیسائی اور یہودی قیامت اور بعث و نشور کو مانتے ہیں لیکن وہ مذاہب جو خدا کے کسی برگزیدہ پیغمبر کی وساطت سے آسمانی تعلیمات کی روشنی سے مستنیر نہیں ہوئے وہ تناسخ ارواح کے چکر میں پھنس کر قیامت کے منکر ہیں۔

مسئلہ تناسخ کی وضاحت

امام ابن جوزیؒ نے اہل تناسخ کے زعم باطل کی یہ تشریح کی ہے۔ جب روحیں دنیا چھوڑتی ہیں تو ان میں جو روح نیک اور پاک صاف ہوتی ہے وہ نورانیت سے مخلوط ہو کر نکلتی ہے یہاں تک کہ وہ ایسی سبزی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کو آدمی پکا کر سالن بناتے ہیں۔ پھر یہ سبزی انسان کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس طرح آدمی دوبارہ دنیا میں

پیدا ہوتا ہے اور ہر موت کے وقت اس کا یہی حال ہوتا ہے اور جو لوگ بدکردار ہیں۔ مرنے کے بعد وہ ایسی گھاس بن جاتے ہیں جس کو جانور کھاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ گھاس کسی جانور کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اور جب یہ جانور مرتا ہے تو اس کی روح نکل کر کسی دوسری جانور کے قالب میں جا داخل ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمیشہ تناسخ سے صورتوں میں پھرتی رہتی ہے۔ آخر ہزار برس گذرنے پر انسانی صورت میں پھر جاتی ہے۔ اب اگر اس نے انسانی پیکر میں نیک عمل کئے تو نیکوں میں مل جاتی ہے۔

خیال آفرینی کے جولانگاہ میں تگ ودو

اصل یہ ہے کہ اہل شرک چونکہ وحیٔ الٰہی کے نور ہدایت سے محروم تھے۔ اُن کے قدماء منقادیر الٰہی اور عقیدۂ حشر ونشر کے سمجھنے اور قبول کرنے سے قاصر رہے اور جب اُن سے سوال ہوا کہ رنج وراحت، دولت وافلاس، علم وجہل، قوت وضعف، حسن وقبح وغیرہ حالات وصفات میں انسان اس قدر متفاوت کیوں ہیں تو انھیں خیال آفرینی کے جولانگاہ میں تگ ودو کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ آخر مدتوں کی خیال آرائیوں کے بعد تناسخ کا عقیدہ اختراع کیا اور کہنے لگے کہ چونکہ انسان اپنی پُجران (زندگی) میں مختلف العمل تھے۔ اس لیے اگلی جونوں میں ان کی حالت بھی تفاوت اعمال کے لحاظ سے مختلف ہونے لگی۔

شک وشبہ کی بنیاد پر اعتقادی عمارت کی تعمیر

اور اگر قائلین تناسخ کے کیسۂ دلائل کو دستِ تحقیق سے ٹٹولا جائے تو اندر قائلین سے بالکل خالی نکلے گا۔ ان کے پاس اپنے دعوے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ جسے وہ اپنے مذہبی معاصرین کے سامنے پیش کرسکیں لے دے کے ایک شک وشبہ ضرور موجود ہے جس کے اوپر انھوں نے اذعان ویقین کی بڑی بڑی کمزور عمارتیں کھڑی کر لی ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شیر خوار بچہ چیچک یا کسی اور تکلیف میں مبتلا نظر آتا ہے یا بعض لوگ پیدائشی، اندھے، گونگے، بہرے یا کہ بد المنظر دکھائی دیتے ہیں تو اس بات کا پیش نظر رکھتے ہوئے کہ خدائے اعدل اپنی مخلوق میں بے وجہ ایسی تفریق روا نہ رکھے گا ہم یہ نتیجہ نکالنے

پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ اختلاف لوگوں کے پہلے جنم میں اعمال پر مبنی ہے۔

اسی طرح جب ہم بے گناہ و بے زبان جانوروں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ وہ قادر ذوالجلال بلاسبب مظلوموں پر ظلم گوارا نہ کرے گا اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان مظلوم و مقہور جانوروں کی روحوں نے حیات ماقبل میں ضرور ایسے پاپ کئے ہوں گے جن کی پاداش میں وہ اب مبتلائے آلام ہیں۔

تناسخ ماننے والوں کی مثال

غرض جب اہل شرک نے اسباب تفرقہ کے سمجھنے پر کسی طرح قدرت نہ پائی تو بغیر کسی دلیل و برہان کے یہ بات از خود ذہن نشین کر لی کہ لوگوں کے سابقہ اعمال ہی اس تفاوت کا باعث ہیں۔ چنانچہ ہنود سے جب کبھی مسئلہ آواگون کا ثبوت مانگا گیا تو اُن کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ اگر حالات و درجات کی بوقلمونی اختلاف اعمال کی وجہ سے نہیں تو تم ہی بتاؤ کہ مادر زاد اندھا کس جرم کی سزا میں کور پیدا کیا گیا؟ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دہلی کے ریلوے سٹیشن سے فوج کا ایک دستہ کلکتہ کی گاڑی پر سوار ہوتے دیکھے اور از خود یہ نتیجہ نکال لے کہ بھارت کے خلاف جاپان نے اعلان جنگ کر دیا۔ اس لیے فوجیں کلکتہ جا رہی ہیں یا کوئی آواگون کا دلدادہ کسی شخص کو شب دیجور میں شہر کی کسی تاریک گلی میں جاتے دیکھ کر خیال آفرینی کرنے لگے کہ یہ شخص ایسی اندھیری رات میں ضرور چوری اور نقب زنی کے مقصد سے جا رہا ہے۔

مقرّبوں اور نافرمانوں سے مختلف سلوک

وا ہمہ مذکورہ کے متعلق ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حق تعالےٰ کا سلوک اپنے بندوں سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقربوں اور محبت رکھنے والوں کو تو عموماً عسر و تکلیف میں رکھتا ہے تاکہ وہ مصائب کی کٹھالی سے کندن بن کر نکلیں اور دنیا کی فانی لذتیں ان کو شیفتہ نہ بنا سکیں لیکن مشرکوں اور نافرمانوں کو اس دار ابتلا میں بسا اوقات آسودگی بخش کر مہلت دیتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اپنے فرزند کو سارا دن مکتب کی قید اور اُستاد کی قمچی

تلے رکھتا ہے۔ اور شریر غلام زادہ کو آزادی دے رکھی ہے۔ اس کی آوارگی اور بدبختی سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر بیٹا اس امتیازی سلوک سے یہ سمجھنے لگے کہ باپ میرے ساتھ عداوت رکھتا ہے یا میرے قصوروں کی سزا دیتا ہے تو یہ اس کی غلطی فہمی ہو گی۔ اسی طرح اگر ذلیل پرستار زادہ اپنے ساتھ امتیازی سلوک رکھا جانے پر یہ خیال کرے کہ آقا مجھ پر بیٹے سے زیادہ مہربان ہے تو یہ اس کی حماقت ہو گی۔ حق سبحانہٗ کی یہی عادت جاری ہے کہ وہ دنیائے دنی کو اپنے دوستوں سے دریغ رکھتا ہے اور بے فرمانوں اور دشمنانِ ملت پر نچھاور کرتا ہے ؎

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست
کس را چہ حد چون و چرا در قضائے ما

مصائب کی علت

ہنود کے مسلمات کو پیش کر کے اس مبحث پر روشنی ڈالنے سے قبل اہل اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنا بھی ضرور ہے تاکہ قارئین کرام پر مسئلہ کے مالہ و ما علیہ کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ پس معلوم ہوا کہ دارِ فانی کی یہ تکلیفیں اور راحتیں جن سے بنی آدم کو سابقہ پڑتا ہے۔ تنبیہ و عبرت اور امتحان و ابتلاء کی درسگاہیں ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ اعمال کی جزا و سزا ہوں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے اور اس بارہ میں ایک مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے کہ ہمیشہ اپنے سے ادنےٰ مخلوق کی طرف دیکھا کرو تاکہ خدا کا شکر بجا لاؤ۔ اصل یہ ہے کہ ہر ادنےٰ کے نیچے اور ادنےٰ پیدا کیا گیا ہے۔ پس ہر ادنےٰ اپنے سے ادنےٰ تر مخلوق کو دیکھ کر اپنی حالت پر شکر بجا لائے گا۔ اور یہ دیکھ کر کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس سے بھی زیادہ درماندہ ہیں۔ اس پر اپنی محرومی و نامرادی کی گرانی آسان ہو جائے گی۔ اور وہ مصائب کی تلخی کو آسانی سے برداشت کر لیگا

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسیح علیہ السلام نے ایک مادر زاد اندھے کو اپنے معجزہ سے بینا کیا۔ حواریوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس لڑکے کی کوری کا باعث کیا تھا۔ کیا یہ معصوم بچہ والدین کے گناہوں پر تو ماخوذ نہ تھا۔ فرمایا وہ کسی کے گناہوں کی بدولت بینائی سے محروم نہ تھا بلکہ کوری کی وجہ یہ تھی کہ خدائے بے نیاز کی شان بے نیازی اور جلال ظاہر ہو اور

کوری کے بعد اس کے بینا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ یہ بینائی اس کے رسول کی صداقت کا نشان ہے۔

مصائب کا حسن و برکت

مصائب و آلام انسان کے لیے نوید رحمت ہیں۔ ان سے انسان کی اخلاقی حالت درست ہوتی ہے۔ غرور ٹوٹتا ہے۔ تکبر و خود نمائی دور ہوتی ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار بناتا ہے اور اپنے تمام قوائے جسمانی و دماغی کے ساتھ خدائے واحد کے سامنے جھک جاتا ہے۔ بلاکش انسان گو بظاہر حرمان نصیب ہے لیکن فی الواقع خدائے حکیم نے اس پر بڑا احسان کیا کہ تازیانۂ تنبیہ رسید کر کے اس کو خواب غفلت سے چونکا دیا۔ چشمِ بصیرت وا کر دی۔ عبرت کا سامان مہیا کر دیا۔ اکتساب فضائل کی راہیں کھول دیں۔ پس یہ اُس کریم کارساز کی رحمت ہے نہ قہر۔ احسان ہے نہ عتاب۔ بخشش و عطا ہے نہ کہ ظلم و جور۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اپنی عسرت کا شکوہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ شکر کرو کہ اس کی یاد میں ہو اور خوش ہو کہ اس نے تمھیں اُس نعمت سے نوازا جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو ممتاز فرمایا کرتا ہے۔

اربابِ شرک تو رنج و الم کو انسان کی گذشتہ سیہ کاریوں کا ڈپلومہ قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک ایسی نعمت ہے جس سے عاشقانِ الٰہی مانوس اور لذت گیر ہوتے ہیں۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریہؒ فرمانے لگیں کہ جو شخص درد و زخم کو مشاہدۂ محبوب میں بھول نہ جائے وہ اپنے دعوائے محبت میں صادق نہیں۔ یہ سن کر حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے محبوب کے زخم سے لذت نہ پائے وہ اپنے دعوائے عشق میں صادق نہیں۔

جوگیوں کا ترک لذّات

اہل تناسخ دکھ و سکھ کو سابقہ بداعمالی یا نیک کرداری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں کیا وہ اپنے ریاضت کش جوگیوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ اپنے خیال کے بموجب کسی روحانی مقصد کے حاصل کرنے میں کس قدر تکلیفیں جھیلتے ہیں۔ فاقہ کشی ان کا شیوہ ہے۔ نہ بستر ہے نہ

پار پائی۔ دل دنیوی تعلقات سے آزاد ہے، نہ بیوی سے دلبستگی ہے نہ اولاد سے سروکار نہ آئے کی خوشی نہ گئے کا رنج۔ لذائذ و تنعمات دنیوی کو لات مار دی اور ساری عمر رنج و کلفت میں گذار دی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ساری تکلیفیں وہ اپنے ذنوبِ ماضیہ کی سزا میں جھیلتے ہیں۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مصیبت کی تہ میں راحت اور زحمت کے پیچھے رحمت خداوندی کے دریا میں موجزن پاتے ہیں۔ اس لیے ہر مشکل کو بطیبِ خاطر برداشت کرتے ہیں۔ کیا پنڈت صاحبان کہہ سکتے ہیں کہ تارک الدنیا جوگیوں میں اس کے انقطاع وتبتل کی تہ میں یہ ناپاک جذبہ پوشیدہ ہے کہ وہ کسی آئندہ جون میں راجہ مہاراجہ بن سکیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ مخلص نہیں ریاکار ہیں۔ خدا پرست نہیں جاہ و زر پرست ہیں طالب مولیٰ نہیں نفس وہوا کے غلام ہیں۔ ہمارے خیال میں وہ اس قسم کا کوئی نامبارک مقصد اپنے سامنے نہیں رکھتے کیونکہ دنیا و اہل دنیا سے تو وہ شروع سے متنفر ہیں۔ اگر وہ لذائذ فانیہ کو پسند کریں تو ان کے لیے سب کچھ بے طلب مہیّا ہے

خواہشات نفسانی سے بلند مقصد

پس ثابت ہوا کہ وہ ثروت و غنا اور جاہ و مال کے نہ اب بھوکے ہیں نہ کسی آئندہ نہاد جون میں اس کے طلبگار ہیں۔ بلکہ ان کا مطمحِ نظر کوئی اور ہی اعلیٰ شے ہے۔ جو ان تمام خطوط نفسانیہ سے بلند تر اور وراء الوراء ہے۔ اہل تناسخ کے خیال کے بموجب اگر باری تعالیٰ انھیں اگلی جون میں راجہ مہاراجہ یا کروڑ پتی بنادے اور دنیاوی زندگی کے تمام عیش و آرام مہیّا کر دے تو کیا ان کی روح اس سے محظوظ و مانوس ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ دنیا کی زوال پذیر نعمتوں کو تو وہ پہلے ہی ٹھکرا چکے پس اگر انھیں اُن کے اعمال سابقہ کے انعام میں دنیوی زر و مال اور جاہ و ثروت ہی پیش کیا جائے۔ جس سے وہ نفور و رمیدہ تھے تو انھیں ان کے حسن خدمت اور اطاعت شعاری کا کوئی ایسا صلہ نہ ملا جو ان کی سچی خوشی اور دلی راحت کا سرمایہ بہم پہونچاتا۔ پس یہ انعام نہ ہوا ظلم و قہر ہوا۔ اس معلوم ہوا کہ تفاوت درجات کو سابقہ اعمال کا نتیجہ قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ جوگیوں کے ترک لذّات اور ریاضت کے متعلق جو لکھا گیا وہ ہندو عقیدہ کی بنا پر ہے ورنہ ہمارے نزدیک کوئی شخص ضلالت کی

تاریک وادیوں کو اُسوقت تک قطع نہیں کرسکتا جب تک توحید و رسالت کی شمع ہدایت کو اپنے لیے دلیل راہ نہ بنالے۔

یُوسفِ صدیق علیہ السلام کی مثال

اگر بلایا نوازل کو سابقہ بداعمالیوں کا ثمرہ قرار دیا جائے تو انبیائے معصوم اور دوسرے مقربان بارگاہ (معاذ اللہ) سب سے زیادہ گنہگار ٹھیرتے ہیں کیونکہ ان کی ایذائیں اور مشکلیں اقران و اماثل سے ہمیشہ بڑھی رہیں۔ یوسف صدیق علیہ السلام صرف اس "جرم" میں سالہا سال تک قید کی صعوبتیں جھیلتے رہے کہ وہ مصری وزیر اعظم کی حرم کی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ جب زنانِ مصر ہزاروں سبز باغ دکھانے پر بھی آپ کا سرِ انقیاد زلیخا کے سامنے نہ جھکا سکیں تو انھیں قید و سجن کی دھمکی دی۔ اُس وقت آپ نے خدائے لایزال کی درگاہ میں عرض کیا۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ — الٰہی جس فعل کی طرف مجھے یہ عورتیں بلاتی ہیں اُس پر تو میں قید و سلاسل کو ترجیح دیتا ہوں۔

کیا ایسی مقدس و پاکباز ہستیاں کسی گناہ کی پاداش میں گرفتار بلا ہوئیں یا خدائے حکیم و خبیر اپنے محبوبوں کی عفت و پارسائی اور ان کے صبر و تحمل کا ثبوت پیش کرنے کے لیے انکو امتحان کی بھٹی میں ڈالتا تھا؟

اس پاک دامنی کا یہ اثر ہوا کہ وہی شخص جو جرم وزارت کا معتوب ہو کر کئی سال سے قید خانہ کی کڑیاں جھیل رہا تھا یا ہو کر چند ہی روز میں مصر کے سیاہ و سپید کا مالک ہو گیا۔ دیکھو صداقت و پاکبازی نے جو مصائب کی شکل میں گم کردگان راہ کی ہدایت کر رہی تھی۔ انھیں عروج و ترقی کی کس منزل پر پہونچایا۔ یہ حقائق اپنے اندر بصیرت کے سینکڑوں سبق رکھتے ہیں۔ کاش ان اسرار فطرت کو منکروں کے ایوان دماغ میں بھی بارپانے کی عزت نصیب ہو۔

رامچندر جی کا بن باس ہونا

رام چندر جی بن باس ہوئے۔ انھوں نے ایوان شاہی پر فرش خاک کو ترجیح دی

باغ و چمن کو خارِ مغیلاں پر قربان کر دیا۔ وحوش و طیور کی ہمسائیگی کے سوا ہم جنسوں کی صحبت میسر نہ تھی۔ درختوں کے پتے اور جنگلوں کی ہری گھاس قوت لایموت بنی۔ اس عالم بے کسی و غریب الوطنی میں ان کا کوہِ مصائب بادلوں سے بھی زیادہ بلند ہو گیا یہاں تک کہ پیاری بیوی جو قلب مضطر کا سہارا اور دلِ پُر درد کی راحت تھی اُس کا بھی ساتھ چھوٹ گیا۔ کیا سمجھتے ہو کہ رامچندر جی کی یہ مصیبتیں ان کی پہلی سیہ کاریوں کا نتیجہ تھیں اور اس میں صداقت و روحانیت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ اگر تمہارا یہی خیال ہے اور واقعی ان کے ابتلاء کا سرچشمہ ان کے گزشتہ جرائم و ذمائم تھے تو پھر انہیں اپنا بزرگ و محترم کیوں مانتے ہو اور ان کا نام عزت و احترام سے کیوں لیتے ہو۔ اگر کہو کہ ان کی مصیبت شامتِ اعمال ہی نے مصائب کی شکل و صورت اختیار کر رکھی تھی۔ لیکن ہم ان کی عزت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ انھوں نے باپ کے حکم سے صحرا نوردی اختیار کی تو کم از کم اس سے یہ ضرور لازم آئے گا کہ ہنود کے اکابر بھی بڑے پاپی اور نابکار تھے۔ جن پر اُن کے گناہوں کی سزائیں غضبِ خداوندی کی بجلیاں گرا کرتی تھیں اور جب ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ دنیاوی رنج و راحت کا مدار انسانی اعمال و افعال پر نہیں بلکہ حکمت و مصلحت خداوندی پر ہے۔ خدائے حکیم و علیم ہی جو علۃ العلل ہے اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اس معلول کی علت کیا ہے۔

مصائب کا مقصد عبرت و تنبیہ ہے

غرض رنج و راحت ہمیشہ مختلف اسباب سے وابستہ ہوتی ہے۔ جس کا سمجھ لینا ہر شخص کا کام نہیں۔ علماء و صلحاء کو تو رفع درجات کی غرض سے بوتۂ مصائب میں ڈالا جاتا ہے اور عوام الناس عموماً اپنی غلطیوں اور گناہوں کی پاداش میں مبتلائے آلام ہوتے ہیں۔

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر ط اے گنہگارو جس قدر مصیبتیں تم پر نازل ہوتی ہیں وہ تمہارے ہی اعمال کا ثمرہ ہیں اور خدائے غفور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو معاف بھی کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں خدائے حکیم ہر انسان پر خواہ وہ کسی درجہ، کسی طبقہ اور کسی جماعت سے تعلق رکھتا

ہو زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور ابتلاء میں ڈالتا ہے۔ فرمایا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ہم کسی قدر خوف، فاقہ، مال و جان اور پیداوار کمی سے تمہارا امتحان ضرور کریں گے اور آپ ایسے صابروں کو مغفرت کی بشارت سنا دیجئے جو مصیبت کے وقت کہا کرتے ہیں کہ ہم اور ہمارے مال و اولاد حقیقتاً اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اسی کی طرف کوچ کرنے والے ہیں۔

مصائب کا سب سے بڑا فائدہ عبرت تنبیہہ اور اصلاح حال ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی تکلیف ارنجوری مبتلا کے لیے موجب عبرت و تنبیہہ نہ ہو سکی تو کم از کم عالم انسانیت کے دوسرے افراد کے لیے تو ضرور عبرت خیز اور سبق آموز ہوگی۔

مسئلہ آواگون کی مزید تشریح

ہندو مقتداؤں نے مسئلہ تناسخ کی یہ تشریح کی ہے:۔

اس سنسار میں ہم دو پرکار کے جنم سنتے ہیں۔ ایک آدمی کے جنم کا حاصل کرنا دوسرا نیچے کے درجے کے حیوان، پرندہ، کیڑے، درخت وغیرہ بننا۔ ان ہی دونوں بھیدوں سے سب دنیا کی روحیں اپنے اپنے پاپ اور پن کے پھل حاصل کر رہے ہیں۔ (یجروید باب ۱۹ منتر ۴۷ کا ترجمہ بھوم کا مطبوعہ اجمیر صفحہ ۲۶)

جو شخص بذریعہ جسم کے چوری۔ دوسرے کی عورت سے مباشرت نیک آدمیوں کی ہلاکت وغیرہ بد کام کرتا ہے اس کا جنم درخت وغیرہ غیرہ متحرک قالبوں میں ہوتا ہے۔ زبان سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض پرندہ اور مرگ (جنگی چوپایہ) وغیرہ کا قالب اور دل سے کئے ہوئے پاپوں سے چنڈال وغیرہ کا جنم ملتا ہے (ستیا پرکاش صفحات ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۳۸)

جب پاپ بڑھ جاتا ہے اور پن کم ہوتا ہے تو انسان کا جیو (روح)

حیوان وغیرہ نیچے درجے کا جسم پاتا ہے۔ اور جب دھرم زیادہ اور ادھرم کم ہوتا ہے تو دیو یعنی عالموں کا جنم ملتا ہے۔ اور جب پن پاپ برابر ہوتا ہے تو معمولی انسانی جنم ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ پُن پاپ کے اعلیٰ متوسط اور ادنےٰ جسم وغیرہ سامان سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور جب زیادہ پاپ کا نتیجہ حیوان وغیرہ کے جسم میں بھگت لیتا ہے۔ تب پاپ پن کے برابر رہ جانے کی وجہ سے انسان کے جسم میں آتا ہے اور پُن کا ثمرہ پاکر متوسط درجہ کے انسانی جسم میں آتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۳۳)

وُجوہِ بُطلان

ہم مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر تناسخ کے عقیدہ کو باطل ٹھہراتے ہیں:۔

(۱) جس صورت میں کہ یونی چکر (تناسخ) ثواب و عقاب کی غرض سے ہے تو پھر یہ ایک نہایت مضحکہ خیز ثمرہ ہے کہ نہ تو منعم و مثاب کو اس بات کا کوئی علم ہو کہ یہ کن اعمال کی جزا ہے اور نہ معذّب و مقہور کو اس بات کی کوئی اطلاع کہ وہ کن جرائم کی پاداش میں سؤر، کتا اور چوہا بنایا گیا۔ کم از کم مجرم کو سزا دینے سے پہلے اس کے جرم کی اطلاع دینا تو لازم تھا۔ لیکن کوئی مجرم اس بات کو نہیں جانتا کہ وہ کس جرم میں معذّب و ماخوذ ہوا۔ پس ایسی سزا کچھ بھی نتیجہ خیز اور منفعت بخش نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ ملزم کو اس کا الزام بتائے اور فردِ قرار دادِ جرم سنائے بغیر سزا دینا انصاف کا خون کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ ایسی مفروضہ سزا خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

کرم جونی اور بھوگ جونی

(۲) آریاؤں کا عقیدہ ہے کہ انسانی قالب کرم جونی ہے اور حیوانی قالب بھوگ جونی چنانچہ پنڈت لیکھرام اپنے رسالہ ثبوت تناسخ کے صفحہ ۱۹۰ میں لکھتے ہیں:۔

مسئلہ آواگون کی رُو سے دو قسم کے جسم مانے گئے ہیں۔ ایک کرم جُونی (حیاتِ اعمال) دوسرے بھوگ جونی (حیاتِ جزا) کرم جونی یعنی اعمال کی زندگی میں کام کئے جاتے ہیں۔ بھوگ جونی میں کرموں (اعمال) کی سزا

بھگتنی پڑتی ہے۔ جس جسم میں سمجھنے کی طاقت اور نیک و بد کرنے کی تمیز دی گئی ہے وہ کرم جونی ہے اور جس جسم میں نہیں دی گئی وہ بھوگ جونی ہے اس لحاظ سے انسان کرم جونی اور باقی بھوگ جونی ہیں چونکہ حیوان بھوگ جونی ہیں وہ نیک یا بد کام نہیں کر سکتے۔ جس طرح جیلخانہ کے قیدی کو سزا کی میعاد گزارنے کے بعد جیل سے رہائی ہوتی ہے۔ نہ کسی اچھے کرم سے۔ اسی طرح سزا کی میعاد گذارنے کے بعد حیوانی قالب سے رہائی ہونی چاہیئے اور پھر وہ جس درجۂ جسمانی سے تنزل ہوا تھا اسے اسی درجہ میں انتقال کیا جاتا ہے۔

اس دعوائے بے دلیل کا بطلان

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو انسانی قالب میں اس کے پہلے گناہوں کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ اس غرض کے لیے وہ مرنے کے بعد کسی حیوانی قالب میں بھیجا جاتا ہے۔ لیکن جب ہم اسی دنیا کے اندر ہزاروں انسانوں کو مصائب و نوائب کے حصار میں گھرا دیکھتے ہیں تو اس قول کا بطلان خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ حیوانی قالب کی طرح انسانی جسم بھی بھوگ جونی ہے اور انسان کو جس قدر تکلیفیں پیش آتی ہیں وہ محض سابقہ جرائم کی سزا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ چور و عیّار کو حکومت وقت کی طرف سے ارتکاب جرم کے بعد ہی سزائے قید کیوں ملتی ہے۔ اسی طرح فاسق حرام کار کو زنا کے بعد آتشک، سوزاک وغیرہ امراض خبیثہ کا ملعون تمغہ فوراً ہی کیوں ملجاتا ہے۔

اس اصول کے ماتحت تو چاہیئے تھا کہ انھیں ان بداعمالیوں کی سزا کہیں آئندہ زندگی میں ملتی موجودہ وقت میں وہ ہر گرفت و مواخذہ سے محفوظ رہتے۔ ظاہر ہے کہ چوری بعد قید اور زنا کے بعد امراض خبیثہ کا فوری ظہور حیات ماضیہ کے گناہوں کا ثمرہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ حکام نے اسے اسی جرم کی سزا دی ہے جس کا اس نے سزایاب ہونے سے چند روز قبل ارتکاب کیا۔ یہی حال امراض خبیثہ کے ظہور کا ہے۔

(۳) علاوہ ازیں اس اعتقاد کے بموجب دنیا کا نظم و نسق محض بدکاری اور فسق و فجور کی بدولت چل رہا ہے کیونکہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ روحوں کی اصل جون انسانی قالب ہے

اور گھوڑا، بیل، گدھا، کتا وغیرہ حیوانات کے قالب عارضی ہیں جو محض گناہوں کی سزا میں ملتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام کی تحریر سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی۔

ہر ذی روح اپنے ہم جنسوں میں خوش ہے

(۴) یہ دعوے بھی بالکل بے دلیل ہے کہ بہائم و طیور کی تخلیق انسانی گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ انسان تو چین اور سکھ میں ہیں مگر چرند پرند وغیرہ حیوانات سخت رنج و عذاب میں پڑے ہیں کہ انہی کے قالب میں انسان کو گناہوں کی سزا دیجاتی ہے۔ مگر یہ خیال بھی حقیقتِ حال سے کوسوں دور ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر ذی روح اپنے ہم جنسوں میں خوش و خرم ہے بلکہ سچ پوچھو تو اس دارِ محن میں انسان سے بڑھ کر کوئی ذی روح رنج و محن کا شکار نہیں ہے۔ وہ انسان ہی ہیں جو شدتِ رنج و کرب کی تاب نہ لاکر خودکشی کا اقدام کیا کرتے ہیں۔ اس دارِ محن ابتلاء میں آپ جس کسی کو سب سے زیادہ بلند طالع، بافراغ اور کامگار سمجھ رہے ہیں اگر اس کے دلی راز معلوم کرینگے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُس کا دل سب سے بڑھ کر رنج و افسردگی کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ پس اس قول کی صداقت میں کوئی کلام نہیں کہ انسان سے بڑھ کر کوئی دکھی نہیں۔ غالب نے خوب کہا تھا ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

پس یہ قول غیر صحیح ٹھیرا کہ حیوان بھوگ جونی ہیں۔

نیک روح اگلی جُون میں بھی نیکی کرے گی

(۵) جسم ایک فانی اور زوال پذیر وجود ہے۔ اصل چیز روح ہے۔ پس جس روح نے ایک جون میں اچھے عمل ظاہر کئے ظاہر ہے کہ دوسری جون میں بھی وہ سعید الفطرت روح نیک ہی عمل کرے گی۔ کیونکہ وہ نیکی سے مانوس ہو چکی ہے۔ غرض روح جن کاموں کی ایک جُون میں خُوگر ہوئی دوسری جون میں بھی حسبِ عادت انہی اعمال کو بجالائے گی سلطان محمود غزنوی اور سلطان محمد اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمۃ اللہ علیہما کی روحیں یونی چکر کے بموجب پہلے جنموں میں بت شکنی اور ہندو کُشی کی خوگر ہوں گی تب ہی تو انھوں نے وہ سب کچھ کیا جو لیغیظ بہم الکفار کا مصداق تھا اور اگر یہ خیال صحیح نہیں تو تم ہی بتاؤ کہ انھوں نے

کون سے ایسے پاکیزہ عمل کیے تھے۔ جن کے انعام ہیں وہ اگلی جون میں ایسے جلیل القدر شہنشاہ بنائے گئے۔

اور اگر ایک سعید روح دوسری جون بدل کر شقی ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ بتاؤ مگر ظاہر ہے کہ اچھے کرموں کا اچھا ثمرہ جس روح کے تجربہ میں آگیا وہ بھلا دوسرے جنم میں کس طرح سواء السبیل سے بھٹک سکتی ہے اور یہ بات کہاں تک قرین صواب ہے کہ جو روح نیکی سے مانوس ہو چکی وہ بدی سے لذت گیر ہو سکے گی۔ ہم تو یہاں دنیا میں برابر مشاہدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی نیک سرشت آدمی کو برائی کی طرف مائل کرے تو وہ نفرت کے ساتھ اس سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس کی نیک روح کو برائی سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بالجملہ اگر یہ صحیح ہے کہ روح کی فطرت بدل جاتی ہے تو اس کا ثبوت دو۔ اور اسکی کوئی ایسی معقول وجہ بتاؤ۔

نیک روحیں مسلمان، نصاریٰ اور یہود کے قالبوں میں

(۶) بقول ہنود روح انسانی یا تو اعمال حسنہ کے انعام میں دوسرے انسان کے جسم میں منتقل ہوتی ہے یا مختلف انسانی قالبوں میں گناہوں کی سزا بھگت کر از سر نو انسانی قالب میں داخل کی جاتی ہے۔ غرض روح کا پیکر انسانی میں داخل ہونا اعزاز و اکرام کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ سزا و عقوبت کے باعث۔ پس سوال یہ ہے کہ پھر انسانی روحیں اہل اسلام، یہود اور نصاریٰ کے قالبوں میں کیوں داخل کی جاتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر ان قوموں کی روحیں بھی اچھے عمل کریں گی تو اپنی نیک کرداری کی بدولت پھر انسانی قالب کی مستحق ہو جائیں گی ایسی حالت میں ہنود دھرم کے ماننے اور اس کی پیروی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی انسان جس مذہب کا بھی پیرو ہو نجات پا سکتا ہے۔

(۷) اور اگر یہ کہو کہ ہندو دھرم کے ماننے اور اس کی پیروی کرنے میں ہی نجات منحصر ہے تو تناسخ کا عقیدہ رکھنے کی صورت میں اس بات کا کبھی فیصلہ ہی نہیں ہو سکتا کہ مذاہب عالم میں سچا دین کون سا تھا۔ جب تک کہ تمام انسان رب الارباب کے حضور میں جمع نہ ہوں اور یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون ایس ثابت ہوا کہ یا تو تناسخ باطل

ہے یا ہندو دھرم کی پیروی ضروری نہیں۔

قائلین تناسخ سے ایک سوال

(۸) ہم قائلین تناسخ سے پوچھتے ہیں کہ کیا دہریہ لوگ اسی طرح خدا کی ہستی کا انکار کرتے رہیں گے۔ کیا انسان درگاہ خداوندی میں کبھی حاضر نہ ہوگا کہ خدا کے ماننے والے لاذہب دہریوں کو کما حقہٗ قائل و لاجواب کر سکیں۔ یونی چکّر (تناسخ) کی صورت میں تو انسان دیدار الٰہی کی سعادت عظمیٰ سے کبھی بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

دوسرا سوال

(۹) کیا وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے باشندے جو ویدک دھرم کو باطل یقین کرتے ہیں دنیا میں سب سے زیادہ خوش حال اور مفلح پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے تاجداروں اراکین سلطنت، کروڑپتیوں اور تاجروں سے قطع نظر وہاں کے عوام بھی ہندوستان کے متمول و ممتاز افراد سے کہیں زیادہ مرفہ الحال و خوش معاش ہیں۔ جب تمام انسان ویدک مت کے انکار سے پاپی اور ناستک ہیں (ستیارتھ پرکاش۔ صفحات ۹۷، ۳۴۷، ۴۱۷) تو مرفہ الحال یورپی و امریکی پاپیوں کے اجسام میں کن لوگوں کی روحیں داخل کی جاتی ہیں؟

منکرین تناسخ کی کثرت تعداد

(۱۰) پیروان وید کے مقابلہ میں مکذّبان وید (مسلمان، یہود، نصاریٰ اور دیگر اقوام) کی تعداد کئی حصے زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی تعداد ویدوں کا انکار کرنے کے باوجود ستر اسی سالہ طویل عرصہ کے بعد بھی انسان کی جو طبعی عمر ہے کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ ترقی پذیر ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ انسان کی اتنی ناجی روحیں کہاں سے آجاتی ہیں جو اس تعداد کو کبھی کم نہیں ہونے دیتیں۔ ظاہر ہے کہ خود ہنود کی روحیں جو اس کل تعداد کے چوتھے پانچویں حصہ سے زیادہ نہیں۔ ان پاپیوں کی جگہ کسی طرح بھی پُر نہیں کر سکتیں۔

گرو کی اہلیہ سے ناجائز حرکت کرنے والا

(۱۱) منوسمرتی کے ادھیائے ۱۲، شلوک ۵۸ میں ہے کہ گرو کی عورت سے زنا

کرنے والا شخص گھاس پات، گچھے دار درخت، پھولوں کی بیل، کچا گوشت کھانے والوں اور بُرے کرم کرنے والوں کی یونی میں سو دفعہ جاتا ہے۔" لیکن ظاہر ہے کہ گرو جی کی اہلیہ محترمہ سے منہ کالا کرنے والا بدبخت انسان تو کروڑوں میں بمشکل ایک ہی نکلے گا اور شاید ایک بھی نہ ہو مگر نباتات کی یہ حیرت انگیز کثرت کیونکر ہوئی۔ علاوہ ازیں اگر اس بیان کو صحیح مانا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ گھاس پات، درختوں، اناج اور پھلوں کی پیدائش محض زناکاری پر موقوف ہے۔ اگر لوگ زنا سے باز رہیں تو اشجار و نباتات دنیا سے معدوم ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے معدوم ہونے پر تمام حیوانوں اور انسانوں کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔ جن کی زندگی کا مدار اناج، نباتات اور پھلوں پر ہے۔

برہمن ہتیا کرنے والے کی سزا

(۱۲) منو مہاراج ادھیائے ۱۲، اشلوک ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ "برہم ہتیا (برہمن کو قتل یا رُسوا و ذلیل) کرنے والا کتے، سؤر، گدھے، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بھیڑ، ہرن وغیرہ حیوانوں کی یونی میں جاتے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ دُنیا میں جو کروڑوں، اربوں جانور پائے جاتے ہیں۔ ان میں انہی پاپیوں کی ارواح کارفرما ہیں جنھوں نے برہمنوں کو قتل کیا یا ان کی توہین کی۔ پس معلوم ہوا کہ جتنی تعداد ان چارپاؤں کی ہے اسی قدر برہمن قتل یا ذلیل کئے جاتے ہیں حالانکہ اتنے کثیر التعداد برہمنوں کا عالم کائنات میں وجود ہی نہیں پایا جاتا۔ چہ جائیکہ کہ اس کثرت سے ان کی ہلاکت یا توہین وقوع میں آتی ہو۔ علاوہ ازیں جس صورت میں کہ گائے میں برہمنوں کے قاتلوں کی ناپاک روحیں قید کی گئی ہیں ہر ہندو پر لازم ہے کہ وہ خوب گئو ہتیا کر کے مقدس برہمنوں کے دشمنوں سے اُن کے ظلم و جور کا انتقام لیا کرے لیکن ہنود کی معاملہ فہمی اور حقیقت شناسی دیکھو کہ وہ اُلٹے گئو کی حمایت میں مسلمانوں سے دست و گریبان رہتے ہیں۔

شرابی برہمن کیڑوں کے جسم میں

(۱۳) منو سمرتی ادھیائے ۱۲، اشلوک ۵۶ میں ہے کہ شراب پینے والا برہمن کیڑے مکوڑے، غلاظت خور جانوروں اور درندوں کی یونی میں جاتا ہے۔" پنڈت دیانند سرستی

نے بھی ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۱۶ میں برہمنوں کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ کیڑوں مکوڑوں اور پتنگوں وغیرہ کے جسموں میں جائیں گے۔" پس معلوم ہوا کہ گندی نالیوں اور کیچڑ پر جو کروڑوں اربوں کیڑے مکوڑے دکھائی دیتے ہیں یہ سب وہی برہمن ہیں جو کسی وقت مسلمانوں پر آوازے کستے تھے لیکن یہ معمہ حل طلب ہے کہ ہندوستان بھر کے برہمن تو تعداد میں کروڑ سوا کروڑ سے زیادہ نہ ہوں گے لیکن ایک ایک گندی نالی پر کروڑہا کیڑے جو رینگتے دکھائی دیتے ہیں ان کی یہ کثرت کہاں سے ظاہر ہوئی؟

غلہ کے چور

(۱۴) منو شاستر ادھیائے ۱۱ منتر ۵۱ میں ہے:۔

"غلّہ چرانے والا، جان کر چپ رہنے والا، کپڑا چرانے والا، گھوڑا چرانے والا۔ علی الترتیب عام روگ، گونگاپن، کوڑھ سفید لنگڑاپن کو جاتا ہے۔"

لیکن دور نہ جاؤ صرف ہندوستان ہی میں دیکھو تو غلہ، کپڑا اور گھوڑے چرانے والوں کی کتنی بہتات ہے لیکن سفید کوڑھ کے مریض اور لنگڑے بہت قلیل التعداد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیل ارواح کا افسانہ محض من گھڑت ہے۔

سونا چرانے والے برہمن کی سزا

(۱۵) مکڑی، سانپ، گرگٹ، جل کے جیو، ٹیڑھے چلنے والے جیو پشاچ مارنے کی خصلت رکھنے والے جیو، ان کے قالب میں سونا چرانے والا برہمن جاتا ہے (منو شاستر ادھیائے ۱۲ منتر ۵۷) لیکن یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ حشرات مذکورہ کی تعداد دنیا میں اتنی بڑی ہے کہ ہندوستان بھر کے برہمن ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ پھر برہمنوں کی کل تعداد میں سونے کا سرقہ کرنے والے برہمنوں کی تعداد تو اتنی قلیل ہے کہ وہ کسی طرح ان جانوروں کی تعداد کو پورا نہیں کر سکتی۔

تذکیر و تانیث کے اختلاف کی علّت

(۱۶) ویدک دھرم کے بموجب مذکر و مؤنث کا اختلاف بھی تفریق اعمال پر مبنی ہے

پنڈت دیانند جی فرماتے ہیں:۔

> "وہ (روح) ہوا، خوراک، پانی یا جسم کے سوراخ کے ذریعہ سے دوسرے کے جسم میں پرمیشور کی پریرتا (حکم) سے داخل ہوتا ہے۔ جو آہستہ آہستہ ویرج میں جا کر حمل میں قائم ہو کر جسم قبول کر کے باہر آتا ہے۔ اگر عورت کے جسم میں دھارن کرنے کے لائق اعمال ہوں تو عورت اور اگر مرد کا جسم قبول کرنے کے لائق اعمال ہوں تو مرد کے جسم میں داخل ہوتا ہے۔"

اس صورت میں اگر اتفاق سے ساٹھ ستر سال تک لوگوں کے ایسے ہی عمل ہوں جو مرد ہی کے پیدا ہونے کے لائق ہوں یا بالعکس تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو دنیا میں مرد ہی مرد رہ جائیں گے یا صرف عورتیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ تھوڑے سے ہی زمانہ میں عالم انسان ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ویدک تعلیم میں کسی طرح یہ صلاحیت نہیں کہ تمام لوگ اس پر عمل کر کے راہ ہدایت پا سکیں کیونکہ تعلیمات الٰہی کے لیے یہ صفت لازمی ہے کہ ان سے نظام عالم میں کسی طرح کا فتور اور رخنہ اندازی راہ نہ پا سکے۔ آسمانی تعلیم میں یہ وصف لازمی طور پر پایا جانا چاہیئے کہ لوگوں کے لیے اس کی پیروی عسیر الحصول نہ ہو گو بعض افراد بوجہ غفلت شعاری یا کوتاہ اندیشی کے اس پر عمل نہ کرتے ہوں۔

ماں بیٹے کے باہمی انددواج کا امکان

(۱۷) یونی چکر کے رو سے بہت ممکن ہے کہ کسی بچے کی ماں مرنے کے بعد دوبارہ عورت ہی کے شریر میں جنم لے اور اپنے بیٹے ہی سے بیاہی جائے۔ پس جو عورت پہلے جنم میں مادر محترمہ تھی۔ دوسری جون میں زوجۂ دل آرام بن جائے گی۔ اسی طرح وہ لڑکا مرنے کے بعد دوسرے جنم میں اپنی حقیقی ہمشیرہ سے بھی شادی یا نیوگ کر سکتا ہے۔ غرض تناسخ کا عقیدہ ماننے کی صورت میں محرمات سے شادی یا نیوگ کی تمام صورتوں کو اصولاً صحیح اور جائز تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ کسی نہ کسی یونی میں محرمات سے شادی نیوگ کا

منعقد ہونا ناگزیر ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں پنڈت لیکھ رام فرماتے ہیں کہ روح ہمارے ماں باپ کے نطفہ سے پیدا نہیں ہوئی پس (اس لحاظ سے کہ ان کی روحیں دوسرے جسموں میں منتقل ہوگئیں) ہمارے ماں باپ نہیں نہ اُن کا جسم ہی ہمارا ماں باپ ہے۔ جب جسم جل گیا یا خاک در خاک ہوگیا تو وہ سلسلہ ہی ٹوٹ گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان میں اصل چیز جو تمام جسم پر حاکم صاحب ادراک جسم کے اندر کارفرما ہے وہ روح ہے۔ روح سوار اور جسم اس کی سواری ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جسم جو فنا ہونے اور سڑ جانے والی چیز ہے اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ جناب سیّد انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اُس وقت سے نبی آخرالزماں ہوں جب کہ ابھی آدم ابوالبشر کا خمیر بھی تیار نہ ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ ”میں“ سے مراد اس حدیث میں حضور سرور کائنات سیّد دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک ہے نہ جسد پاک۔

دوبارہ جنم لینے کا دیانندی دعویٰ

اسی طرح آریوں کے سرگروہ سوامی دیانند کی سوانح عمری مصنفہ پنڈت لیکھ رام کے صفحہ ۸۶۷ میں لکھا ہے:۔

> رشی (پنڈت دیانند) نے جودھپور جانے سے پہلے کہا تھا کہ شریر کا اب کچھ بھروسہ نہیں۔ نہ جانیں کس وقت شریر چھوٹ جائے۔ مگر میں اس کام کے لیے دوبارہ جنم لوں گا آریہ سماجوں کی ترقی سے بڑی مدد ملے گی۔ میں اُس وقت وید لقیہ بھاشں کروں گا“۔

اس بیان میں بھی ”میں“ سے مراد پنڈت دیانند کی روح ہے کیونکہ فنا پذیر جسم تو پنڈت جی کو دوبارہ نہیں مل سکتا۔

مصنف نرکت کا بار بار جنم لینے کا زعم

یاسک منی مصنف نرکت نے اپنے بار بار جنم لینے کے متعلق لکھا ہے :۔

میں مرا ہوں اور پھر پیدا ہوا ہوں اور پھر پیدا ہو کر پھر مرا ہوں ہزاروں قسم کے جوُن میں پڑ چکا ہوں۔ مختلف پستانوں کا دودھ پیا۔ بہت سی مائیں دیکھیں اور بہت سے باپ اور دوستوں سے تعلق ہوا۔ اوندھے منہ بڑی تکلیف میں حمل کے اندر رہا۔" (ثبوت تناسخ مندرجہ کلیات آریہ مسافر صفحہ ۹۲)

اس تحریر میں مصنف نرکت کا یہ کہنا کہ بہت سی مائیں دیکھیں صراحتہً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد مصنف کی روح ہے نہ کہ جسم کیونکہ جسم تو ہمیشہ بدلتے رہے اور روح وہی برقرار رہی۔ غرض ہمارا مدعا ثابت ہے کہ جس شخص نے بہت سی ماؤں کا دودھ پیا کیا عجب ہے کہ اس نے کسی نہ کسی جون میں کسی نہ کسی ماں سے شادی یا نیوگ بھی کیا ہو۔

مومنوں کو ابدی راحت کی بشارت

(۱۸) دنیا میں کسی انسان کو خواہ وہ کسی ملک کا فرمانروا، راجہ یا کروڑپتی کیوں نہ ہو سچی خوشی نصیب نہیں حالانکہ ہر شخص دائمی راحت اور ابدی نجات کا دل سے متمنی ہے۔ اگر تناسخ ارواح کا عقیدہ درست ہے تو کیا انسان ہمیشہ یونی چکر ہی کی حوالات میں گرفتار رہے گا اور اس کی فطری خواہش اور دلی آرزو کبھی پوری نہ ہوگی۔ کیا رب العالمین کی درگاہ والا سے انسان کو ابد الآباد تک یہی جواب ملتا رہے گا کہ جاؤ میرے خزانے ابدی نجات اور سرمدی راحت سے خالی ہیں؟ مگر نہیں آواگونیوں کا یہ خیال بھی سراسر غلط ہے۔ مالک الملک کے خزانے ہر قسم کی نعمتوں سے معمور ہیں۔ خدائے وَدُود اپنے حقیقی فرمانبرداروں یعنی مومنین قانتین کو ایسی راحت عطا فرمائے گا۔ جس میں رنج و کلفت کا کوئی شائبہ نہ ہوگا۔ نجات ایسی ملے گی جو کسی انقطاع پذیر زمانہ کی شرمندۂ احسان

نہ ہو گی۔

عقیدۂ تناسخ کی رو سے علم طب بے کار ٹھیرتا ہے۔

(۱۹) عقیدہ آواگون کی رو سے علم طب بالکل بے کار اور محض فضول ٹھیرتا ہے جب یہ اعتقاد راسخ ہو گیا کہ تمام بیماریاں جن میں انسان اور حیوان مبتلا ہوتے ہیں بداعمالیوں کی سزائیں ہیں تو ڈاکٹروں اور طبیبوں کا معالجہ کرنا اور سرپرستوں اور وارثوں کا اپنے مریضوں کی تیمارداری کی زحمت اُٹھانا سراسر بے سود ہے۔ جو لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں علیل و رنجور ہیں۔ ان سے کسی قسم کی ہمدردی کرنا قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے۔ پس اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ آواگونی فرقہ خدائی سزا کے دُور کرنے کی کیوں ناکام کوشش کرتا ہے۔

دو اہم سوال

(۲۰) پنڈت دیانند سرستی نے ستیارتھ پرکاش (اردو صفحہ ۲۵۷) میں لکھا کہ ایشور نے چاروں وید دنیا کے ابتداء میں صرف انہی چار رشیوں (اگنی، دایو، آدیتہ، انگرا) پر اس لیے نازل فرمائے کہ چار جیو سب جیووں سے زیادہ پوتر آتما تھے اس لیے پاک علم کا نزول انہی پر ہوا۔ غرض آریہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے۔ مگر اس کے برخلاف سناتن دھرم کے پیرو یہ ثابت کرتے ہیں کہ وید چار شخصوں پر نہیں بلکہ صرف برہماجی پر نازل ہوئیں اور انھوں نے اور رشیوں کو پڑھائے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر انسانی روح کسی دوسرے جسم میں داخل ہو کر گذشتہ معاصی کی سزائیں معذب ہوتی ہے تو شروع دنیا سے قبل انسان نے کون سے نیک عمل کئے تھے کہ جن کی بدولت برہماجی اور چار رشیوں کو انسانی جسم سے مشرف کیا گیا۔ اور گدھے، کتے اور گائے، بیل نے کس جون میں کیا جرم کئے تھے کہ جن کی سزائیں انھیں ابتداء یہ جسم ملے؟ اگر کوئی آریہ مہاشہ اس کا یہ جواب دے کہ انسان و حیوان کے یہ اجسام قدیم سے اسی طرح چلے آتے ہیں تو یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہ ہو گی کیونکہ گو ہنود روح اور مادہ کو قدیم مانتے ہیں لیکن اس ترکیب کو جس سے مادہ کی مختلف شکلیں عالم وجود میں آ کر انسان

وجیوان کہلائے اسے وہ بھی حادث و نو پیدہی ماننے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ اوپر کی عبارت میں پنڈت دیانند نے دنیا کی ابتداء کا ذکر کیا ہے۔

اضافۂ آبادی سے تناسخ کا بطلان

(۲۰) اگر یہ صحیح ہے کہ روحیں انسانی پیکر سے منتقل ہو کر اپنی سیہ کاریوں کی سزا بھگتنے کے لیے کسی حیوانی قالب میں جاتی ہیں تو چاہیئے کہ انسانی مردم شماری دن بدن رو بزوال اور حیوانات کی تعداد یوماً فیوماً ترقی پذیر ہو کیونکہ دنیا کی آبادی میں اچھے کرم کرنے والے تناسخ پرستوں کی تعداد بہت قلیل ہے اور "ملیچھ" لوگ یعنی یہود، نصاریٰ اور مسلمان وغیرہ نسبتاً بہت زیادہ ہیں۔ اور پھر آواگونیوں میں بھی پاک دل پوتر اور خالص نیک مانس آریہ تو دریا میں قطرہ کا حکم رکھتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ مؤخر الذکر افراد کو چھوڑ کر عالم انسان کی اکثریت اس قابل نہیں کہ مرنے کے بعد انسانی قالب میں لوٹ سکے جب تک کہ تمام پاپی اپنے جرائم کی سزا کسی حیوانی جسم میں کاٹ نہ لیں لیکن چونکہ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے یعنی انسان کی تعداد ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے پس معلوم ہوا کہ آریوں کا یونی چکر محض اہل شرک کے گرداب تخیلات کا نتیجہ ہے

نباتات میں انسانی روح

(۲۲) ستیارتھ پرکاش صفحات ۲۹۵، ۳۳۸، ۳۴۲، ۵۹۹، ۶۰۲ اور منوسمرتی ۱۲/۹، ۲۲/۲۳، ۱۱/۵۹ سے ثابت ہے کہ نباتات میں بھی انسانی روحیں موجود ہیں۔ چنانچہ کلکتہ کے نامی ڈاکٹر بوس نے کسی آلہ کے ذریعہ سے برائی العین مشاہدہ کرا دیا تھا کہ تمام نباتات ذی روح ہیں پس اس کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی کہ ویدک دھرم کے غاشیہ بردار اپنے گوشت خور ہم وطنوں سے اُلجھ کر خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت کا مصداق کیوں بنتے ہیں۔ سبزی خوروں کو نہ صرف سبزی سے بلکہ گیہوں، جَو، مکی، جوار، چاول، دال اور دوسری قسم کے غلوں سے بھی دست بردار ہو جانا چاہیئے کیونکہ تمام نباتات ذی روح ہیں۔

گوشت خوروں کا احسان

(۲۳) جب حیوانی قالب گناہ گاروں اور مجرموں کے لیے قید خانہ کا حکم رکھتا ہے

تو ہندوؤں کو اپنے گوشت خور ابنائے وطن کا ممنت پذیر ہونا چاہیئے جو بہت سے جانوروں کو ذبح کر کے کثیر التعداد آریوں کو حیوانی قالب کی قید سے نجات دلاتے ہیں لیکن ان کی اخلاقی حالت دیکھو کہ شکر گذاری کی بجائے احسان فراموشی بلکہ محسن کشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بلّی کو ماں سمجھنے والا

تقسیم ملکی سے پہلے جب ہندوؤں کے روزانہ اخبار لاہور سے شائع ہوا کرتے تھے تو ان میں کبھی کبھی پچھلے جنم کے سخت مضحکہ خیز من گھڑت قصّے بھی زیب قرطاس ہو جایا کرتے تھے۔ امام ابن جوزی رحہ نے بھی کتاب "تلبیس ابلیس" میں اسی قسم کا ایک دلچسپ قصہ زیب رقم فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ابوالحسن علی بن لطیف المتکلم نے بیان کیا کہ بغداد میں ہمارے پاس ایک شخص جو ابولبشر بن فلاس کے نام سے مشہور تھا، آیا کرتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ تناسخ کا قائل ہو گیا ہے۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سیاہ بلی بیٹھی ہے وہ اس کو پیار کرتا اور اس پر ہاتھ پھیرتا اور اس کی آنکھیں اور سر کھجلاتا ہے اور بلی کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں جیسا کہ عام طور پر ایسی حالت میں بلیوں کی عادت ہے اور وہ شخص زار و قطار رو رہا ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اُس نے کہا واہ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ جوں جوں میں اس پر ہاتھ پھیرتا ہوں یہ روتی ہے۔ بلاشک و شبہہ یہ میری ماں ہے اور مجھے دیکھ کر حسرت سے روتی ہے اور پھر وہ اس طرح بلی سے باتیں کرنے لگا جیسے کوئی سمجھ دار آدمی سے باتیں کرتا ہے اور بلّی نے آہستہ آہستہ میوں میوں کرنا شروع کیا۔ میں نے اس سے پوچھا تم جو کچھ کہتے ہو یہ سمجھتی ہے؟ بولا ہاں۔ میں نے پوچھا کہ جس طرح یہ تمھاری باتیں سمجھتی ہے اسی طرح تم بھی اس کی بولی سمجھتے ہو؟ بولا نہیں۔ میں نے کہا پھر تو وہ در حقیقت انسان ہے جو تمھاری باتیں سمجھتی ہے اور تم بلّی ہو جو اس کی بات نہیں سمجھتے۔"

فصل ۳۹

رشوت کا لین دین

عرب میں رشوت کا بازار گرم تھا۔ خصوصاً علمائے یہود جو احکام تورات میں ردّ و بدل کرتے رہتے تھے اور عوام الناس سے رشوتیں لے کر ان کی مرضی کے مطابق فتوے لکھ دیتے تھے اس حرکت میں بدنام تھے۔ رب جلیل نے اپنے کلام پاک میں ان الفاظ میں ان کی بے راہ روی کا پردہ چاک کیا۔

(ترجمہ) جو لوگ ان احکام کو جو خدا نے اپنی کتاب (تورات) میں نازل کئے چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا (یعنی دنیاوی) معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ بلاشبہ اپنے شکموں میں انگارے بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن خدائے ذوالجلال ان سے بات بھی تو نہیں کرے گا اور نہ اُن کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۲: ۱۷۴) شکموں میں آگ بھرنا اس بنا پر فرمایا کہ علمائے یہود دُنیائے فانی کے مال و دولت کی طمع میں احکام الٰہی میں ردّ و بدل اور منشائے الٰہی میں تحریف شکم پرستی ہی کی خاطر کرتے تھے۔ اس بنا پر آخرت میں ان کو یہی سزا ملے گی۔

رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت

پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، بیہقی) لیکن بیہقی نے شعب الایمان میں "والرائش" کا لفظ زیادہ روایت کیا ہے۔ یعنی آپ نے راشی اور مرتشی کی طرح رائش یعنی اُس شخص پر بھی لعنت کی ہے جو رشوت لینے اور دینے والے کے درمیان واسطہ اور ذریعہ ہو۔ رشوت دینے والے پر لعنت اس لیے ہے کہ وہ ارتکابِ جرم میں مددگار ہے اور جرم کی اعانت آئین ملکی اور آئین اخلاق دونوں میں جرم ہے۔

یاد رہے کہ رشوت دینے والا اس وقت لعنت میں شامل ہے کہ ناجائز طریق پر جلب منفعت کے لیے دے اور اگر دفع مضرت کے لیے کسی کو کچھ دے تو لعنت صرف رشوت خور پر وارد ہوگی۔ اپنے آپ کو ظلم سے بچانے کے لیے بحالت مجبوری دینے میں انسان معذور ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینے کی کوشش

فتح خیبر کے بعد یہود نے درخواست کی تھی کہ زمین ہمارے ہی قبضے میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف بطور مالکانہ ہمیشہ ادا کرتے رہیں گے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ بٹائی کا وقت آتا تو آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابیؓ کو بہ تاکید کر کے بھیجا کرتے کہ انصاف کرنا۔ وہ جاکر دیانت داری سے پیداوار حاصل کر کے دو حصے کر دیتے اور کہہ دیتے تھے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ پہلی مرتبہ جو وہ گئے تو یہود نے نصف سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش میں ان کو رشوت دینی چاہی انھوں نے انکار کر کے فرمایا تم لوگوں نے جو یہ رشوت پیش کی ہے یہ قطعاً حرام ہے ہم مسلمان رشوت نہیں کھاتے یہودیوں نے ان کی یہ تقریر سن کر کہا یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ (موطائے امام مالک و تاریخ ابن جریر طبری)

رشوت خور کا انجام

عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (رشوت خور) حاکم قیامت کے دن اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ فرشتہ اُس کی گدّی پکڑے ہوئے ہوگا۔ پھر فرشتہ اوپر کی طرف نظر اُٹھائے گا۔ اس وقت حق تعالیٰ حکم دے گا کہ اس کو ڈال دے۔ تو فرشتہ اس کو چہل سالہ گڑھے میں ڈال دے گا۔ (احمد ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان) یعنی وہ چالیس برس تک گرتا چلا جائے گا۔ کیونکہ اس گڑھے کی گہرائی اس قدر عمیق ہوگی کہ چالیس سال میں اس کی تہ کو پہنچے گا حالانکہ اوپر سے نیچے کی طرف حرکت بہت سریع اور تیز ہوتی ہے۔ یہ رشوت خور حاکم یا اہل کار کا انجام ہوگا۔

عمال کو میدے کی روٹی کھانے اور باریک کپڑے پہننے سے منع کرنا

مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ جب عہدہ داروں کو اپنے ممالک محروسہ میں عامل مقرر کر کے بھیجتے تو ان سے یہ وعدہ لے لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے۔ میدے کی باریک روٹی نہیں کھائیں گے۔ باریک کپڑا نہیں پہنیں گے اور لوگوں کی حاجت کے وقت اپنے دروازے بند نہیں رکھیں گے۔" اور ان کو بتلا دیتے کہ اگر تم نے ان میں سے کوئی کام کیا تو میری عقوبت تم پر نازل ہو جائے گی۔ اس قول و قرار کے بعد حضرت عمر فاروقؓ رخصت کرنے کے لیے ان کی مشایعت فرماتے (بیہقی فی شعب الایمان) علماء نے لکھا ہے کہ امیر المومنین نے ان شرائط کی آڑ میں گویا اپنے عمال کو اسراف اور رشوت ستانی اور ایذائے خلق سے روکا تھا۔ چنانچہ تمام عمال ان شرائط و مواعید کے پوری طرح پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عہد فاروقی میں رشوت ستانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

عمال کو رعایا سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت

رعایا کا کوئی آدمی جب بھی کسی سرکاری ملازم کو کچھ ہدیۃً یا تحفۃً دیتا ہے کسی غرض یا دباؤ سے دیتا ہے اس لیے وہ رشوت ہے۔ جب عمال اپنے دورے سے واپس آتے تھے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس غرض سے ان کی تحصیلِ زکوٰۃ کا جائزہ لیا کرتے تھے کہ کہیں ان سے کوئی بے ضابطگی تو سرزد نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو قبیلہ بنو سلیم کے صدقات تحصیل کرنے پر متعین فرمایا۔ جب وہ تحصیل زکوٰۃ کے بعد واپس آیا تو آپ نے اس سے حساب لیا۔ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ! یہ تو قوم کا حق ہے (جو بیت المال میں جمع ہوگا) اور یہ چیزیں مجھ کو ہدیۃً ملی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو عامل ہونے کی حیثیت سے یہ سب کچھ نہیں ملا تو پھر گھر بیٹھے بٹھائے تمہیں یہ چیزیں کیوں نہیں مل جایا کرتیں؟ (یعنی دیکھنا یہ ہے کہ اگر سرکاری ملازم نہ ہوتے تو بھی لوگ یہ ہدیہ دیتے یا نہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ لوگوں نے یہ ہدیہ کسی دباؤ یا غرض سے دیا ہے اور ایسا ہدیہ رشوت اور حرام ہے)

اس کے بعد آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو شخص کسی سے کوئی چیز ناحق لیتا ہے تو میں اُسے قیامت کے دن ایسی حالت میں دیکھ کر پہچان لوں گا کہ کسی کی گردن پہ اونٹ لدا ہوگا جو بڑبڑاتا ہوگا گائے ہوگی تو مع چلاتی ہوگی۔ بکری ہوگی تو میمیں میمیں کرتی ہوگی پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگی اور فرمایا الٰہی! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا ہے۔ (مسلم)

اولاد کو مال حرام سے بچانے کی ضرورت

علماء نے فرمایا ہے کہ جس چیز کا خود کھانا حرام ہے اولاد کو بھی اس سے بچانا لازم ہے اور وہ نہ صرف اولاد کو کھلانا حرام ہے بلکہ جانوروں تک کو کھلانا بھی حرام و ممنوع ہے۔ اگر کسی کو کبھی ایسا اتفاق ہو تو چاہیئے کہ خود نہ کھلائے بلکہ کسی ایسی جگہ رکھ دے کہ وہ خود آ کر کھالیں۔ یاد رکھو کہ جو شخص اپنی اولاد کو رشوت وغیرہ کا حرام مال کھلاتا ہے وہ اولاد کے اندر شرارت کا مادہ پیدا کرتا ہے۔

فصل ۴۰

رہزنی و غارت گری

رہزنی اور غارت گری اہل عرب کا عام ذریعۂ معاش تھا اور وہ سال کا زیادہ حصہ اسی میں مصروف رہتے تھے۔ البتہ حج کے تین مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ ذوالحجہ تو خاص حج کا مہینہ تھا۔ ذی قعدہ میں اہل عرب حج کے لیے مکہ کا سفر کرتے تھے اور محرّم میں حج سے فراغت پا کر اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے لیکن چونکہ مسلسل تین مہینے تک اپنے ذریعۂ معاش سے دست بردار رہنا مشکل تھا اس لیے وہ ایام مراجعت یعنی محرم میں رہزنی کو جائز کر لیتے تھے اور اس جواز کی یہ صورت نکال لی تھی کہ محرم کی بجائے صفر میں غارتگری سے باز رہتے تھے۔ اس تبدیلی کو انھوں نے نسئی (تاخیر) سے موسوم کر رکھا تھا۔ اس کی مزید تفصیل انشاءاللہ العزیز ایک مستقل فصل میں آئے گی۔

غارت گری اور لوٹ مار کا یہ عالم تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقتور قبیلہ تھا ۵ھ تک مضری غارتگروں کے خوف سے اشہر حُرم کے سوا دوسرے مہینوں میں حجاز کا رخ نہیں کر سکتا تھا (بخاری) غارت گری میں قبیلہ طے کے ڈاکو عرب میں خاص طور پر مشہور تھے۔ حجاز اور عراق کے درمیان ان لوگوں کی بود و باش تھی اور ان کا معمول تھا کہ جو لوگ ان سے معاہدہ کئے بغیر ان کے راستے سے آمد و رفت کرتے تھے ان کو لوٹ لیتے تھے۔ اتنے بڑے ملک میں صرف حرم مکہ کی سرزمین ایسی تھی جہاں خلق خدا کو امن میسر تھا خدائے مہیمن نے اپنے کلام پاک میں کفار مکہ کو یہی احسان جتلا کر قبول حق کی دعوت دی۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ان پہ لازم ہے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت

کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے مامون رکھا۔

اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (ایلاف)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لیے پُرامن حرم بنایا۔ حالانکہ اس کے باہر بد امنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں طرف کے آدمی اُچک لیے جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت)

غرض عرب کے اطراف و اکناف میں لوٹ مار کی گرم بازاری تھی اور جس کو موقع ملتا تھا دوسرے کو لونڈی غلام بنا لیتا تھا۔ البتہ اگر کوئی جگہ محفوظ تھی تو وہ مکہ مکرمہ تھا جہاں کے قریش حرم کے احترام کی وجہ سے ہر قسم کی غارت گری سے محفوظ تھے۔

انہی ایام آشوب میں جبکہ سارا ملک نہب و غارت گری کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور مکہ معظمہ میں اصحاب کرامؓ قریش کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے خدائے برتر کی قسم ہے کہ حق تعالیٰ دین اسلام کو ایسا غلبہ نصیب کریگا کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکا نہایت امن و سکون کے ساتھ سفر کریگا اور اُسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا (بخاری)، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ہر طرف اسلام کا بول بالا ہوا اور امن کی یہ حالت ہوگئی کہ ایک بڑھیا بھی ہاتھ میں سونا اُچھالتی ہوئی جاتی تھی تو اسے اپنے خالق و رزاق کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا تھا۔

فصل ۱۸۴

سرداروں کو سجدہ کرنے کا رواج

عرب میں سرداران قوم کو سجدہ کرنے کا عام رواج تھا لیکن ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشرکانہ رسم کو بالکل برطرف کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت سعد بن قیس انصاریؓ حیرہ گئے۔ وہاں دیکھا کہ لوگ رئیس شہر کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے مراجعت پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا اور عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! آپ اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے"۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میری قبر پر گذرو گے تو اُس کو سجدہ کرو گے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو موجودہ حالت میں بھی سجدہ نہ کرو اور اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو بوجہ اُس حق کے جو عورتوں پر مردوں کا ہے عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں۔ رواہ ابوداؤد عن قیس بن سعد واخرجہ احمد عن مُعاذ بن جبلؓ۔

طیبی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ سجدہ کے لائق وہی ذات حي وقیوم ہے جو موت سے ناآشنا ہے اور اس کی حکمرانی کو کبھی زوال نہیں۔ موجودہ وقت میں تو تم میرے رعب کی وجہ سے اور میرے جلال واکرام کے پیشِ نظر مجھے سجدہ کرو گے۔ لیکن جس صورت میں کہ میرے وصال کے بعد تم مجھے سجدہ کرنے پر آمادہ نہیں تو اب بھی نہ کرو بلکہ اسی ذات برتر کے لیے سربسجود ہو جو حي لایموت ہے (مرقات ولمعات)

اور مولینا اشرف علی تھانوی رقم فرما ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سجدہ کرنا زندہ سے زیادہ خلاف عقل ہے۔ وہ صحابی جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی درخواست کرتے ہیں وہ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کی قبر کو سجدہ کرنا خلافِ عقل اور بُرا سمجھتے ہیں۔

حالانکہ آپ کی موت محض صوری ہے اور ایسی نہیں جیسی غیر انبیاء کی موت ہے۔

سرورِ عالم کو اونٹ کا سجدہ کرنا

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایک اونٹ نے آکر آپ کو سجدہ کیا۔ آپ کے اصحاب عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ کو چارپائے اور درخت تک سجدہ کرتے ہیں۔ پس ہم اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو (یعنی اسی کے سامنے سربسجود ہوا کرو) اور اپنے بھائی کا (یعنی میرا) اعزاز و اکرام کرو اور اگر میں (اللہ کے علاوہ) کسی دوسرے کو سجدہ کرنیکا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے (مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمدرح)

علامہ قاری رح لکھتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کی تخصیص کے ساتھ اپنے رب کی پرستش کرو کیونکہ سجدہ ہی عبودیت کی غایت اور عبادت کی نہایت ہے۔ اور اُونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت تھا جو تسخیر الٰہی اور اس کے امر سے واقع ہوا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فعل خداوندی میں کوئی دخل نہ تھا۔ اور اونٹ معذور تھا کیونکہ وہ اس وقت منجانب اللہ اسی طرح مامور ہوا تھا جس طرح خدائے قدیر نے ملائکہ کو سجدہ آدمؑ کا حکم دیا تھا۔ (مرقات)

دہقانی سردار کا حضرت عمرؓ کو سجدہ کرنا

عہد جاہلیت میں اپنے سرداروں کو سجدہ کرنے کا رواج کا اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے جو ابووائل سے مروی ہے کہ ہم شام کے جہاد میں شریک تھے۔ ایک دہقانی چودھری امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو دیکھتے ہی سربسجود ہو گیا۔ امیر المومنین نے دریافت فرمایا کہ یہ سجدہ کیسا ہے۔ اس نے کہا ہم بادشاہوں کو اسی طرح سجدہ کرتے ہیں۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ صرف اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ چودھری نے کہا امیر المؤمنین ہم نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ آپ چل کر تناول فرمائیے۔ پوچھا کیا تمہارے گھر میں عجم کی تصویریں تو آویزاں نہیں؟ اس نے کہا کہ تصویریں تو آویزاں ہیں۔ فرمایا تو پھر

ہم تمھارے گھر نہیں جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تم جا کر تھوڑا سا کھانا بھیجدو۔ اس نے جا کر کھانا بھیجدیا۔ کھانا کھانے کے بعد امیرالمومنین نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ریشم نہ پہنو اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھاؤ پیو نہیں یہ چیزیں دنیا میں غیروں کے لیے اور آخرت میں ہمارے لیے ہیں (مستدرک حاکم)

اس موضوع پر مزید بحث انشاءاللہ العزیز "شرک باللہ سے شغف" کی فصل میں آئے گی۔

فصل ۴۲

سُودی لین دین

جو اخلاق ذمیمہ عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے تھے ان میں سود خواری بھی داخل تھی۔ سود خواری، طمع، بخل اور ظلم تین برائیوں کا مجموعہ ہے۔ طمع اس وجہ سے کہ سود خوار کی یہ کوشش رہتی ہے کہ ساری دولت سمٹ کر اس کے پاس جمع ہو جائے۔ بخل یوں کہ سود خوار اپنی سنگ دلی اور قساوت کے باعث اپنے کسی قرضدار سے خواہ وہ کیسا ہی درماندہ اور خستہ حال کیوں نہ ہو کوئی رعایت روا نہیں رکھتا اور نہ کسی دینی و ملی کارِ خیر میں امداد دے کر اپنے سرمایہ میں کمی گوارا کرتا ہے اور ظلم اس بنا پر کہ وہ اپنے مقروضوں کو سود در سود کے چکر سے باہر نکلنے نہیں دیتا اور سخت بے رحمی کے ساتھ ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی چھینتا رہتا ہے۔

عرب میں سب سے بڑے سود خوار یہودی سرمایہ دار تھے۔ عرب عوام اور کسان عموماً اُنہی سے سُودی قرض لیتے تھے۔ قریش عام طور پر تجارت پیشہ تھے لیکن یہودی سود خواروں کی دیکھا دیکھی ان میں بھی سود خواری سرایت کر گئی تھی۔ سود کے حرام ہونے سے پہلے حضرت عباسؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور بعض دوسرے حضرات سودی کاروبار کرتے تھے لیکن یہودی اہل کتاب ہونے کے باوجود سود خواری میں سب پر سبقت لے گئے تھے۔ یہودیوں کے اسباب زوال کے بیان میں رب العالمین اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے "یہودیوں کی ان شرارتوں کی وجہ سے ہم نے بہت سی پاک چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں اُن پر حرام کر دیں (تاکہ ان پہ دائرہ رزق تنگ ہو) اور نیز اس وجہ سے کہ لوگوں کو راہِ خدا سے بکثرت روکتے تھے اور (نیز اس وجہ سے کہ) سودی کاروبار کی ممانعت کے باوجود وہ سود خواری سے باز نہیں آتے تھے۔ اور نیز اس وجہ سے کہ لوگوں کے مال ناحق خورد برد

کرتے تھے (ان پر ذلت مسلط کی گئی) (سورۂ نساء آیات ۱۶۰، ۱۶۱)

عرب میں سود کی تباہ کاریاں

عرب میں معمول تھا کہ سود کی کسی معین شرح پر قرض دیتے تھے اور راس المال ادا کرنے کی کوئی تاریخ معین ہو جاتی تھی۔ جب وہ تاریخ گذر جاتی تھی تو تقاضا کیا جاتا۔ اگر راس المال نہ ملتا تو نہ صرف شرح سود میں اضافہ کر دیتے بلکہ راس المال کی رقم بھی بڑھا دی جاتی۔ پھر جب تک تمام قرض وصول نہ ہو جاتا۔ اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے۔ یہاں تک کہ یہ اضافہ اور سود مل کر راس المال دوگنی چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا آخر کار قرض خواہ مدیوں کی تمام جائداد پر قبضہ جما لیتا۔ حق تعالیٰ نے اس ظلم کی بیخ کنی کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳:۱۳)

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ لو۔ اور خدا سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ۔ (لباب النقول)

اس آیت میں فرمایا کہ اصل سے دوگنا چوگنا سود نہ لو یہ تو محض اُس زمانہ کا دستور تھا۔ ورنہ سود کثیر و قلیل سب حرام ہے جیسا کہ دوسری آیتوں سے ثابت اور احادیث نبویہ میں مصرح ہے۔

جاہلیت کے سودوں کا برطرف کیا جانا۔

عرب کے اندر غرباء اور کم حیثیت لوگ اپنے قرض خواہوں کے غلام بنے ہوئے تھے اور سود کی تباہ کاریوں نے قرضداروں کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا لیکن آج حجۃ الوداع میں اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ معلّم حق و صدق سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے برطرفیٔ سود کے لیے بھی اپنے خاندان ہی کو پیش کیا۔ اس وقت سینکڑوں قرضداروں کے ذمے حضرت عباسؓ عمّ رسول کی سودی رقمیں چڑھی ہوئی تھیں۔ حامل شرع صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ جا کر حجۃ الوداع میں جن احکام کا اعلان فرمایا ان میں سود کی بندش و حرمت بھی داخل تھی۔ آپ نے اس اعلان میں فرمایا کہ آج کے دن جاہلیت کا سود برطرف کیا جاتا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں برطرف کرتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے (اپنے چچا)

عباسؓ کے سارے سود کو باطل قرار دیتا ہوں (مسلم) یعنی حضرت عباسؓ اپنے قرض داروں سے اپنی اصل رقمیں وصول کر سکتے ہیں۔ سود کچھ نہ ملے گا۔

بنو مُغیرہ سے سود کا مطالبہ

زمانہ جاہلیت میں بنو عمر ثقفی اور بنو مُغیرہ کا آپس میں سودی لین دین تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب بھر کے سودی معاملات کو کالعدم قرار دیا تھا لیکن باوجود اس کے جب آپ مدینہ منورہ کو مراجعت فرما ہوئے تو بنو عمر ثقفی نے بنو مُغیرہ سے سود کی وصول یابی کا تقاضا شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ آئندہ کے لیے تو کوئی شخص ملک بھر میں سودی لین دین نہ کر سکے گا۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ حُرمتِ ربا سے پہلے کے جو سود منفرد صنوں کے ذمے چڑھے ہوئے ہیں وہ بھی برطرف ہو جائیں۔ بنو مغیرہ نے گھبرا کر حضرت عتاب بن اُسیدؓ حاکم مکہ سے فریاد کی اور کہا کہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ تمام اہل مکہ سود سے سبکدوش ہو جائیں اور ہم اب تک اس بلا میں گرفتار رہیں۔ حضرت عتاب نے تمام ماجرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لکھ بھیجا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں (لباب النقول)

(ترجمہ) مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود (لوگوں کے ذمے باقی ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اُس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم اپنی اصل رقم کے حق دار ہو۔ نہ تم (کسی کا) نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔ (البقرہ آیات ۲۷۸-۲۷۹)

سود کے متعلق چند وعیدیں

یہاں سودی کاروبار کے متعلق چند وعیدیں درج کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے سود کو کتنا بڑا جرم قرار دیا ہے۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود ایک درم بھی دانستہ کھانا گناہ میں چھتیس زناؤں سے بہت زیادہ ہے (احمد و دار قطنی) اس حدیث کو بیہقی نے بھی شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور اس پر یہ مستزاد کیا ہے کہ جس کے جسم کا

گوشت مال حرام سے پیدا ہوا ہو۔ آتش جہنم اس کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ فرمایا کہ شب معراج میرا گذر ایسے لوگوں پر بھی ہوا جن کے شکم اتنے بڑے تھے کہ جتنا کوئی مکان ہو۔ ان شکموں میں سانپ بھرے ہوئے تھے۔ یہ سانپ شکموں کے باہر بھی دکھائی دیتے تھے۔ میں نے جبریل ع سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں (احمد و ابن ماجہ)

سود خوار پر لعنت

حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیاج لینے والا لعنتی ہے۔ چونکہ گناہ کے شریک وہ لوگ بھی ہیں جو ارتکاب جرم میں مددگار ہوں۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے کی طرح سود دینے والے پر اور لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر بھی لعنت کی اور فرمایا کہ (گناہ میں) وہ سب برابر ہیں (مسلم) اور حضرت علی مرتضیٰ رض کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سود خوار پر اور سود دینے والے پر اور سود کے لکھنے والے پر اور مانع زکوٰۃ پر لعنت کرتے ہوئے سنا۔ (النسائی)

قرض خواہ کو مقروض کا ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت

چونکہ اس امر کا بہت قوی احتمال ہے کہ قرض دار قرض کے دباؤ کی وجہ سے قرض خواہ کو راضی رکھنا چاہے گا اور اس جذبہ کے تحت جو کچھ بشکل ہدیہ بھیجے گا وہ ایک قسم کا ربا ہوگا۔ اس لیے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہ کو اپنے مقروض کا ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی۔ بشرطیکہ دائن و مدیون میں پہلے سے ہدایا بھیجنے اور قبول کرنے کے روابط نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی کو قرض دے۔ اس کے بعد قرضدار قرض خواہ کو کوئی تحفہ بھیجے یا اپنا جانور سواری کے لیے بھیجے تو قرض خواہ نہ تو اس پر سوار ہو اور نہ ہدیہ قبول کرے بجز اس صورت کے کہ دونوں میں پہلے سے اس قسم کے مراسم ہوں (ابن ماجہ و بیہقی فی الشعب) اور فرمایا کہ جب کوئی کسی کو قرض دے تو پھر اس سے ہدیہ نہ لے۔ (بخاری فی تاریخہ) حضرت عبداللہ بن سلام رض نے ابوبردہ سے فرمایا کہ تم ایسی زمین میں بود و باش رکھتے ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے۔ پس جس وقت کسی کے ذمہ تمھارا قرض

ہو اور اس کے بعد وہ تمہارے پاس بھس کا ایک بوجھ یا جَو کا یا گھانس کا بوجھ بھیجے تو اس کو نہ لینا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے (بخاری) غرض قرض دے کر اس سے نفع اٹھانا ناجائز ہے۔

سود خواری کا انجام تنزّل و بربادی ہے

حق تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے (ترجمہ) اور یہ جو اس غرض سے سودی روپیہ دیتے ہو کہ سود لوگوں کے مال میں بڑھے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا (یعنی اس میں برکت نہیں ہوتی) البتہ جو زکوٰۃ خدا کی رضا جوئی کے لیے دیتے ہو تو اس (برکت کے باعث) دو چند کر لینے ہو (۳۰: ۳۹) یعنی جو روپیہ اس غرض سے سود پر دیا جاتا ہے کہ سود راس المال سے مل کر بڑھتا رہے اور اس نفع سے مال میں بڑھوتری ہو تو اس میں گو بظاہر زیادتی محسوس ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ پھلتا پھولتا ہے اور نہ اس میں برکت ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات اپنے ساتھ اصل کو لے ڈوبتا ہے۔ البتہ زکوٰۃ جو خالصاً لوجہ اللہ دی جائے گو بظاہر اس سے مال میں کمی محسوس ہوتی ہے لیکن اللہ جلّ سلطانہ کے ہاں مال زکوٰۃ برابر ترقی پذیر رہتا ہے۔ رقم میں بھی برکت ہوتی ہے اور اس کا کوئی گونہ ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع رہتا ہے۔

اور حسبِ روایت عبداللہ بن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ سود کثیر ہو تاہم انجام کار کمی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان) اور اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ مسلمان کو سود سے کبھی فلاح نہیں ہوتی۔ البتہ غیر مسلموں کا مال سود سے بڑھ جاتا ہے۔ لیکن ان کا مطمح نظر محض دنیوی فلاح اور نفع عاجل ہے۔ لیکن ذی حس اور حقیقت شناس مسلمانوں کو معاش سے کہیں زیادہ اصلاح معاد کی فکر ہے۔

سُود کی دوسری قسم

سود کی مشہور قسم تو وہ ہے جس پر اوپر کے سطور میں روشنی ڈالی گئی۔ لیکن ربا کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہم جنس اشیاء میں کمی بیشی کے ساتھ لین دین کیا جائے۔ چنانچہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے بدلے چاندی کو چاندی کے بدلے، گیہوں کو گیہوں کے عوض میں، جَو کو جَو کے عوض میں، کھجور کو کھجور کے بدلے اور نمک کو نمک کے بدلے اس طرح فروخت کرو کہ مقدار میں برابر ہوں اور دست بدست لین دین ہو اور جب یہ جنسیں مختلف ہوں تو ان کو جس طرح چاہو بیچ سکتے ہو۔ بشرطیکہ دست بدست سودا ہو (مسلم) مسلم کی دوسری روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اس نے بیاج کا معاملہ کیا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔

فقہی تفصیل

کتب فقہ میں اس سودی خرید و فروخت کی تفصیل یہ لکھی ہے:۔

ربا اُن چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ جن میں دونوں چیزوں کی مقدار اور جنس ایک ہو۔ مقدار کے ایک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دونوں چیزیں ناپ سے ناپی یا وزن سے تولی جاتی ہوں اور جنس کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں ایک ہی قسم کے مال ہوں پس جن چیزوں کی مقدار اور جنس ایک ہو ان میں کمی بیشی اور اُدھار دونوں حرام ہیں۔ جیسے گیہوں کے عوض گیہوں بیچنے میں اُدھار یا کمی زیادتی ہوگی تو یہ مبادلہ ناجائز ہوگا۔

اسی طرح اگر جَو کو جَو کے عوض میں اور روپیہ کو روپیہ کے عوض میں اور اشرفی کو اشرفی کے بدلے بیچیں کہ جانبین کی چیزیں مقدار اور جنس کی راہ سے ایک ہیں تو اگر ان کی خرید و فروخت میں وزن کی کمی بیشی ہوگی یا اُدھار بیچی جائیں گی تو ربا لازم آئیگا اور بیع حرام ہوگی۔ اور اگر دونوں چیزیں ایسی ہوں کہ مقدار میں تو متحد ہوں لیکن جنس میں مختلف یا جنس میں متحد اور مقدار میں مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز اور اُدھار حرام ہے۔

مثلاً گیہوں کو جَو کے عوض میں فروخت کیا جائے تو بائع اور مشتری کو چاہئے کہ سودا دست بدست کریں۔ اُدھار حرام ہوگا لیکن اگر ان میں کمی بیشی ہو مثلاً گیہوں سیر بھر اور جَو دو سیر تو جائز ہے اتحاد جنس کی مثال مخمل کو ململ کے عوض میں بیچنا ہے۔ اس میں بھی اُدھار حرام اور کمی بیشی جائز ہے۔

اور جو چیزیں نہ مقدار میں متحد ہوں اور نہ جنس میں تو ان میں زیادتی بھی حلال ہے اور ادھار بھی جائز ہے۔ مثلاً کپڑا روپے کے بدلے یا غلہ روپے کے بدلے تو کمی بیشی بھی درست ہے اور ان کا دست بدست ہونا بھی ضروری نہیں۔

جو چیزیں ناپی یا تولی جاتی ہیں۔ مثلاً گیہوں اور جَو، نمک، خرما، چاندی سونا۔ ان چیزوں کو انہی کی جنس سے برابر فروخت کرنا درست ہے۔ کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں اور ان میں کھرا کھوٹا ایک حکم رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ کھری چیز کم لی جائے اور گھٹیا اس کے عوض میں زیادہ دی جائے۔ ان مسائل کی مزید تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔

فصل ۴۳

شراب نوشی

اُمّ الخبائث شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مے خوری کی وسعت وہمہ گیری کا اندازہ حسب بیان بعض علماء اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے قریباً ڈھائی سو نام ہیں اور علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے ان ناموں پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ تمام عربی گھروں میں مے خواری کی مجلسیں قائم ہوتی تھیں اور تمام بڑے بڑے شرفاء اعلانیہ شراب نوشی کرتے تھے۔ کثرت استعمال کا یہ عالم تھا کہ ہر گھر مے کدہ بنا ہوا تھا۔

شراب نوشی نہ صرف ایک جرم اکبر ہے بلکہ جرائم آفرین بھی ہے۔ یہ انسان کی طبیعت کو جرائم کے لیے بے باک بنا دیتی ہے۔ دنیا میں کوئی جرم ایسا نہ ہوگا کہ شراب خوری جس کی پرورش نہ کرتی ہو۔ عرب مے خوار ہر جگہ متوالے ہو کر آپس میں دست و گریبان ہوتے تھے۔ کبھی ترنگ میں آتے تو جو اُونٹ ملتا اُس کو پچھاڑ ڈالتے اور اسکے گوشت سے رفقاء کے کام ودہن کی تواضع کرتے تھے۔

حرمتِ خمر کی تدریجی رفتار

جاہلی عرب بادہ خواری اور مے کشی کے اس قدر دلدادہ تھے کہ ایک ساعت بھی دُخترِ رز کے بغیر چین نہ تھا۔ اس لیے یہ اُم الخبائث دفعتہً حرام نہ کی گئی بلکہ جوں جوں مسلمان اسلام میں پختہ اور راسخ ہوتے گئے اُن سے بتدریج یہ عادت چھوڑائی گئی چنانچہ انھیں پہلی مرتبہ اوقات نماز میں شُربِ خمر کی ممانعت کی گئی۔ دوسرے اوقات میں اہل ایمان اس سے متلذذ ہوتے رہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد یہ فرما کر کہ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (شراب اور جُوئے کے فائدوں سے ان کا گناہ اور نقصان بڑھ کر ہے ۲:۲۱۹)

اس سے نفرت دلائی گئی۔ اس کے بعد رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (ناپاک شیطانی کام) کے ارشاد سے ہمیشہ کے لیے حرام و ممنوع قرار دی گئی۔

حدیثوں میں ہے کہ جب حُرمتِ خمر کا حکم آیا تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے چلا کر کہا "ہم باز آ گئے" اس دن مدینہ منورہ کی یہ حالت تھی کہ گلیوں میں ہر طرف خُم اُٹھے جا رہے تھے۔ شراب زمین پر گرائی جا رہی تھی اور یہ آب حرام مدینہ منورہ کی نالیوں میں پانی کی طرح بہ رہا تھا۔

یتیموں کی شراب کا گرایا جانا

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ ہمارے گھر میں ایک یتیم کی شراب رکھی تھی۔ جب سورۂ مائدہ کی یہ آیت تحریمِ خمر نازل ہوئی (ترجمہ) اے مومنو! بلاشبہ شراب اور جوا اور (باطل معبودوں) کے نشان (یعنی بُت) اور قرعہ کے تیر سب ناپاک اور شیطانی عمل ہیں۔ ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ (۵:۹۱) تو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیم کی (ملکیت کی) شراب کے متعلق دریافت کیا اور گذارش کی یا رسول اللہ! اس شراب کا مالک ایک یتیم لڑکا ہے۔ فرمایا اس کو گرا دو۔ (ترمذی) اسی طرح ابو طلحہ انصاریؓ عرض پیرا ہوئے یا نبی اللہ! چند یتیم میری پرورش میں ہیں۔ میں نے ان (کی نفع رسانی) کے لیے شراب خرید لی تھی۔ اب اسے کیا کروں؟ فرمایا شراب کو پھینک دو اور اسکے برتن توڑ دو (ترمذی) دوسری روایت میں ابو طلحہؓ نے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کے متعلق دریافت کیا جو شراب کے وارث ہوئے تھے۔ فرمایا شراب پھینک دو۔ انھوں نے کہا کیا شراب کا سرکہ بنا لیا جائے؟ فرمایا نہیں (ابو داؤد)

شراب نوشی پر وعیدیں

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب خواری کی مداومت کرنے والا توبہ کئے بغیر مر جائے گا تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔ (مسلم) حضرت جابر انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص یمن سے آکر پینے کی شراب کے متعلق دریافت کرنے لگا جو یمن میں پی جاتی ہے اور وہاں اس کو مزر کہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا وہ

نشہ لاتی ہے؟ فرمایا ہاں نشہ آور ہے۔ آپ نے فرمایا نشہ کرنے والی ہر چیز حرام ہے اور اُس شخص کے لیے جو کوئی نشہ آور چیز پیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اس کو (دوزخ میں) طینۃ الخبال پلائیگا۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ وہ دوزخیوں کا پسینہ ہے۔ یا (فرمایا کہ) وہ پیپ اور لہو ہے جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے (مسلم)

اور فرمایا کہ خدائے برتر نے تین شخصوں پر جنت حرام کر رکھی ہے۔ شراب کا عادی اور والدین کا عاق اور دیّوث جو اپنے اہل و عیال میں خبث کو برقرار رکھے۔ (احمد و نسائی) دیوث وہ بے غیرت مرد ہے جو اپنے گھر والوں میں فحش معلوم کرے اور پھر اس کے ازالہ کی کوشش نہ کرے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین اشخاص جنت میں داخل نہ ہوں گے شراب نوشی کرنے کا عادی اور خویش و اقارب سے قطع تعلق کرنے والا اور سحر کی تصدیق کرنے والا (احمد)

یعنی وہ شخص جو جادو کو مؤثر بالذات جانے ورنہ جادو کے متعلق یہ یقین رکھنا کہ اللہ کے اذن سے واقع ہوتا ہے صحیح ہے اور کلام اللہ اور ارشادات نبویہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ ایک مرتبہ لبید بن اعصم یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا۔ یہ واقع صحیحین اور سنن میں مذکور ہے۔

اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے تمام عالم کے لیے رحمت اور عالمین کے لیے رہنمائی کا سبب بنا کر بھیجا اور میرے پروردگار عزّ و جلّ نے مجھے حکم دیا کہ باجوں اور مزامیر اور بتوں اور صلیبوں اور امر جاہلیت کو مٹادوں اور میرے رب عزّ و جل نے اپنی عزت و اقبال کی قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو کوئی شراب کا ایک گھونٹ پئے گا میں اُس کو اُسی قدر دوزخیوں کی پیپ پلاؤں گا اور جو کوئی میرے خوف سے اس سے دست بردار رہے گا میں اُس کو بہشت کے حوضوں سے شراب طہور پلاؤنگا (احمد)

علماء نے فرمایا کہ اس حدیث سے دف کے سوا کہ شادی میں اس کے بجانے کی دوسری حدیثوں سے اجازت نکلتی ہے۔ ہر قسم کے مزامیر اور باجوں کی حُرمت ثابت ہوئی اور مزامیر

سے مراد طبلہ سارنگی، ہارمونیم، شہنائی، بانسری وغیرہ آلات لہو ہیں اور صلیب سے نصاریٰ کی صلیب مراد ہے۔ جس کی وہ پرستش کرتے ہیں۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمر کی مداومت کرنے والا مر جائے تو وہ بحیثیت ایک بت پرست کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریگا (احمد) حالانکہ بت پرستی کفر اور شرک ہے اور شرک کے برابر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن شراب خوری اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی مداومت کرنے والا مشرک کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جیسے صغیرہ گناہ کا دوام کبیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے تھے کہ میں اس بات کی پروا نہیں کہ میں مے خواری کروں یا اللہ کی بجائے اس ستون کو پوجوں (نسائی) یعنی دونوں گناہ مساوی ہیں۔ بعض علمائے حق نے فرمایا ہے کہ شراب خوری سے دست بردار نہ ہونے والا ہر وقت سوء خاتمہ کے خوف و خطر میں مبتلا ہے۔ اس کا خاتمہ عموماً کفر و شرک پر ہوتا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا۔

حصول قوت کے لیے شراب نوشی

دَیلم حمیری کا بیان ہے کہ میں نے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں التماس کی یا رسول اللہ! ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور سخت کام کرتے ہیں جو بدون قوت کے نہیں ہو سکتا۔ اس غرض سے ہم لوگ گیہوں کی شراب بناتے ہیں تاکہ ہمارے جسموں میں اس سخت مشقت اور ملک کی سردی برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ وہ گیہوں کی شراب نشہ آور ہوتی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو اس سے اجتناب کرو۔ میں عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! لوگ اسکے پینے سے باز نہیں آئیں گے۔ ارشاد ہوا کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو (ابوداؤد)

دواءً بھی شراب کا استعمال جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ شراب کا استعمال دوا میں جائز سمجھتے ہیں۔ اسی خیال سے طارق بن سُوَید حضرمی رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب نوشی کی اجازت مانگی۔ آپ نے

انکار کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں تو محض دوا کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ دوا نہیں بلکہ داء (یعنی بیماری) ہے (مسلم)

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ اکثر علماء نے صرف خمر سے تداوی کو منع فرمایا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر اطباءِ حذاق کے حکم سے شراب کے ساتھ علاج متعین ہو جائے تو مباح ہے۔ (اشعۃ اللمعات) لیکن حدیث مذکور میں اس بات کی تصریح ہے کہ شراب دوا نہیں بلکہ بذاتِ خود ایک بیماری ہے۔ پس اس کے ساتھ تداوی بھی حرام ہو گی۔

خمر کی تعریف

اب سوال یہ ہے کہ شرعی نقطہ سے شراب جو حرام ہے اس کی کیا تعریف ہے اور اس کی حرمت کیا ہے؟ سو معلوم ہوا کہ خمر پینے کی ہر اُس چیز کا نام ہے جو نشہ لائے۔ جس کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانک لے (یعنی اُس میں فتور ڈالے) رواہ البخاری) اور فرمایا کُلُّ شَرَابٍ اَسْکَرَ فَهُوَ حَرَامٌ (پینے کی ہر نشہ آور چیز حرام ہے (بخاری ومسلم) مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُهٗ فَقَلِیْلُهٗ حَرَامٌ (جس کا کثیر حصہ نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) جو چیز بقدر فرق (قریباً آٹھ سیر) نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے (احمد، ترمذی ابوداؤد) نَهٰى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَّمُفْتِرٍ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ کرنے والی اور اعضا کو سُست کرنے والی کی ممانعت فرمائی۔ (ابوداؤد)

واضح ہو کہ اگر شراب میں اتنا پانی ملا دیں کہ شراب کا کچھ اثر باقی نہ رہے تو اس کا پینا بھی حرام ہے اگرچہ ایک قطرہ بھی پیا جائے۔

شراب نوشی کی حد

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی کوئی حد (یعنی شرعی سزا) مقرر نہیں فرمائی تھی۔ جب کوئی مے خوار آپ کے سامنے لایا جاتا تو آپ حاضرین کو حکم دیتے کہ اس کو پیٹو۔ کوئی جوتے مارنے لگتا۔ کوئی ہاتھ کی چھڑی سے پیٹتا۔ کوئی دھپڑ، گھونسے رسید کرتا۔ کوئی پاؤں کی ٹھوکریں مارتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شراب کی

حد میں جوتوں اور کھجور کی بے برگ ٹہنی سے چالیس ضربیں لگواتے۔ خلافت صدیقی اور صدر خلافت فاروقی میں شراب خوار کو چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔

لیکن جب خلافت فاروقی میں بادہ نوشی کی وارداتیں روبہ ترقی ہوئیں تو امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اس بارہ میں صحابۂ کرام سے استصواب کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ حدوداللہ میں جو قرآن میں وارد ہیں۔ سب سے ہلکی سزا حدِ قذف ہے آپ بھی یہی حد مقرر فرمائیے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی اسی کی تائید کی اور فرمایا کہ شرابی حالت مستی میں بکتا اور لوگوں پر بہتان باندھتا ہے اور خدائے برتر نے بہتان کی حد اسّی کوڑے مقرر فرمائی ہے۔ اس لیے آپ بھی اسّی کوڑے متعیّن فرما دیجئے۔"

چنانچہ اس استشارہ کے بعد شراب کی حد میں اسّی کوڑے مقرر ہو گئے۔ اُسوقت سے اسّی کوڑوں پر جمہور ائمہ کا اتفاق چلا آتا ہے۔ گو بعض اب بھی چالیس ہی کے قائل ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرابی کو چالیس کوڑے پٹوائے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑوں کا حکم دے کر اس حد کو کامل کر دیا اور سنت دونوں طرح پر ہے

شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ امام (یعنی حاکم وقت) کو اختیار ہے کہ صلاح وقت کے بموجب عقوبتامیں اور اضافہ کر دے۔

حدود اللہ کا بابرکت پہلو

اگر قومیں چوری، حرام کاری اور شراب خوری کی وہ عبرت ناک سزائیں جو شریعت اسلامؐ نے متعیّن فرمائی ہیں اپنے ممالک محروسہ میں نافذ کریں تو پھر دیکھو کہ جرم اور فسق و فجور کا ملکوں سے کس طرح جنازہ نکلتا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں انگریز حکام سیاسی ملزموں کو سزائیں دیتے وقت تو "پوری فیاضی اور کامل دریادلی،، سے کام لیتے تھے لیکن اخلاقی قیدیوں کو سزائیں دیتے وقت فاضل ججوں اور مجسٹریٹوں کے دل جذبۂ رحم و کرم سے لبریز ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ارتکاب جرائم اور بدچلنی میں کوئی زوال و انحطاط نہ آنے پاتا تھا۔

بلکہ راقم السطور (ابوالقاسم دلاوری) ۱۹۱۹ء کے ایام آشوب میں جبکہ سابقہ پنجاب

کے اندر مارشل لاء کی بے آئینی جاری کی گئی تھی۔ گوجرانوالہ اور لاہور کے قید خانوں میں بہت سے ایسے قیدیوں کو دیکھا کرتا تھا۔ جو بار بار ایک ہی جُرم میں قید ہو رہے تھے اور انھوں نے قید خانہ کو اپنا مستقل مسکن و مامن بلکہ وطن مالوف بنا رکھا تھا۔ لیکن اسلام دنیا سے جرم اور بد چلنی کو مٹانا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے سزائیں ایسی عبرت ناک مقرر فرمائی ہیں جو حوصلہ افزائی کی جگہ جرائم کا قلع قمع کرتی ہیں۔ اگر حکومتیں ایک دفعہ معدودہ چند افراد پر شرعی حدیں جاری کر دیں۔ متاہل زانی کو سنگسار کریں۔ بادہ کش کی مستی اسی کوڑوں کی ضرب سے دور کریں۔ چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کے جُرم کی عملی تشہیر کریں۔ تو کیا کوئی انصاف پسند کہہ سکتا ہے کہ ان جرائم وجرائم کا وجود دنیا میں کہیں رہ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

شرعی حد چہل روزہ باران سے زیادہ بابرکت ہے

اسی مصلحت کی بنا پر زبدۂ کائنات وخلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک حد (شرعی سزا) کا انفاذ اہل زمین کے لیے چہل روزہ بارش سے زیادہ بابرکت ہے۔ (نسائی وابن ماجہ) کیونکہ حد جاری ہوگی تو ملک میں امن قائم ہوگا۔ بد معاش اور مفسد لوگ مرعوب ہوں گے۔ انھیں جرائم پر جرأت ومبادرت نہ ہوگی خلق اللہ امن کی زندگی بسر کرے گی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم فرما ہیں کہ معاصی رزق کی کمی اور خوفِ اعداء کا سبب ہیں جیسا کہ کتاب وسنت اس پر دلالت کرتی ہے اور جب حدیں جاری کی جائیں تو طاعت الٰہی رونما ہوتی ہے اور معصیت کو زوال آتا ہے جس کا نتیجہ فراخیٔ رزق اور نصرت الٰہی کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ پس یہ جائز نہیں کہ زانی، سارق، شارب خمر یا قزاق اور اس قسم کے دوسرے فاسقوں سے کچھ رقم وصول کر کے حدود اللہ کو معطل کیا جائے۔ ان لوگوں سے نہ تو بیت المال کے لیے کوئی رقم روا ہے اور نہ کسی دوسرے اسلامی مصرف کے لیے۔ یہ مال جو حدود اللہ کی برطرفی کے لیے وصول کیا جائے قطعاً حرام ہے اور اگر کوئی حاکم اس فعل کا مرتکب ہوگا تو وہ دو بہت بڑی خرابیوں کو جمع کریگا۔ اول احکم الحاکمین کی مقرر کی ہوئی حد کی تعطیل و برطرفی۔ دوم حرام خوری۔ امر اوّل ترک واجب ہے اور دوسرا محرّم۔

فصل ۴۴

شرک باللہ سے شغف

توحید پرستی میں اسلام کی شانِ یکتائی

اسلام اپنی توحید پرستی پر جتنا بھی نازاں ہو کم ہے۔ اُسے اس عقیدہ کی بدولت مِلَلِ عالم پر جو تفریق و امتیاز حاصل ہے۔ اُس سے دنیا کا کوئی منصف مزاج انسان انکار نہیں کر سکتا۔ گو انبیائے سلف اور ان کے سچے پیرو بھی توحید کی دعوت و تبلیغ میں اسلام کے ہم عنان تھے لیکن توحید کا ڈنکا بجانے اور شرک باللہ کی ظلمت مٹانے میں جو کارنامہ خیر الامتہ نے انجام دیا۔ پہلی امتوں سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ بن پڑا۔

اس میں شبہہ نہیں کہ تمام انبیاء و رُسل توحید ہی کے علم بردار تھے لیکن سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگوں کی ہمیشہ یہ حالت رہی کہ اپنے نبی کی رحلت کے تھوڑا ہی زمانہ بعد اگر علانیہ کفر و شرک اختیار نہیں کر لیتے تھے تو کم از کم حضرتِ اَحَدیت کی ذات صفات کے متعلق ایسے عقیدے ضرور وضع کر لیتے تھے جن میں کفر و شرک کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ مرکز توحید مکہ معظمہ کے باشندے قریش اور دوسرے معاندین رسالت مدتوں سے موحّد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دین پر چلے آتے تھے لیکن بعثت نبوی سے کچھ مدت پہلے انھوں نے بھی بُت پرستی اختیار کر لی تھی۔ اور انھیں شرک باللہ سے وہی شغف ہو گیا تھا۔ جو اہل ایمان کو توحید سے ہے۔

مذہبی دنیا کی عام حالت قبل از ظہور اسلام

ظہور اسلام سے پیشتر عام طور پر مذہبی دنیا کی یہ حالت تھی کہ بُت پرستی مذہب کا عملِ اکبر سمجھی جاتی تھی۔ لوگ اصنام پرستی میں اس قدر مگن تھے کہ انھیں خالقِ کون و مکان کی ہستی کا کبھی بھول کر بھی خیال نہ آتا تھا۔ یہ لوگ دنیا کی ہر طاقت کو کسی

نہ کسی بُت کا مظہر اور ہر ایک خلاف معمول واقعہ کو کسی جداگانہ دیوتا کا تصرف گمان کرتے تھے اور جب کبھی انہیں کوئی حاجت پیش آتی تو درگاہ قاضی الحاجات میں ہاتھ پھیلانے کی بجائے خود تراشیدہ بتوں کے سامنے سربسجود ہوتے تھے۔ کفر و شرک کا یہاں تک دور دورہ تھا کہ حرم کعبہ جو اپنی عظمت شان کے لحاظ سے خدائے واحد کی طرف منسوب کرکے بیت اللہ کہا جاتا ہے وہ بھی کفر و شرک کا نشیمن بنا ہوا تھا۔ طاغوت پرستوں نے وہاں تین سو ساٹھ بت جمع کر رکھے تھے

حشرات بھی خدا بنائے گئے تھے

سورج، چاند، ستارے، آگ، پانی، ہوا، درخت، پہاڑ، دریا، ندی نالے غرض مادیات عالم کی ہر چھوٹی بڑی چیز خدا بن رہی تھی اور اشرف المخلوق انسان قعر ذلت و پستی میں اس درجہ گرا ہوا تھا کہ لوگ، چھپکلی، سانپ، بچھو، کتے، بلی جیسے فرومایہ اور ناپاک جانور کے سامنے سر نیاز جھکایا کرتے تھے۔ بہت سی قوموں نے ذات احکم الحاکمین و خالق کل کو تو مانا لیکن اس کے پہچاننے اور مشخص کرنے میں دھوکا کھایا۔ اہل مغرب نے مشتری کو خدا سمجھا۔ بعض کفار عرب نے چاند سورج اور ستاروں کو خالق رزاق جانا۔ بعض قوموں نے خدا کی لازوال ہستی کا بھی اقرار کیا لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے باطل معبودوں کو بھی تصرف فی الاکوان میں اس کا شریک خیال کیا۔ یہود و نصاریٰ مذہب کے سب سے بڑے مشعل بردار تھے لیکن مسئلہ توحید میں وہ بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے ذات خداوندی کو تو تسلیم کیا لیکن اپنے نبیوں کو بھی اس یکتا ہستی کا شریک و سہیم خیال کیا۔

قالت الیہود عزیر ابن اللہ (یہود کہنے لگے کہ عُزیر ابن اللہ ہیں۔ اور نصاریٰ قالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ (نے یہ عقیدہ تراش لیا کہ مسیح خدا کے فرزند ہیں

خدائے بے چوں کو مرئی و ذی جسم ہستی گمان کرنا

ایک خرابی یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ اور انبیائے سلف کے دوسرے متبعین نے ذات واجب الوجود کے عقیدہ کو تو ایمان کا جزو لاینفک قرار دیا مگر اپنی کوتاہ اندیشی

سے خدائے بیچوں و بے چگوں کو نہ صرف ایک مرئی و ذی جسم ہستی خیال کیا بلکہ اسے عام انسانی صفات سے متصف سمجھا۔ یہی وجہ تھی کہ خدائے لم یلد و لم یولد کا بیٹا بیٹی اور اس قسم کے دوسرے مشرکانہ خیال بھی ان کے عقاید میں سرایت کر گئے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا

کہنے لگے کہ خدا کا بھی کوئی بیٹا ہے یہ ایسی سخت بات کہی کہ عجب نہیں اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ ان لوگوں نے خدا کے لیے بیٹا تجویز کیا حالانکہ خدا کی شان سے بہت بعید ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمان اور زمین میں ہر چیز خدا کی مخلوق اور عبدیت سے موصوف ہے

توحید سے متعارف کرانے کا اسلامی مقصد

انجام کار اسلام اس سچے دعوے کے ساتھ صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا کہ وہ دنیا میں محض لوگوں کو توحید سے متعارف کرانے، انسان کو شرک و وثنیت سے نجات دلانے اور صرف ایک خدا سے رشتۂ عبودیت استوار کرانے کے لیے آیا ہے چنانچہ وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ دنیا میں سچے معبود ذی الجلال کے نام پاک کا بول بالا ہوا۔ خالق سے مخلوق کا رشتۂ عبدیت استوار ہوا۔ چمن زار جہاں کے مرغان خوش نوا توحید کی نغمہ سرائی میں مصروف ہو گئے۔ اذان کی صدائیں مشرق و مغرب کے در و دیوار سے ٹکرائیں اور دنیا بھر کے جبل و دشت لا الٰہ الا اللہ کی غلغلہ انداز صداؤں سے گونج اٹھے۔

خیر البشر کو توحید کی تعلیم سے غیر معمولی شغف

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر لوگوں کو شرک اور بت پرستی سے منع کیا اور توحید کی طرف بلایا۔ آپ کو توحید کی تعلیم سے اس قدر شغف تھا کہ آپ اس کے خلاف ادنیٰ فروگذاشتوں پر بھی گرفت فرماتے تھے ایک شخص نے آپ کے حضور

ہیں صرف اسی قدر کہا تھا کہ ماشاء اللہ و ماشئت یعنی جو کچھ اللہ اور آپ چاہیں گے وہی ہوگا۔ یہ سُن کر آپ ناخوش ہوئے اور فرمایا اجعلتنی للّٰہ ندًا بل ماشاء اللہ وحدہٗ (کیا تم مجھے حق تعالٰی کا شریک ٹھہراتے ہو یوں نہیں بلکہ اس طرح کہنا چاہیئے کہ جو کچھ خدائے واحد چاہے گا وہی ہوگا) اسی طرح ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نصارٰے نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا کہ انھیں ابن اللہ کہنے لگے لیکن خبردار میری تعظیم میں افراط نہ کرنا۔ میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

موہم شرک امور کا امتناع

آپ نے ان تمام باتوں کی ممانعت فرمادی جو ذرا بھی موہم شرک ہو سکتی تھیں۔ اور جن میں خدا کی ذات و صفات میں شرکت و ہمسری کا ادنےٰ شائبہ بھی پایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے غیراللہ کی قسم کھانے سے منع کیا۔ خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ کَانَ حَالِفاً فَلْیَحْلِفْ باللہ اوْلِیَصمت جو کوئی حلف اُٹھانا چاہے وہ صرف اللہ کے نام پر حلف اُٹھائے ورنہ خاموش رہے اور یہ بھی فرمایا کہ غیراللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔

وَقَالَ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ

شائبہ شرک سے محفوظ رکھنے کے لیے یہاں تک احتیاط کی گئی کہ رب العالمین و احکم الحاکمین کے لیے جمع تعظیمی کا صیغہ تک استعمال کرنا مناسب نہ خیال کیا گیا بلکہ اس خدائے برتر کو باایں ہمہ شان و جلال تو کے صیغۂ واحد حاضر سے مخاطب کیا جاتا ہے۔

تعظیمی سجدہ، تصویر کشی اور بت تراشی کی ممانعت

پہلی اُمتوں میں بادشاہ، سردار قوم اور مذہبی پیشوا کے لیے تعظیمی سجدہ جائز تھا مگر چونکہ خیر الاُمت کو ایمان و اسلام کی آخری منزل اور عقیدۂ توحید کے ذروۂ کمال پر پہنچانا مقصود تھا اس سجدہ کی بھی ممانعت کردی گئی اور کوئی درجۂ تعظیم الیسانہ چھوڑا گیا جو خدا اور اس کی مخلوق میں مشترک ہو۔ دنیا کے مُصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر غیراللہ کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم کرتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

آپ نے لوگوں کو حلول و اتحاد کے عقیدۂ فاسد سے بچانے اور بت پرستی کا قلع

قمع کرنے کے لیے تصویر کشی، صورت نگاری اور بت تراشی کی بھی ممانعت کر دی۔ کیونکہ یہ سب باتیں بت پرستی کا پیش خیمہ ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالےٰ نے جاندار کی تصویر بنانے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور یہ کہ فردائے قیامت کو مصوروں اور بت تراشوں کو نہایت سختی سے اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان تصویروں اور بتوں میں جان ڈالیں۔ جنھیں وہ اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا کرنے کی قدرت نہ رکھیں گے۔

حُرمتِ تصویر کی علّت

اس فعل کی حرمت کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ صنم پرست، آتش پرست، اور آفتاب پرست قومیں بتوں اور تصویروں کو خدا کا مظہر جانتی ہیں اور ان کی تعظیم و عبادت کو بالواسطہ مالک الملک عزاسمہٗ کی تعظیم و عبادت سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قومیں اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے بتوں کے آگے جبہہ سائی کرتی اور گڑگڑاتی ہیں مگر ظاہر ہے کہ خالق و مخلوق کی عبادت و کبریائی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

کتاب اللہ میں توحید الٰہی کے دلائل

کتاب اللہ ایسی آیتوں سے بھری پڑی ہے جو توحید الٰہی کے دلائل پیش کرتی ہیں جن میں سے بہترین دلیل وہ ہے جو اس آیت سے مستفاد ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا — اگر زمین آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو نظام عالم بگڑ جاتا۔

دو خدا ہونے کی صورت میں اختلاف و انشقاق کا پیدا ہونا بہت ممکن تھا۔ ایسی حالت میں کیا عجب ہے کہ دنیائے عالم وجود ہی میں نہ آتی اور اگر دونوں اس تجویز پر متفق الرائے ہو جاتے تو پھر ایک خدا کا ارادہ کسی خاص اندازِ تخلیق پر ہونا ممکن تھا اور دوسرے کا اور نہج پر۔ اسی طرح تقسیم مقادیر کے وقت بھی ہر ہر فرد میں کامل اتفاق رائے کا پایا جانا کسی طرح قرین عقل نہ تھا۔ اور اگر بفرض محال دونوں اتفاق ہی کر لیتے تو بھی یہ اتفاق عارضی و وقتی ہوتا۔ کیونکہ اتنے بڑے نظام کائنات کے اندر ہر امر میں ہمیشہ دونوں کا اتحاد کلی بالکل ناممکن ہے۔ پس جس طرح دو اقلیموں میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ اسی طرح کائنات عالم کی باگ ایک سے زیادہ معبودوں

کے ہاتھ میں بھی نہیں رہ سکتی البتہ اگر ایک ہی خدا ہو جیسا کہ فی الواقع ہے تو کسی اختلاف و فساد کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

ارشاد نبوی سے نصاریٰ کا بیجا استدلال

سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے غار میں فرمایا تھا "ماظنک باثنین اللہ ثالثہما" تم ان دو کے متعلق کیا خیال کرتے ہو جن کا تیسرا خدا ہو۔ نصاریٰ کہتے تھے کہ پیغمبر عربی کا یہ قول توحید کے خلاف اور تثلیث کا موید ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں فرمایا۔ ثالث ثلاثہ (یعنی حق تعالے کو تین خداؤں میں سے ایک خدا) ماننے والوں کی وجہ کفر یہ ہے کہ انھوں نے خالق اکبر کو علی الابہام اپنے تین مزعومہ معبودوں میں سے ایک سمجھ کر اور ان کا مساوی المرتبہ قرار دے کر شرک جلی کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں سرور دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی کا صرف یہ منشاء تھا کہ حق تعالے ہمارا حافظ و نگہبان ہے۔ اگر نصاریٰ بھی اس طرح کہہ لیا کریں کہ وہ ہیں اللہ تیسرا ہے تو اس میں شرک و کفر کی کوئی بات نہیں۔

شرک باللہ کا زہر

حق تعالے کے نزدیک شرک کے برابر اور کوئی جرم نہیں۔ دامن انسانیت پر یہ ایک ایسا بدنما داغ ہے جسے سات سمندروں کا پانی بھی محو نہیں کر سکتا یہ ایسا زہر ہے جو سارے جسم کو مسموم کر کے قعر ہلاکت میں گرا دیتا ہے۔ اس زہر کا صرف ایک ہی تریاق ہے اور وہ یہ کہ سچے دل سے رجوع و انابت کر کے توحید کو نیز رسالت کو جو توحید کا لازمہ ہے تسلیم کیا جائے مگر جو شخص بغیر توبہ کے مرگیا اس کے لیے یہ تریاق اکبر کسی طرح صحت بخش نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ حق تعالے جرم شرک کو کبھی نہیں بخشتا اللہ اسکے وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ماسوا جسے چاہے اس کے تمام گناہ بخش دے اور وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللہِ فَقَدِ جس شخص نے کسی کو خدا کا شریک ٹھہرایا وہ بہت افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا بڑے گناہ کا مرتکب ہوا۔

کفار کی حرماں نصیبی

کفار و مشرکین کی یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ان کا سب کیا کرایا اکارت جا رہا ہے۔ جس طرح توحید پر ایمان لائے بغیر ان کے ذنوب سعادت عفو و مغفرت سے محروم رہتے ہیں اسی طرح اِن کے حسنات و برّات بھی شرک پسندی کے باعث شرف قبول سے محروم رہتے ہیں اور ان کے تمام اعمال ساتھ ہی ساتھ حبط و برباد ہوتے رہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا (پارہ ۱۶ سورہ کہف ع ۱۱)	ان لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں یعنی کتب آسمانی کا اور حق تعالیٰ سے قیامت کے دن ملاقی ہونے کا انکار کیا۔ اس لیے ان کے تمام اعمال غارت کر دیے گئے۔ پس ہم قیامت کے روز ان کی نیکیوں کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے بلکہ ان کی سزا جہنم ہوگی کیونکہ انھوں نے کفر اختیار کیا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق اُڑایا۔

شرک باللہ کے اقسام

شریعت اسلام میں ماسوی اللہ کو خدائے لاشریک کا ہمسر سمجھنا یا رب العالمین کی مخصوص تعظیم، عبادت یا صفات میں کسی دوسرے کو بھی موصوف سمجھنا یا کسی مخلوق کو اطاعت و متابعت میں رب العالمین کے مساوی کرنا شرک ہے۔ شرک یا تو ذات خداوندی میں ہوگا یا عبادت بلکہ صفات میں۔ شرک فی الذات کسی دوسرے کو واجب الوجود خالق، رازق یا معبود جاننے کا نام ہے۔ شرک فی العبادت یہ ہے کہ کسی غیر اللہ کو پوجا جائے۔ شرک فی الصفات یہ ہے کہ اس کے صفات مخصوصہ میں کسی مخلوق کو شریک کریں۔ اس کے متعدد اقسام ہیں۔ شرک فی العلم، شرک فی القدرت، شرک فی السمع، شرک فی البصر۔ شرک فی العلم یہ ہے کہ خدائے علیم کی صفت علم میں کسی کو شریک سمجھیں اور یہ گمان کریں کہ اسے بھی ذات علام الغیوب کی طرح ماضی حال، مستقبل، حاضر غائب قریب بعید سب کی اطلاع ہے اور ہر بات کو ہر وقت جانتا ہے۔

شرک فی القدرت یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ کسی دوسرے کو بھی انسان کے نفع نقصان موت وحیات یا کسی اور امر کی قدرت حاصل ہے جو خاصۂ باری تعالےٰ ہو۔ شرک فی السمع یہ گمان کرنا ہے کہ جس طرح خدائے سمیع دور و نزدیک کی ہر بات سنتا ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے میں بھی یہ قدرت موجود ہے۔ شرک فی البصر یہ سمجھنا ہے کہ جس طرح خدائے بصیر ظاہر باطن، قریب، لعید کی ہر چیز کو ہر وقت دیکھتا ہے اسی طرح اس کی مخلوق میں بھی کوئی ہستی ہر چیز کا ہر آن مشاہدہ کرتی ہے۔

غیر اللہ کو پکارنا ہر لحاظ سے ممنوع ہے

یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ عہد رسالت میں اور اس سے قبل الٰہ العالمین کے ساتھ دوسرے معبودوں مثلاً سورج، چاند، ستارے، لات، منات، عزیٰ، یغوث، یعوق، نسر یا مسیح علیہ السلام اور ملائکہ کو پکارتے تھے ان کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ ان کے معبود خدائی اختیارات کے متصف ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرتے مارتے اولاد دیتے یا رزق پہونچاتے ہیں بلکہ وہ انبیاء، ملائکہ، اصنام یا قبروں کی پرستش محض اس لیے کیا کرتے تھے کہ ان کے زعم باطل میں ان کے معبود تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھے چنانچہ ان کا مقولہ یہ تھا۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى يقولون هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ — ہم تو ان کی پرستش محض اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیں۔ اور مشرکین کہتے ہیں کہ یہ معبود ہمارے لیے خدا کے حضور میں شفاعت کرینگے۔

اس پر حق تعالےٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو تنبیہ کریں کہ کوئی شخص خدائے قدیر کے سوا کسی کو نہ پکارے۔ نہ بطور عبادت اور نہ بطریق فریاد و استغاثہ چنانچہ ارشاد ہے:۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ — اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ خدا کے ماسوا جن معبودوں کو تم شریک خدائی جانتے ہو نہ تو وہ تمہاری تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی تغیر پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں یہ معبود

عنکم ولا تحویلا اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذوراً

جنھیں مشرکین اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں۔ ان میں سے مقرب ترین معبود بھی اپنے رب کا مزید تقرب حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرتے ہیں۔ خدا کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ واقعی آپ کے رب کا عذاب ایسی چیز ہے جس سے حذر کرنا لازم ہے۔

ملائکہ کا سجدۂ آدم

ملائکہ کو اپنے علمی کمالات پر بڑا ناز تھا لیکن خدائے حکیم و قدیر نے اُن سے بھی ایک زیادہ عالم متبحر یعنی آدم علیہ السلام کو منصۂ وجود میں لاکر ملائکہ سے اُن کی علمی کوتاہی کا اعتراف کرایا۔ فرشتوں نے درگاہ رب العزت میں سرنگوں ہوکر کمال عجز و انکسار سے عرض کیا۔

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم

خدایا آپ کی ذات بے عیب ہے۔ ہم تو اسی قدر جانتے ہیں جس کی آپ نے ہمیں تعلیم دی۔ آپ ہی غالب اور صاحب حکمت ہیں۔ جس کو جتنا چاہیں سکھادیں۔

آدم علیہ السلام نے جب حقائق اشیاء کے متعلق اپنے معلومات فرشتوں کے سامنے پیش کئے تو وہ اس بات کے مستحق سمجھے گئے کہ ملائکہ آپ کی تعظیم بجالائیں۔ سجدہ کے لغوی معنی تعظیم و اطاعت ہیں۔

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابیٰ واستکبر و کان من الکافرین

جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ اظہار عظمت کے لیے آدم کی تعظیم بجالاؤ تو ابلیس کے سوا سب ملائکہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ابلیس نافرمانی کرتے ہوئے غرور و تعلّی کی باتیں کرنے لگا اور اس طرح زمرۂ کفار میں داخل ہوگیا۔

قاموس میں ہے۔ سَجَدَ اے خَضَعَ (فروتنی کی) آیت میں بھی لغوی معنی کے اعتبار سے تعظیم و احترام کو سجدہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

لفظ سجدہ بمعنی اطاعت وانقیاد

اس بات کے ثبوت میں کہ قرآن کے اندر سجدہ کا لفظ اطاعت و انقیاد کے معنی

میں بھی مستعمل ہے ہم ایک اور آیت سے بھی استشہاد کرتے ہیں:-

وَلَہٗ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — زمین و آسمان کی ہر چیز خدائے واحد کے سامنے سربسجود ہے یعنی اس کی مطیع و منقاد اور اس کے جلال و عظمت کی وظیفہ خواں ہے غرض ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا وہ سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ محض انقیاد و احترام تھا چنانچہ تفسیر مدارک ہے:-

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اَیْ — حق تعالےٰ نے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو یعنی خضوع و فروتنی اخْضَعُوْا لَہٗ وَاَقِرُّوْا بِالْفَضْلِ لَہٗ — کا اظہار اور ان کی فضیلت کا اقرار کرو۔

اسلام نے عبادت لغیر اللہ پر جس شد و مد سے سرزنش فرمائی اس کا اندازہ آپ اس حقیقت سے لگا سکتے ہیں کہ قرآن کریم کا مشکل کوئی صفحہ ایسا نکلے گا جس میں شرک پر زجر و توبیخ نہ فرمائی گئی ہو۔ اسلام کی طرح انبیاء سلف کی امتوں میں بھی غیر اللہ کے لیے سجدہ عبادت جائز نہ تھا کیونکہ اس کا مستحق معبود حقیقی کے سوا کوئی نہیں۔ پہلی اُمتوں میں لوگوں کو سجدہ تعظیمی سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ شریعت محمدی ادیان سابقہ کی ناسخ ہے خیر الامۃ کو اس سے بھی روک دیا گیا کیونکہ اسلام ایسی باتوں کو بھی شرک قرار دیتا ہے۔ جن میں شرک کا کوئی ادنےٰ شائبہ اور اس کا خفیف سے خفیف احتمال بھی پایا جاتا ہو۔

معاذؓ کا سرورِ عالم کے سامنے سربسجود ہونا

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ بن جبل والیٔ یمن یمن سے واپس آئے تو اپنے آقائے نامدار سیدنا احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو تعظیمی سجدہ کیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ جدت دیکھ کر فرمایا:۔ مالک یا معاذ (اے معاذ تمہیں کیا ہو گیا) وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ میں نے یمن اور شام کے ممالک میں لوگوں کو دیکھا کہ اپنے علماء و زہاد کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے چاہا کہ حضور کی بھی ویسی ہی تعظیم بجا لاؤں۔ آپ نے نہایت تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت کی اور فرمایا کہ اسلام نے کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں رکھا۔ اگر ماسوی اللہ کے لیے سجدہ کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے غیر اللہ کے لیے کسی قسم کا

سجدہ جائز نہیں رکھا۔

آدم علیہ السلام محض قبلۂ عبادت تھے

یہ جو کچھ لکھا گیا اس تقدیر پر ہے کہ سجدہ کے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے تعظیم محض یا تعظیمی سجدہ مراد لیا جائے۔ لیکن اگر آج کل کی اصطلاح کے بموجب اس سے سرافگندگی اور سجدۂ عبادت ہی مقصود ہو تو بھی مطلب بالکل واضح ہے کہ یہ سجدہ آدم علیہ السلام کو نہیں تھا بلکہ جس طرح بیت اللہ کی طرف منہ کر کے الٰہ العالمین کو سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح آدمؑ کی طرف رخ پھیر کر رب العالمین کو سجدہ کیا گیا۔ پس آدم علیہ السلام محض قبلۂ عبادت تھے نہ کہ مقصودِ عبادت۔ اس تقدیر پر اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں لام بمعنی الیٰ (طرف) کے ہوگا۔ یعنی آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے الٰہ العالمین کو سجدہ کرو۔ اور لام بمعنیٰ الیٰ کا استعمال محاورۂ عرب میں کثیر الوقوع ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے لہ

الیس اوّل من صلّی لقبلتکم\
واعرف الناس بالقرآن والسنن

انکار سجدہ کی علّت تعلّی اور خود پسندی تھی

یہاں یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ شیطان کا سجدۂ آدم سے انکار اس بنا پر نہیں تھا کہ اس کے نزدیک یہ فعل شرک اور خدا کی ہمسری کو مستلزم تھا بلکہ اس انکار کی تہ میں ذاتی تعلّی و خود پسندی کا جذبہ موجزن تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر شیطان اس سجدہ کو شرک سمجھتا تو خالق ارض و سماء کے حضور میں صاف عرض کر دیتا۔

غرض ابلیس نے یوں نہیں کہا کہ میں شرک میں ملوث نہیں ہونا چاہتا بلکہ اس نے یہ جواب دیا۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ — خدایا مجھے آپ سجدۂ تعظیم کا کیوں حکم دیتے ہیں۔ میں تو آدمؑ سے افضل ہوں کیونکہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو خاک سے۔

اس جواب سے ظاہر ہے کہ شیطان اس سجدۂ کو جائز سمجھتا تھا اور اسے شیوۂ تعظیم و اطاعت سے

زیادہ منفعت نہ دیتا تھا اور نہ وہ یہ جواب کبھی نہ دیتا کہ میں آدم سے فائق و برتر ہوں۔ در حقیقت شیطان کے جواب کا منشا یہ تھا کہ چونکہ میں آدم سے افضل ہوں اس لیے مناسب ہے کہ وہ مجھے سجدہ کریں نہ یہ کہ الٹا افضل **مفضول** کا ساجد بنے۔

اَلْحُکْمُ فَوْقَ الْاَدَبِ

اور اصل یہ ہے کہ ایسی توحید جس میں خدائے واحد کا عدول حکم لازم آتا ہو۔ اُس شرک پر ہزار بار قربان کر دینی چاہیئے جو خود حکیم کردگار کی مرضی اور حکم سے ہو۔ اَلْحُکْمُ فَوْقَ الادب۔ اگر شیطان کا یہی عقیدہ تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا انھیں خدا کا شریک ٹھہرانا ہے تو بھی اس پر امتثال امر واجب تھا کیونکہ شرک تو اسی واسطے مذموم ہے کہ وہ مولیٰ کریم کی ناخوشنودی کا موجب ہے لیکن اگر کبھی خود ربّ جلیل ہی کسی کو اس قدر نوازے کہ دوسروں کو اس سے شرک کا وہم ہو تو ایسے شرک کا ہر شخص کو مرتکب ہونا چاہیئے۔

تکبّر و انانیت کی دوسری وجہ

امام بغوی نے ناری ہونے کے علاوہ شیطان کے تکبر و انانیت کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب جنّات کے فساد و طغیان کے بعد زمین پر ملایکہ آباد ہوئے تو ابلیس کو زمین اور آسمان دونوں کی سلطنت اور جنت کی محافظت عطا فرمائی گئی۔ کبھی تو وہ زمین پر بندگی بجا لاتا اور کبھی آسمان پر مصروفِ عبادت رہتا۔ ان مراتب علیہ نے اس کے دماغ میں کبر و نخوت کے کیڑے پیدا کر دیے تو حق تعالےٰ نے علیٰ رغم الف ابلیس آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انھیں ابلیس اور ملایکہ کا مسجود بنانا چاہا۔

فصل ۴۵

شعر و شاعری سے شغف

جاہلی عرب میں شعر گوئی دررجۂ کمال پر پہنچی ہوئی تھی لیکن چونکہ اہل عرب اُمی و ناخواندہ تھے وہ اپنے کلام کو مدوّن نہ کر سکے۔ ان کا کلام صرف چند پشتوں تک سینہ بسینہ چلتا رہتا تھا۔ پھر امتداد زمانہ کے ساتھ نسیاً منسیاً ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تک مجموعۂ اشعار عرب کا عشر عشیر بھی نہیں پہنچا۔ باقی سب تلف ہو گیا۔ ہم تک عرب جاہلیت کا کلام صرف ڈیڑھ دو سو برس کا پہنچا ہے۔ اس کا ذخیرہ ملاحظہ ہو کہ کس قدر بڑا ہے۔ اتنا تو کسی ترقی یافتہ قوم نے صدیوں میں بھی جمع نہیں کیا۔

جاہلی شاعری کی نوعیت

جاہلی شاعری میں شجاعت وجانبازی سے کہیں زیادہ مفاخرت ومنافقت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ ہر وصف میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے اور شعر گوئی کی رقابت تو حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اردو کی بزم شاعری میں سودا اور میرؔ کی ہاتھا پائی۔ انشا مصحفی کی گالی گلوچ آتش وناسخ کی نوک جھونک۔ اور ذوق وغالب کی باہمی چشمک سے کون واقف نہیں۔ مگر عرب کے شعراءِ جاہلیت اس بارے میں بھی اردو کے شعراء سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ اعشیٰ نہایت فصیح قادر الکلام شاعر تھا۔ اکثر لوگ مشہور ہونے کے لیے اُس سے اپنی شان میں اشعار کہلواتے تھے۔ نابغہ ذبیانی۔ ربیع بن زیاد۔ منخل حطیبہ وغیرہ چند شعرائے جاہلیت ایسے تھے جنھوں نے لوگوں کی سچی، جھوٹی تعریف کر کے خوب زر اندوزی کی تھی۔ نابغہ مدح سرائی کی بدولت اس قدر دولتمند ہو گیا تھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتا تھا۔

جاہلی عرب میں شعراء کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ جس قبیلہ میں کوئی شاعر ہوتا تھا اس

عظمت ثریا سے ہمدوش ہو جاتی تھی۔ شاعر جس گمنام ہستی کو چاہتا تھا کوے گمنامی سے نکال کر آسمان شہرت پر پہنچا دیتا تھا اور جس کو چاہتا تھا اپنے زور کلام سے قعر مذلت میں گرا دیتا تھا۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مسکین لڑکیاں امراء کی حرم سرائے میں

محلق ایک گمنام غریب شخص تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں جن کو شوہر نہیں ملتے تھے۔ اتفاق سے اعشیٰ کہیں اس طرف آنکلا۔ محلق کی بیوی شوہر سے کہنے لگی کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کی مدح کر دیتا ہے وہ تمام ملک میں مشہور ہو جاتا ہے۔ محلق نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر فوراً اس کی دعوت کر دی۔ خوب کھلایا اور شراب پلائی۔ اعشیٰ نے محلق سے اس کی اولاد کا حال دریافت کیا۔ محلق نے کہا کہ تین لڑکیاں جوان ہو گئی ہیں۔ مگر بر نصیب نہیں ہوتا۔ اعشیٰ نے کہا اچھا ہم اس کی کچھ فکر کریں گے۔ تم اطمینان رکھو۔

جب سوقِ عُکاظ کا وقت آیا تو اعشیٰ نے مجمع عام میں ایک قصیدہ محلق کی مدح میں پڑھا جس کا مطلع یہ تھا۔

ارقت وما ہذا السہاد المورق   وما بی من سقم وما بی معشق

قصیدہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ لوگ محلق کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اس کی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ شرفائے عرب نے آکر لڑکیوں سے شادی کے پیغام دیے اور وہ جلد معزز گھرانوں میں بیاہی گئیں۔

نمیر کی عالمگیر رسوائی

نمیر ایک نہایت معزز قبیلہ تھا اور اہل قبیلہ کو اپنے حسب و نسب پر بڑا ناز و غرور تھا۔ اتفاق سے کہیں جریر شاعر کو اس قبیلہ کے کسی آدمی سے رنج پہنچا تو گھر آکر نمبر کی مذمت میں شعر کہنے بیٹھ گیا۔ جب یہ شعر زبان سے نکلا

فغض الطرف انک من نمیر   فلا کعباً بلغت ولا کلابا

تو وہ بہت خوش ہوا اور بولا خدا کی قسم میں نے اس کو ابد تک کے لیے رسوا کر دیا۔ یہ شعر تمام عرب میں مشہور ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اس قبیلہ کے کسی آدمی سے لوگ قبیلہ کا

نام دریافت کرتے تو وہ نمیر کا نام چھوڑ کر اوپر کی پشتوں کا نام بتاتا تھا

سو اونٹوں کی رشوت

اعشیٰ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہمایوں میں موجود تھا۔ اس نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ ابو سفیان کو جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے بلکہ اہل کفر کے سرغنہ تھے۔ اس کی خبر لگی تو اکابر قریش کو جمع کر کے کہنے لگے کہ یاد رکھو اگر اعشیٰ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس پہنچ گیا۔ اور اسلام لے آیا تو اپنے شعروں کے ذریعہ سے عرب میں آگ لگا دے گا۔ اس پر سب نے خوف زدہ ہو کر سو اونٹ جمع کر دیے جن کو ابو سفیان نے اعشیٰ کے پاس بھجوا دیا۔ اس طرح وہ اپنے ارادہ سے باز رکھا گیا۔

جاہلیت کے مشہور شعراء

اہل عرب فطرتاً شاعر تھے اور ان کی زبان بھی شاعری کے لیے بہت موزوں تھی اس لیے ان میں بے حد وحساب شعراء پیدا ہوئے۔ بنابریں ان کی صحیح تعداد بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ بے شمار شاعروں کا کلام مدون نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ اور بہیں ان کے نام تک معلوم نہیں۔ تاہم ہم تک جن کا کلام پہنچا ہے ان کا شمار بھی سینکڑوں پر ہے ان میں زیادہ مشہور امراء القیس، زہیر، نابغہ، اعشیٰ، لبید، عمرو، طرفہ ہیں۔ (ماخوذ از داستان مشاہیر عرب مؤلفہ پروفیسر زبیدا احمد)

حضرت حسّان بن ثابت رضہ

مدینہ منورہ کے مشہور شاعر حضرت حسّان بن ثابت خزرجی رضی اللہ عنہ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال زمانۂ جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں گذرے اسلام سے پہلے سُوقِ عُکاظ میں نابعہ، ذبیانی، اعشیٰ وغیرہ شعراء سے چشمک رہا کرتی تھی۔ موکب نبوی نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا تو حسانؓ مشرف باسلام ہوئے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافروں کی ہجوگوئی کے جواب دیا کرتے تھے ان کے سوا عرب میں جتنے جاہلی شعراء گذرے ہیں وہ کلام پاک کی ان آیات

کے مصداق تھے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ — شاعر (جو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہی کی تعلیم دیتے
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيمُوْنَ — ہیں)۔ ان کی پیروی بھی گمراہ ہی کرتے ہیں۔ ہر ایک
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ — میدان میں سرگرداں پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی
(۲۶: ۲۲۴ - ۲۲۶) — باتیں کہا کرتے ہیں۔ جن پر خود عمل نہیں کرتے۔

پیشگاہ نبوی میں شعرائے صحابہ کی حاضری

جب ان آیتوں میں شعراء کی مذمت بیان فرمائی گئی تو حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم جو شاعر تھے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے یارسول اللہ! ہم بھی شاعر ہیں اور آیت عام طور پر شاعروں کی مذمت بیان کر رہی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی:۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (۲۶: ۲۲۷)

مگر (ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور (اپنے اشعار میں) بکثرت خدا کا ذکر کیا اور بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (ہجو کر کے) اس کا واجبی بدلہ لیا (تو ایسی شاعری کا مضائقہ نہیں) اور جنھوں نے (لوگوں پر) ظلم کئے ہیں (مثلاً ناحق کسی کی ہجو کی ہے) ان کو مرنے پر عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ جانا ہے۔

اور ان شاعر صحابہ رض کو جو جائز و مستحسن اشعار کہہ کر اسلام کی مدافعت کرتے اور دندان شکن جوابات دے کر کفار سے بدلہ لیتے تھے مستثنیٰ فرمایا گیا۔ (لباب النقول)

اچھے اشعار کی پسندیدگی

غرض سورۂ شعراء کی آیات ۲۲۴-۲۲۶ میں جو شعراء کی مذمت کی گئی ہے تو اس اس اچھے شعراء اور ان کے پسندیدہ اشعار مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نے اچھے اشعار کی تعریف میں فرمایا: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً (بخاری) بعض شعر حکمت ہے یعنی ان میں سے بعض اشعار مفید بھی ہوتے ہیں۔ اور حسب بیان ام المومنین عائشہ صدیقہ رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ شعر کلام ہے۔ اچھا کلام پسندیدہ ہے اور بُرا کلام قبیح ہے (دار قطنی) یعنی مدار مضمون پر ہے۔ اگر مضمون پسندیدہ ہے تو شعر اچھا ہے۔ ورنہ بُرا ہے۔

حضرت حسّان رض کی خدمات کا اعتراف

چونکہ قبول اسلام کے بعد حضرت حسّان رض کی ساری شاعرانہ صلاحیتیں خدمت اسلام میں صرف ہو رہی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ مشرکوں کی ہجو کرو۔ جبریل تمہارے ساتھ ہیں (یعنی تمہارے دل پر مضامین کا القا کرتے ہیں) اور آپ حسّان سے فرمایا کرتے تھے کہ میری طرف سے کفار کو جواب دو۔ اور فرماتے الٰہی! روح القدس سے حسّان کی تائید فرما (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ حسّان رض نے کفار کی ہجو کر کے مسلمانوں کو شفا بخشی اور خود بھی شفا پائی (مسلم) آپ حسّان رض کیلیے مسجد میں منبر رکھواتے اور حسّان رض اس پہ کھڑے ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرت کرتے اور آپ فرماتے کہ حق تعالےٰ جبریل کے ساتھ حسّان کی برابر تائید فرماتا ہے جب تک، وہ رسول خدا کی تائید میں رہتے ہیں۔ (بخاری)

کیا شعراء کے لیے بیباکانہ کلام جائز ہے؟

شاعروں میں مشہور ہے کہ اشعار میں جائز ہے کہ جو کچھ کہہ ڈالیں اگرچہ کلمۂ کفر کیوں نہ ہو اور کہتے ہیں ہے کہ یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہٖ مگر یہ سراسر لغو بیانی ہے کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ جو بات نثر میں بُری ہے نظم میں بھی مذموم ہے۔ پس جو شاعر اپنے شعر میں کسی پیغمبر یا اکابر امت میں سے کسی کی بے ادبی کرے یا کوئی کفریہ کلمہ بکے۔ وہ شاعر کافر ہو جائے گا۔ اس لیے زبان قلم کو روکنا لازم ہے۔

ایک عالم حق کا بیان ہے کہ میں نے ایک شاعر کو بتایا کہ نثر کی طرح شعر میں بھی کلمات کفریہ ناجائز ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ شعراء زمانہ قدیم سے بے باکانہ جو جی میں آتا

ہے کہتے چلے آئے ہیں" میں نے کہا اگر تم اپنے والد کی شان میں بے ادبی کے کلمات نظم میں کہو تو ان کو برا سمجھو گے یا نہیں؟ بولا بے شک برا سمجھوں گا۔ میں نے کہا خدائے کردگار اور انبیائے کرام علیہم السلام کا حق بلا شبہہ والدین سے کہیں زیادہ ہے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا ماں باپ کے ادب و احترام سے زیادہ ضروری ہے پھر جب شعر میں باپ کی بے ادبی جائز نہ ہوئی تو خدائے قدوس اور انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی کہاں جائز ہو گی؟

فصل ۴۶

شہر سے نکل کر اناج خریدنے کا رواج

عرب میں یہ بھی رواج تھا کہ بعض حریص بیوپاری جب سنتے کہ اناج باہر سے بغرض فروخت شہر آرہا ہے تو زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش میں شہر سے نکل کر کوس دو کوس کے فاصلے پر چلے جاتے اور وہیں راستے میں تمام اناج خرید لیتے۔ اس سودے میں دوگونہ نقصان تھا۔ ایک تو اس میں باہر سے مال لانے والوں کا خسارہ تھا کیونکہ اگر وہ اناج بازار میں آتا تو انھیں زیادہ قیمت وصول ہونے کی امید تھی۔ دوسرے اس میں تمام شہر کی حق تلفی تھی کیونکہ اگر وہ اناج شہر میں آکر بکتا تو سب لوگ ارزاں مول لے سکتے۔ اس لیے شفقت مآب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقۃً علی الخلق اس اقدام کی ممانعت فرمادی اور حکم دیا کہ آگے بڑھ کر اناج کی کھیپ نہ خریدا کرو۔ جس بیوپاری کی کھیپ آگے بڑھ کر خریدی جائے اس کو اختیار ہے کہ بازار میں آکر اس سودے کو برقرار رکھے یا فسخ کردے (صحیح مسلم)

اور فرمایا کہ ارزاں خرید کر گراں بیچنے کے لیے قافلے کے شہر میں آنے سے پہلے آگے بڑھ کر اناج نہ خریدو (ابوداؤد)

فصل ۴۷

صدقہ و خیرات میں خویش و اقارب کو نظر انداز کرنا

اپنوں پر اغیار و اجانب کو ترجیح

دیہاتی جہلاء عام طور پر اس مرض میں مبتلا دیکھے جاتے ہیں کہ خویش و اقارب سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے کی بجائے الٹا ان سے عناد رکھتے ہیں اور اغیار کو ہر طرح سے اُن پر ترجیح دیتے ہیں۔ قرابت دار کتنا ہی تنگ دست اور پریشان حال ہو اس کی خبر گیری سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ جاہلی عرب کی بھی یہی حالت تھی۔ ان کو بھی اس کا مطلق احساس نہ تھا کہ اقرباء کس حُسن سلوک کے مستحق ہیں۔ غیروں پر دل کھول کر مال خرچ کرتے تھے لیکن اپنوں کو نظر انداز کر جاتے تھے۔

دنیا کے محسن اعظم نے اپنی تعلیمات سے عربوں کی اس حالت کو یکسر بدل دیا۔ صلہ رحمی یعنی اقرباء سے حسن سلوک کی تاکید میں آپ نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسکے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں تاخیر (عمر میں برکت) کی جائے تو اس پر لازم ہے کہ صلہ رحمی کرے (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ جب خالق کردگار مخلوق کی پیدائش سے فارغ ہوا تو رحم (رشتہ) باری تعالیٰ کی درگاہ میں عرض پیرا ہوا الٰہی! یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی تیری ذات مبارک کے ساتھ قطعیت سے پناہ مانگے۔ حق تعالیٰ نے رحم سے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی اور مطمئن نہیں ہے کہ میں اس کو ملاؤں جو تجھے ملائے اور اس سے قطع کروں جو تجھے قطع کرے۔ رشتے نے عرض کی الٰہی! میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ رب جلیل نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا (بخاری و مسلم)

علماء نے فرمایا ہے کہ صلہ رحمی اور برادر پروری فرض ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر رشتہ دار، نادار و محتاج ہیں تو ان کے کھانے، کپڑے اور دوسری

ضروریات کی خبر رکھے اور اگر محتاج نہیں تو ان کو تحفے دیا کرے۔ محبت سے ملے۔ ہر طرح اچھا برتاؤ کرتے۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحم (رشتہ) عرش کے ساتھ معلق ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ جو مجھے ملائے گا اللہ اس کو ملائیگا اور جو مجھ کو کاٹے اللہ اس کو کاٹے گا۔ (بخاری و مسلم)

اور فرمایا لفظ رحم رحمٰن سے مشتق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا کہ جو تجھے ملائے میں اس کو ملاؤں گا اور جو تجھے کاٹے میں اس کو کاٹوں گا (بخاری) اور فرمایا کہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ اس قوم پر رحمت نہیں نازل ہوتی جس میں کوئی قاطع رحم (رشتہ داروں سے قطع کرنے والا) ہو۔ (بیہقی فی الشعب)

اور فرمایا کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو مکافات (بدلہ) دے (یعنی نیکی کے عوض میں نیکی اور احسان کرے) بلکہ (اصل) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب رشتہ دار قطع کریں تو یہ ملائے (بخاری) اور ایک شخص عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! میں اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان سے نیکی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ میں ان سے درگذر کرتا ہوں اور وہ مجھ پر سختی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم واقعی ایسے ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو گویا تم ان کو گرم بھوبل کھلاتے ہو اور جب تک تم اس صفت پر قائم رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں تمھارے ساتھ ایک مددگار متعین رہے گا (مسلم)

علماء نے فرمایا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ احسان کے معاوضہ میں احسان کرنے میں کوئی خاص خوبی نہیں کیونکہ کافر بھی ایسا کرتے ہیں۔ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ بدسلوکی کرنے والے رشتہ داروں سے حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کی فضیلت میں یہ بھی فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا وہاں قرآن خوانی کی آواز سنی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہاں کون قرآن پڑھ رہا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حارثہ بن نعمان انصاری ہیں۔ آپ نے ارشاد گرامی کے بعد فرمایا کہ والدین سے نیکی کرنیکا یہی

ثواب ہے۔ والدین سے نیکی کرنے کا یہی درجہ ہے۔ حارثہ بن نعمانؓ اپنی ماں سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنّہ)

اقربا کو صدقہ دینے کا دوچند ثواب

سلیمان بن عامر انصاری کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور قرابتی کو صدقہ دینے میں دوہرا ثواب ہے۔ ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اس معلوم ہوا کہ صدقہ عزیزوں قریبوں کو دینا بہ نسبت غیروں کے زیادہ افضل ہے۔

امام ابن جوزی رحؒ نے فرمایا کہ بعض مالدار غیروں کو خیرات دیتے ہیں اور اپنے اقرباء کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ افضل صدقہ وہ ہے جو اقارب کو دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو صدقہ دینا محض ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دوچند ثواب ہے۔ ایک صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔ بعض امراء کی یہ حالت ہے کہ وہ اقارب کو صدقہ دینے کی فضیلت سے باخبر ہیں مگر ان میں باہم رنجش و عداوت ہوتی ہے اس لیے اقربا کی ناداری و احتیاج کا علم رکھنے کے باوجود ان کی خبرگیری سے باز رہتے ہیں حالانکہ اگر ان کی اعانت کرتے تو تین ثواب پاتے۔ ایک صدقہ کا۔ دوسرے صلہ رحمی کا۔ تیسرے خواہش نفسانی کے مارنے کا۔ ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل صدقہ وہ ہے جو کینہ رکھنے والے کو دیا جائے" یہ صدقہ اس لیے افضل ہے کہ اس میں ہوائے نفسانی کی مخالفت ہے کیونکہ جو شخص اپنے رشتہ دار کو محبت کی وجہ سے صدقہ دیگا وہ اپنی خواہش پر خیرات کریگا" (تلبیس ابلیس)

حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کی صلہ رحمی

عہد جاہلیت میں عام خیال یہ تھا کہ صدقہ و خیرات صرف فقراء و مساکین کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے وہ صدقہ دیتے وقت اقارب کو نظر انداز کر جاتے تھے سب سے پہلے مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دقیق عقدہ کی گرہ کشائی کی کہ اپنے اعزہ و

اقارب کی اعانت کرنا سب سے بڑا صدقہ ہے۔ صحابہ کرام آپ کی تعلیم کے بموجب اپنے اعزہ و اقارب کی دل کھول کر امداد کیا کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین نے اپنے عہد خلافت میں اپنے اقرباء کے ساتھ جو فیاضیاں کیں اس کی وجہ ان کی غیر معمولی صلہ رحمی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ اعدائے دین نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ بیت المال سے اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ بذات خود بڑے مالدار تھے۔ وہ اپنے مال سے اقرباء کی امداد کرتے تھے لیکن ابن سبا کی امت افتراءً بے اصل بات کی تشہیر کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے قرابت داروں کی امداد کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو ایک ریشمی جوڑہ عطا فرمایا تو انھوں نے اس کو اپنے ایک مشرک رشتہ دار کے پاس جو مکہ معظمہ میں اقامت گزیں تھا۔ بھیجدیا۔ (بخاری و ابوداؤد)

حضرت میمونہ کا لونڈی آزاد کرنا

ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے مروی ہے کہ میں نے عہد نبوی میں فی سبیل اللہ ایک لونڈی آزاد کی اور پھر حضور سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ میں نے لونڈی آزاد کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (آزاد کرنے کی بجائے) اپنے ماموں کو دے دیتیں تو بہت زیادہ ثواب پاتیں (بخاری و مسلم) اس سے معلوم ہوا کہ برادر پروری کا ثواب لونڈی غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

شوہر کو صدقہ دینے کا ثواب

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی محترمہ زینبؓ ایک مالدار خاتون تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا اے گروہ خواتین! صدقہ دو اگرچہ اپنے زیوروں سے ہو۔ اس کے بعد میں آنحضرت کی مجلس سے واپس گھر آئی تو اپنے شوہر عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ تم ایک مفلس اور تہی دست آدمی ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے تم آستانِ

نبوت میں حاضر ہو کر دریافت کرو کہ اگر بیوی اپنے نادار شوہر اور اس کی اولاد پر تصدق کرے تو کیا اس کے لیے یہ صدقہ کفایت کرے گا۔ اور اگر اکتفا نہ کرے تو میں تمہارے سوا کسی اور حقدار پر مال خرچ کروں۔" عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ نہیں تم خود ہی جا کر دریافت کر آؤ۔ میں گئی تو حسن اتفاق سے آستانِ مبارک پر اسی غرض کے لیے ایک انصاری عورت بھی موجود تھیں۔

حضرت زینب رضؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بڑی پُر رعب تھی۔ اس لیے حاضر ہو کر پوچھنے کی جرات نہ ہوئی۔ اتنے میں بلال رضؓ حجرۂ مبارک سے نکلے۔ ہم نے ان سے کہا کہ جا کر حضور انور سے کہو کر دروازے پر دو عورتیں یہ دریافت کرنے کے لیے کھڑی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں کو اور یتیموں کو جو ان کی پرورش میں ہیں صدقہ دینا کافی ہے؟ لیکن حضور کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ بلال رضؓ اندر گئے اور حضور سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ عورتیں کون ہیں؟ بلال نے کہا ایک تو عبداللہ بن مسعود رضؓ کی بیوی زینب ہیں اور دوسری ایک انصاری خاتون ہیں۔ آپ نے فرمایا جا کر ان سے کہہ دو کہ شوہروں کو صدقہ دینے میں تم کو دوہرا ثواب ہوگا۔ ایک قرابت داری کا اور دوسرا صدقہ دینے کا (بخاری و مسلم)

ابو طلحہ کا اپنا باغ اقارب پر تقسیم کرنا

حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ باغات خرما کی ملکیت کے اعتبار سے ابو طلحہ رضؓ انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کا سب سے محبوب مال بیرحا تھا جو مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (تم خیر کامل کو ہرگز حاصل نہ کر سکو گے جب تک اپنی محبوب چیز کو راہ خدا میں خرچ نہ کرو گے) تو ابو طلحہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے آیت لن تنالوا البر نازل فرمائی ہے۔ میرا عزیز ترین مال بیرحا ہے۔ وہ راہ خدا میں تصدق کرتا ہوں۔ آپ جہاں مناسب خیال فرمائیں اس کو خرچ کریں۔ آپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا شاباش شاباش۔ یہ تمہارا بہت نفع بخش مال اور میرے نزدیک مناسب

ہے کہ اس کو اپنے قرابتیوں میں تقسیم کر دو۔ ابوطلحہؓ نے اس باغ کو اپنے اقارب میں اور اپنے چچا کی اولاد میں تقسیم کر دیا (بخاری و مسلم)

امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ صدقہ غیروں کی نسبت عزیزوں اور قرابت داروں کو دینا افضل ہے۔ جب خویش و اقارب محتاج ہوں اور جب قرابت قریبہ کے لوگ نہ ہوں تو بعید کے رشتہ داروں کو دینا چاہئے کیونکہ ابوطلحہؓ نے وہ باغ اُبیّ بن کعب رضؓ اور حسان بن ثابت کو تقسیم کیا حالانکہ وہ دونوں ان کو ساتویں دادا میں جاکر ملتے تھے۔

امہات المومنین کی خویش پروری

ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش بڑی دریا دلی سے اپنے خویش و اقارب کی امداد کیا کرتی تھیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے ان کی نسبت فرمایا کہ میں نے زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گو اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی۔ (مسلم کتاب الفضائل) ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو ان کا سالانہ وظیفہ جس کی مقدار بارہ ہزار درہم تھی بھیجا تو انھوں نے یہ ساری رقم اپنے عزیزوں کو تقسیم کر دی۔ (اسد الغابہ)

ام المومنین حضرت حفصہؓ نے اپنا گھر اپنے چچا زید بن خطاب کی بیٹی کو عمر بھر کے لیے دے دیا تھا۔ اُم المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی رشتہ دار کے لیے ایک جائداد کی وصیت کی تھی (مسند دارمی کتاب الوصایا)

حضرت اسماءؓ کی قبیلہ پروری

حضرت اسماء ذات النطاقین بنت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اپنے اقرباء کی امداد و پرورش میں خاص امتیاز رکھتی تھیں۔ انھیں امیر معاویہؓ کی طرف سے ایک لاکھ کی رقم بھیجی گئی تو انھوں نے یہ ساری رقم اپنے بھتیجے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق پر ہبہ کر دی۔ ان کی چھوٹی بہن اُم المومنین حضرت عائشہؓ ان سے پہلے رہ گزین عالم بقا ہو چکی تھیں اور حضرت اسماءؓ نے ان سے ایک جائداد وراثتہً پائی تھی انھوں

نے یہ جائداد بھی ان دونوں کو دیدی (بخاری کتاب الہبہ) ان کی فیاضی صرف مسلمان اقرباء کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ کافر اقارب کے ساتھ بھی یہی مراعات تھیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے محترمہ اسماءؓ کی والدہ کو اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔ ایک مرتبہ ان کی والدہ مدینہ منورہ گئیں اور ان سے مالی امداد کی طلب گار ہوئیں۔ حضرت اسماءؓ آستان نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئیں یارسول اللہ! میری ماں مکہ سے آئی ہے وہ اسلام سے بیزار ہے۔ ایسی حالت میں میں اُس کی کچھ امداد کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ حضرت اسماءؓ نے اپنی ماں کی مالی امداد کی (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

فصل ۴۸

عدمِ مساوات

تمدن کی ترقی کا اولین اصول اور انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق مساوی ہوں۔ لیکن اسلام سے قبل تک یہ خیال کسی ملک اور کسی قوم میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعزیرات کے متعلق دنیا کی اعلیٰ سے اعلےٰ مہذب قوموں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ مجرموں کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سزائیں دی جاتی تھیں۔ رومن ایمپائر میں ایک ہی جرم کی سزائیں مختلف ہوتی تھیں، یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا دیجاتی تھی۔ مساوات کی بنیاد یورپ کی بعض قوموں میں تقریباً ایک صدی پہلے سے پڑی ہے۔ لیکن اسلام میں چودہ سو سال پہلے ہی یہ اصول قائم ہو چکا تھا چنانچہ رب الارباب عزاسمہ نے اپنے کلام میں فرمایا۔

یَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ	لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور اس غرض سے تمھارے کنبے اور قبیلے ٹھہرائے کہ ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ لیکن خدا کے نزدیک معزز و مکرم وہ ہے جو تقویٰ شعار ہو

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا اور دینِ حنیف نے اصولِ مساوات کی بنا پر تمام فرقے مٹا دیے۔ کفار قریش جن کے غرور کا یہ عالم تھا کہ غزوۂ بدر میں انھوں نے انصار کے مقابلہ سے محض اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار زراعت پیشہ لوگ ہیں اس لیے انصار پر ہاتھ اُٹھانا بھی اُن کو عار ہے۔ وہ قبول اسلام کے بعد حبش اور ایران کے زرخرید غلاموں کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔

ابوسفیان بن حرب جو تمام قریش کے سردار رہ چکے تھے اور جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد انہیں بلال رضؓ اور صہیب رضؓ کا ہم مرتبہ ہو کر رہنا پڑا۔ حالانکہ یہ دونوں زرخرید عجمی غلام تھے اور ان میں سے اول الذکر تو سیاہ فام حبشی تھے۔

جبلہ بن ایہم عرب کا مشہور فرمانروا تھا۔ اس نے قبول اسلام کے بعد چاہا کہ ایک عامی مسلمان کے مقابلہ میں اس کی عزت و وقعت مرجح تسلیم کی جائے لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو اسلامی تعلیمات کی اصلی اور سچی تصویر تھے اس کو گوارا نہ فرمایا اور وہ اسی ضد پر مرتد ہو کر روم کو بھاگ گیا اور عیسائیوں میں جا ملا۔

خود امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب شام کا سفر کیا۔ اور بیت المقدس میں داخل ہوئے تو ان کا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود خلیفۂ راشد کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفۂ اسلام کی شوکت و جاہ دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل آئے تھے ؛

فصل ۴۹

عذاب وثواب کی حقیقت میں غلط فہمی

اسلام سے پہلے یہود نصاریٰ اور دوسرے اہل مذاہب اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اور آج کل بھی بعض لوگوں کا یہی خیال ہے کہ انسان احکام خداوندی سے اعراض کرتا ہے تو خدائے غیور اس شخص سے ناخوش ہو جاتا ہے اور چونکہ دنیا دارالعمل ہے۔ دارالجزا نہیں اس لیے اس کو یہاں تو معصیت کی پاداش سے بچا رہتا ہے لیکن جب خدائے احکم الحاکمین دار آخرت میں مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوگا اور بندوں کے اعمال اس کے حضور میں پیش ہوں گے۔ تو وہ نافرمانوں کو ان کے عدول حکمی کی سزا دے گا۔ اور اطاعت شعاروں سے خوش ہو کر ان کو انعامات اور بخشش سے سرفراز فرمائے گا۔

گو یہ خیال کسی حد تک صحیح ہے۔ لیکن یہ عذاب وثواب کی اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ ایک پیرایہ بیان ہے جو طبائع عامہ کے مناسب ہونے کے علاوہ عام فہم بھی ہے۔ ثواب و عذاب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانیات میں اسباب و علل کا سلسلہ ہے اسی طرح روحانیات میں بھی یہ سلسلہ قائم ہے مثلاً سنکھیا قاتل ہے۔ جمالگوٹہ مسہل ہے اسی طرح روح پر نیک یا بد افعال کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ نیک عملوں سے روح کو انبساط ہوتا ہے اور بد عملی اور معصیت سے انقباض۔

الغرض اچھے افعال سے روح میں جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور گناہوں اور برائیوں سے اس کو جو شقاوت حاصل ہوتی ہے اسی کا نام عذاب وثواب ہے۔ اور یہ خود ان افعال کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ امام محمد غزالی رح اسی معنی میں اپنی کتاب مضنون بہ علی غیرہ اہلہ میں رقم فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) امر اور نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا

کو نافرمانی پر غصہ آئے گا اور وہ اس کا انتقام لے گا۔ بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص بیوی سے اختلاط نہ کرے گا اس کے اولاد نہ ہو گی۔ اسی طرح اطاعت و معصیت کی وجہ سے قیامت میں جو ثواب و عذاب ہو گا۔ اس کی بعینہٖ یہی مثال ہے۔ پس یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیوں ہو گا گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیوں مر جاتا ہے۔

فصل ۵۰

عصبیت اور حمیت جاہلیت

دنیا میں اپنی قوم اور برادری ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے۔حق پر ہو یا ناحق لوگ اپنی ہی قوم اور برادری کا ساتھ دیتے ہیں۔لیکن اسلام نے اس عصبیت کو اسی حد تک جائز رکھا ہے جہاں تک اپنی قوم ظالم و معتدی نہ ہو اور جب قوم شیوۂ جور و جفا اختیار کرے اور بندگانِ خدا پر تعدّی دراز کرنے لگے تو قوم اور برادری کا ساتھ دینا حرام اور معصیت ہے۔

ایک صحابی نے حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی یارسول اللہ! اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی عصبیت میں داخل ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ عصبیت یہ ہے کہ انسان ظلم و بیداد میں اپنی قوم کا مددگار ہو۔(ابوداؤد و ابن ماجہ) کفار عرب کا معمول تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا ہم قسم ہوتا اور حق و ناحق میں ایک دوسرے کا مددگار رہتا۔حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں فرمایا کہ جاہلیت کی قسم کو پورا کرو لیکن اسلام اس قسم میں اضافہ ہی کا باعث ہے اور اسلام میں حلف کو پیدا نہ کرو (ترمذی) یعنی اسلام میں کفر کے حلف اور عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں رہا البتہ مظلوم کی امداد اور حق کی تائید کرنے میں اسلام سب سے پیش پیش ہے۔

اور فرمایا تم میں بہترین وہ شخص ہے جو اپنی قوم سے ظلم کو دفع کرے جب تک کہ (بے جا طرف داری کر کے) گنہگار نہ ہو (ابوداؤد) اور فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی طرف بلائے (کہ باطل پر اس کی حمایت کریں) اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنا پر رزم خواہ ہو اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے (ابوداؤد)

فصل ۱۵

غرور و پندار

کبر و غرور کا مصدرِ اوّلین

اگر انسان کے دل میں اپنے کسی وصف باکمال کا خیال پیدا ہو تو یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں بلکہ اس نعمت خداوندی پر منعم تعالےٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے لیکن اگر یہی خیال ترقی کرکے کبر و غرور کے درجے پر پہنچ جائے اور انسان ہمچو ما دیگرے نیست کے زعم میں دوسروں کی تحقیر کرنے لگے تو اس کو کبر اور اس کے اظہار کو تکبّر کہتے ہیں۔ کائنات میں سب سے پہلے اس انانیت کا صدور ابلیس سے ہوا تھا۔ اس نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کہہ کر اپنی برتری ظاہر کی۔ خدائے شدید العقاب نے اس بڑائی پر اس کو اپنی رحمت سے دور کردیا۔

جاہلی عرب کا کبر و غرور

عہد جاہلیت کے عرب ایسے مختار اور مغرور تھے کہ ان کے فخر و غرور کی نظیر شاید دنیا کی کسی قوم میں نہ مل سکے گی۔ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے سامنے دنیا بھر کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے اپنا نام تو عرب یعنی فصیح اللسان رکھا اور دوسری قوموں کو عجمی یعنی ژولیدہ بیان کے نام سے موسوم کیا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ کبر و غرور جاہلی عربوں کی سرشت میں داخل تھا اور ان کی قومی عمارت فخر و غرور ہی کی بنیادوں پر استوار ہوئی تھی۔

آنحضرت کا تفرقے مٹانا اور اخوت و مساوات قائم کرنا۔

شیخی اور بڑائی کا ایک شعبہ امتیاز مراتب کا سختی سے پابند ہونا بھی ہے۔ دنیا کی تمام

قوموں، تمام مذاہب اور تمام ممالک نے اس امتیاز کو مختلف صورتوں میں ہمیشہ قائم رکھا حکمران طبقہ کے سامنے کسی کو چوں وچرا کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ شرفاء اور رذائل میں امتیاز کی دیوار حائل تھی۔ غلام آقا کی ہمسری کا خیال دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ لیکن جب دنیا کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ظلمت کدۂ عالم کی تشنگیٔ سعادت دور کرنے کے لیے قدم فرما ہوئے تو آپ نے ان تمام تفرقوں اور حد بندیوں کا خاتمہ کر کے دیو کبر و غرور کا گلا گھونٹ دیا اور اخوت و مساوات کا پیغام دے کر زخمی دلوں کو تسکین بخشی۔ چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

آقا پیادہ اور خادم سوار

ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ عقبہ بن عامر صحابی بھی ساتھ تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا آؤ اب میری بجائے تم سوار ہو لو۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس سوء ادب کا کس طرح مرتکب ہو سکتا ہوں کہ حضور پیادہ اور میں سوار ہوں۔ آپ نے دوبارہ کہا۔ اب انکار امتثالِ امر کے خلاف تھا۔ آپ اُتر پڑے اور حضرت عُقبہ سوار ہو لیے۔ (النسائی)

مزدور کی طرح مشقت برداشت کرنا

صحابہ کرامؓ جب کبھی کوئی قومی کام مل کر انجام دیتے تو پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عام مسلمان کی حیثیت سے اس میں شریک ہوتے۔ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو اس میں آپ بھی دوسرے فدایان ملت کی طرح بہ نفسِ نفیس شریک تھے آپ بھی دوسروں کی طرح پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے تھے یا رسول اللہ! ہماری جانیں قربان آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپ اپنے کام سے دست بردار نہیں ہوتے تھے (بخاری) غزوۂ احزاب میں بھی جب تمام جان نثار شہر کے ارد گرد خندق کھود رہے تھے آپ بھی ایک معمولی مزدور کی طرح مصروفِ کار تھے۔ یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی کی تہ جم گئی تھی (بخاری باب غزوۂ احزاب)

قیام تعظیمی کی ناپسندیدگی

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات،

گرامی سے زیادہ دنیا میں کوئی محبوب نہ تھا باوجود اس کے وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے (ترمذی)

علماء نے فرمایا ہے کہ آنے والے کے لیے کھڑا ہونا ممنوع نہیں۔ البتہ قیام کے بعد بُت کی طرح کھڑے رہنا ناپسندیدہ ہے۔ ایران میں دستور تھا کہ جب حاکمِ وقت کا دربار لگتا تو ماتحت عملہ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا رہتا۔ لیکن آپ کو ایسا کرنا ناگوار تھا چنانچہ فرمایا کہ جو کوئی اس بات کا متمنی ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں۔ اس کو اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرنی چاہیئے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

مسلم فرمانروا کی بے نفسی

خلافت راشدہ کے بعد ممالک اسلامیہ کے سب سے پہلے مطلق العنان فرمانروا حضرت معاویہ رضؓ تھے۔ یہ صحابی ہونے کے علاوہ اُم المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن صفوان ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کہنے لگے دونوں بیٹھ جاؤ کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جو کوئی اس بات کا متمنی ہو کہ لوگ اس کے لیے قیام کریں اور بت کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے (ترمذی) اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پرہیزگاری اور بے نفسی تھی کہ جلیل القدر بادشاہ ہونیکے باوجود منشائے شریعت کے خلاف معمولی سی بھی تعظیم پسند نہ کی۔

فقرائے صحابہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عذر خواہی

حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر آقا و غلام سب برابر تھے۔ اسلام نے سب کو ایک درجہ بخشا ہے۔ کوئی شخص ذات اور نسب کی وجہ سے دوسرے سے بڑا نہیں۔ البتہ تقویٰ اور پرہیزگاری ایک ایسا وصف ہے جس کی بدولت انسان غیر متقیوں سے افضل ہو جاتا ہے گو تقویٰ کے بھی مدارج ہیں۔ حضرت سلمان، صہیب اور بلال رضی اللہ عنہم اوائل میں غلام رہ چکے تھے لیکن اسلام نے ان کو قریش کا ہم پایہ بنا دیا تھا۔

ابوسفیان (معاہدہ حدیبیہ کے بعد قبول اسلام سے پہلے) مدینہ منورہ میں حضرات سلمانؓ صہیبؓ، بلالؓ اور چند دوسرے صحابہ کے پاس آئے۔ یہ حضرات ابوسفیان کی موجودگی میں آپس میں کہنے لگے حیف ہے کہ خدائے برتر کی کسی تلوار نے اب تک اس دشمن خدا کی گردن نہیں اڑائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ابوسفیان کی استمالت خاطر کے خیال سے فرمانے لگے کیا تم قریش کے اس سردار کی نسبت کہہ رہے ہو؟ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ حضور نے فرمایا اے ابوبکر! شاید آپ نے اس قول سے ان (حضرات سلمان وغیرہ) کو خشم آلود کر دیا ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ نے ان کو ناخوش کیا تو یقیناً حق تعالیٰ کو خشمگیں کیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ ان حضرات کے پاس (عذر خواہی کے لیے) تشریف لائے اور فرمایا بھائیو! میں دیکھتا ہوں کہ میں نے آپ حضرات کو ناخوش اور رنجیدہ کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا بھائی! خدائے تعالیٰ آپ کو بخشے ہم رنجیدہ نہیں ہوئے (مسلم)

امیر المومنین عمرؓ کا فقرائے صحابہ کو صنادید قریش سے پہلے باریاب کرنا

اسلام نے غلاموں اور دوسرے فقرائے صحابہ کا پایہ عظمت کس قدر بلند کر دیا تھا اس کو اس واقعہ پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان، حارث بن ہشام اور قریش کے چند دوسرے سردار امیر المومنین عمر فاروقؓ کی بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ بعض بدری اصحابیوں نے بھی اجازت طلب کی۔ امیر المومنین نے اہل بدر کو جن میں حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، اور حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ سب سے پہلے شرف باریابی بخشا۔ ابوسفیان جو فتح مکہ سے پہلے تک کفار قریش کے سب سے بڑے سرگروہ تھے اور کفار کی طرف سے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائیاں لڑتے رہے تھے ان کے دماغ میں اب تک عہد جاہلیت کا غرور باقی تھا۔ انھوں نے سخت ناگواری کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اندر آنے کا اذن ملتا ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انگڑائیاں لیتے ہیں۔

حضرت سُہیل بن عمروؓ بھی جو سرداران قریش میں سے تھے۔ وہاں موجود تھے وہ کہنے

لگے تمھارے چہروں پر غصہ کے آثار نمایاں ہیں۔ لیکن تم لوگوں کو خود اپنے تئیں ملامت کرنی چاہیئے۔ اسلام نے سب کے ساتھ تم لوگوں کو بھی قبول حق کی دعوت دی تھی۔ لیکن یہ غرباء و مساکین آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے (اسد الغابہ تذکرہ سہیل بن عمرو رض)

کبر و غرور کی برائی و مذمت

فخر و غرور کی برائی میں بہت سی حدیثیں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ آپ نے فرمایا حق تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے۔ پس جو کوئی مجھ سے کسی ایک کے چھیننے کی کوشش کرے گا (یعنی کبریائی یا عظمت کا مدعی ہوگا) میں اس کو جہنم واصل کر کے چھوڑوں گا۔ (مسلم)

اور فرمایا تکبر کرنے والوں کا حشر چونٹیوں کی مانند ہوگا۔ ان چونٹیوں کی شکلیں مردوں کی سی ہوں گی۔ ان کو ہر طرف سے ذلت و رسوائی ڈھانک لے گی۔ وہ دوزخ کے ایک قید خانے کی طرف ہانکے جائیں گے جس کا نام بولس ہے۔ ان کو سب سے بڑی آگ گھیر لے گی اور اہل کبر کو دوزخیوں کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔ جس کا نام طینۃ الخبال ہے۔ (ترمذی)

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض نے منبر پر فرمایا لوگو! فروتنی اختیار کرو۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس کسی نے اللہ کے لیے تواضع و خاکساری اختیار کی۔ اللہ اُس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ ایسا شخص گو اپنی نظر میں حقیر ہو لیکن لوگوں کی نظر میں باعظمت ہے اور جو کوئی تکبر کرے خدائے عزیز اس کو پست کرتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں حقیر اور اپنے زعم میں بڑا ہے یہاں تک لوگ اسے کتے یا خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

اور فرمایا تین چیزیں عذاب سے نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ نجات دلانے والی چیزیں یہ ہیں۔ (۱) علانیہ اور درپردہ خدا سے ڈرتے رہنا (۲) سچی بات کہنا لوگ خوش ہوں یا ناخوش (۳) فراخ دستی اور ناداری دونوں حالتوں میں

میانہ روی اختیار کرنا۔ اور تین ہلاکت آفرین امور یہ ہیں (۱) نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا۔ (۲) حرص کی فرمانبرداری کرنا اور (۳) خود پسندی اور گھمنڈ اور گھمنڈ تمام خصلتوں سے بدترین خصلت ہے۔ (بیہقی فی الشعب)

سعدی شیرازیؒ کا بیان

شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:۔

مرا پیر دانائے روشن شہاب ۔۔۔ دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش ۔۔۔ دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(مجھے پیر روشن ضمیر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے دو نصیحتیں کیں ایک یہ کہ اپنے اوپر مغرور نہ ہونا۔ دوسرے غیروں کو برا نہ سمجھنا)

تحقیر مسلم

اور فرمایا حق تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ تواضع و فروتنی (یعنی عاجزی) اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے (مسلم) اور فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر بھی کبر و غرور ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی پوشش اچھی ہے اور پاپوش اچھی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔ کبر یہ نہیں بلکہ کبر حق کو باطل کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے (مسلم)

مولانا اشرف علی تھانویؒ رقم فرماتے ہیں کہ کسی دنیوی یا دینی کمال میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھیں تو یہ حرام و معصیت ہے اور اگر بلا اختیار اپنے کسی کمال کا خیال آگیا تو معصیت نہیں لیکن اگر اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا [illegible] سمجھنے کے باوجود بااختیار خود اس کو باقی رکھا تو یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص واقعی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچے کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے یا ہدایہ پڑھنے

والا نحو پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ پڑھائی میں مجھ سے کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو یہ کبر نہیں۔

البتہ اگر یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔

حقیقت کبر کا علاج یہ سمجھنا ہے کہ (۱) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر یہ عطیہ خداوندی ہے (۲) یہ عطا کسی استحقاق سے نہیں محض موہبت اور رحمت ہے (۳) اس کی بقا میرے اختیار میں نہیں۔ خدا جب چاہے سلب کرے (۴) گو دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس درجہ حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں۔

فصل ۵۲

غرورِ نسب

عہد کفر کی چار یادگاریں

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں عہد کفر کی یادگار ہیں۔ ذات پات پر غرور۔ دوسروں کی ذات اور نسب میں طعن۔ نزول باراں کو ستاروں کی تاثیر قرار دینا۔ اور شیون و نوحہ گری (مسلم)

جس طرح ہندوؤں میں بڑی اور چھوٹی ذاتیں ہیں۔ برہمن اپنے تئیں تمام غیر برہمن ہندو سے فائق و برتر بتاتے ہیں۔ کھتری شودروں کو سخت رذیل سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عرب کے ایام جاہلیت میں بھی اعلیٰ و ادنیٰ قوموں کا امتیاز تھا۔ اعلیٰ نسب کے قبیلے دوسروں کو سخت ذلیل خیال کرتے تھے۔

مصر میں ذات پات کی کوئی قید نہیں

متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی نسب اور پیشہ کے لحاظ سے ذاتیں بنالیں اور عام طور پر شادی بیاہ میں ذات پات کا لحاظ رکھا جانے لگا۔ لیکن اسلام نے ہر مسلمان سے ازدواجی تعلق جائز رکھا ہے۔ دین حنیف نے تو تقویٰ کے بغیر آل رسول ہونا بھی کچھ قابل فخر و امتیاز تسلیم نہیں کیا۔ بنو فاطمہ نے پاکستان اور ہندوستان میں سید کا لقب اختیار کر رکھا ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین رض کے متعلق سیّدا شباب اھل الجنۃ (حسن رض اور حسین رض جوانان بہشت کے سردار ہیں) فرمایا تھا۔ ورنہ حدیث، فقہ یا تاریخ سے لفظ سیّد کا کوئی اور ماخذ ثابت نہیں ہوتا اور یوں تو عرب میں تعظیماً سب کو سید اور سیدی کہہ دیتے ہیں۔

حسب بیان پروفیسر صارم مصر میں ذات پات کوئی چیز نہیں۔ لڑکی کا آرام دیکھتے

ہیں اور شادی کر دیتے ہیں۔ یہ چیز ہم میں ہندوؤں سے آئی ہے۔ ورنہ اسلام ان چیزوں کا قائل ہی نہیں ہے۔ چونکہ وہاں ذات پات کے جھگڑے نہیں ہیں اس لیے کوئی شخص نہ سید بنتا ہے نہ شیخ۔ (سفرنامۂ صارم صفحہ ۸۷)

اسلام کی مساوات پسندی

فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ و طہارت کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا ہے۔ رب العالمین نے بھی آپ کے بیان کی تائید میں فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اگرچہ خلافت و حکومت نے خلفائے راشدین کو اس شرف سے بھی ممتاز کیا تھا جو اعلیٰ خاندانوں کا ذریعۂ کبر و غرور تھا تاہم اسلام نے دینداری اور محاسن اخلاق ہی کو انسان کا اصلی جوہر اور شرف قرار دیا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کا حقیقی مایۂ شرف اس کی پرہیزگاری اس کا دین۔ اُس کی مروت اور اس کا خُلق ہے۔ اسی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے اور ان سے برادرانہ و مساویانہ سلوک کرتے تھے۔

خود ذاتِ بابرکات سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات اور پیشے کے تمام امتیازات اُٹھا دیے اور شرف انسانی اور شرافتِ قومی کا مدار دین اور عمل صالح پر رکھا۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت آپ نے حضرت زینبؓ بنت جحش کو جو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اپنے حُرّیت یافتہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہ دیا تھا

امیر المومنین کا رتبہ عام سپاہیوں کے برابر

اسلام نے امام وقت، امیر المومنین یا سپہ سالار کو عام سپاہیوں کے برابر قرار دیا ہے امام کا حصہ ادنےٰ سپاہی سے زیادہ نہیں ہے۔ مسجد میں سلطان اور ادنےٰ غریب نمازی میں کوئی امتیاز نہیں۔ اگر غریب و مسکین ٹاٹ کے بوریے پر نماز پڑھے گا تو سلطان بحر و بر کو بھی اسی کے ساتھ اسی بوریے پر پڑھنی ہوگی۔ اسلام نے اپنے قائد اعظم کو اتنا امتیاز ضرور بخشا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کوئی چیز جو اسے پسند آئے مثلاً غلام یا گھوڑا یا ہتھیار اپنے لیے

علیحدہ کرلے۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں صفی کہتے ہیں۔ اس کے ماسوا امام کو کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں۔

دنیا کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفی سے بھی کبھی شاذونادر ہی فائدہ اٹھایا۔ اور صفی تو بڑی بات ہے۔ آپ نے غزوۂ حنین کی بے بہا غنیمت میں سے ایک جبہ اور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی نہ لی۔ حالانکہ آپ کے تمام رفقاء یہاں سے خوب مالامال ہوکر لوٹے تھے۔ خصوصاً نومسلموں اور مؤلفۃ القلوب لوگوں کو تو آپ نے خوب نہال کیا تھا۔

معزّز اور کم حیثیت سے یکساں سلوک

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے چھوٹے کو ایک نظر سے دیکھتے تھے اور سب سے یکساں اور مساوی سلوک فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ دو شخص مجلس مبارک میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک معزّز اور دوسرا کم حیثیت مانا جاتا تھا۔ معزّز صاحب کو چھینک آئی تو انھوں نے حکم شریعت کے بموجب الحمدللہ نہ کہا۔ اتفاق سے دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی تو انھوں نے الحمدللہ کہا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا۔ معزّز صاحب نے اس امتیاز کا شکوہ کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کہا اور تم خدائے قدوس کو بھلا دیا تو میں نے بھی تمھیں بھلا دیا۔ (ادب المفرد امام بخاریؒ)

آپ قصاص میں آقا اور غلام میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم بھی اس کو قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کی ناک، کان یا کوئی اور عضو کاٹے گا ہم بھی اس کا وہی عضو کاٹیں گے (ابوداؤد)

عربوں کا حسب ونسب پر غرور

عربوں کے غرور کا سب سے بڑا ذریعہ حسب ونسب کی برتری کا زعم تھا۔ اگرچہ حج ایک خالص دینی تقریب ہے۔ تاہم اہل عرب اس موقع پر بھی فخر وغرور کے اظہار سے باز نہیں آتے تھے۔ بلکہ مناسک حج سے فراغت پانے کے بعد جمرہ کے

قریب مجتمع ہوتے اور اپنے آباؤ اجداد کی بڑائی بیان کرتے اور دوسرے قبائل پر اپنی برتری جتلاتے تھے۔ کلام پاک کی اس آیت میں ان کے اسی فخارانہ طریقہ کی طرف اشارہ ہے:۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ آیت ۲۰۰)

پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو۔

نسب پر مغرور ہونا نادانی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرب کی ذاتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے وہی اسلام میں بھی اُس وقت بہتر ہیں۔ جب تفقہ یعنی دین میں سمجھ پیدا کر لیں۔ (بخاری و مسلم) یعنی بڑائی یہی ہے کہ انسان متقی پرہیز گار ہو۔ عادات و اطوار میں نیک ہو۔ عالم دین اور فقیہ ہو۔ الغرض آدمی میں بڑائی علم اور تقویٰ و طہارت کی ہے اور خاندان کی بڑائی پر فخر کرنا اور مغرور ہونا سراسر کم عقل ہونے کی نشانی ہے۔ ابو لہب کو اس کی عظمتِ نسب نے کچھ نفع نہ دیا اور حضرت بلالؓ کو ان کی غلامی اور حبشیت سے کچھ نقصان نہ پہنچا۔

ذات پات پر فخر کرنے والوں کو انتباہ نبوی

اور فرمایا کہ اپنے باپ دادوں پر جو دوزخ کا ایندھن بن چکے فخر کرنے والے اس بڑائی سے باز رہیں ورنہ وہ اللہ عزوجل کے نزدیک اُس گوبریلے (کرم نجاست) سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے نجاست کی گولیاں بناتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباؤ اجداد کا فخر دور کر دیا ہے۔ اب یا تو کوئی مومن متقی ہے یا فاجر بدکار۔ تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے (ترمذی و ابوداؤد)

اس حدیث سے فخر بالآباء کی حرمت اور تفاخر ذات کی برائی ثابت ہوئی اور ظاہر ہے کہ جب تمام انسان ایک ہی باپ آدم علیہ السلام کی نسل ہیں تو پھر ایک کے شریف اور دوسرے کے رذیل ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

کوئی ذات محلِ طعن نہیں

اور فرمایا کہ تمھارے ان انساب میں سے کسی پر طعن نہیں ہو سکتا۔ تم میں سے ہر ایک دوسرے سے اسی طرح مساوی حیثیت رکھتا ہے جس طرح ایک بھرا ہوا صاع دوسرے بھرے ہوئے صاع کے برابر ہوتا ہے۔ دین اور تقویٰ کی فضیلت کے سوا کسی کو دوسرے پر فوقیت و برتری حاصل نہیں۔ آدمی کو یہی برائی کفایت کرتی ہے کہ زبان دراز اور فحش گو ہو۔ (احمد والبیہقی فی الشعب)

یعنی کسی کا نسب برا نہیں اور کوئی ذات عیب دار نہیں۔ اسی طرح کسی کی ذات افضل نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو دوسروں سے افضل گمان کرے۔ تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اگر ایک میں کچھ نقصان ہے تو دوسرے میں بھی وہ نقصان موجود ہے۔ ہاں دین دار اور تقویٰ شعار لوگ دوسروں سے افضل ہیں۔ البتہ بد زبان بخیل برے ہیں کسی قوم میں ہوں۔

قبیلہ اسلم پر اقرعؓ کا طعن

اسلم، غِفار، مُزَینہ اور جُہَینہ چار قبیلے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے راستے پر واقع تھے۔ اسلام سے پہلے یہ قبیلے رذیل اور کمینے سمجھے جاتے تھے۔ حاجیوں کو لوٹنا ان کا شعار تھا۔ ان کے مقابلہ میں بنو تمیم، بنو عامر، اسد اور غطفان نجیب و شریف خیال کئے جاتے تھے جب اسلام ظاہر ہوا تو اسلم، غِفار، مُزَینہ اور جُہَینہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد قبیلہ بنو تمیم کے سردار اقرع بن حابس رضؓ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے۔ لیکن قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا احسان جتلایا اور قوم اسلم کی تحقیر شروع کر دی۔

آپ نے اقرع سے دریافت فرمایا کہ اگر اسلم غفار، مُزینہ اور جُہَینہ، بنو تمیم، بنو عامر، اسد، اور غطفان سے (عند اللہ) اچھے ہوں تو پھر تو انھیں کوئی خسارہ نہیں؟ اقرع نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اسلم،

غفار، مزینہ، اور جہنیہ بنو تمیم وغیرہ سے افضل ہیں۔ (بخاری و مسلم)

حضور کے ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ خدا کے نزدیک اعلےٰ و اشرف وہی ہے جو دین اور تقویٰ کی راہ پر چلے اور طہارت و پاکیزگی سے آراستہ ہو۔ گو نسباً دوسروں سے کمتر ہی سمجھا جاتا ہو اور یہ کہ دینداری کے بغیر نسبی شرافت بالکل بے حقیقت ہے۔

دوسرے کے نسب میں داخل ہونے کی حرمت

بعض لوگ بڑا بننے کے لیے دوسروں کے نسب میں داخل ہونے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی شرعاً حرام ہے۔ عہد جاہلیت میں حضرت عباس بن عبدالمطلب (عم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم) اور ربیعہ بن حرث کی یہ عادت تھی کہ جب دوران سفر میں دور دراز ملکوں میں جاتے اور وہاں کے لوگ پوچھتے کہ تم کون لوگ ہو تو یہ فخر اور بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کہتے کہ ہم آکل المرار کی اولاد ہیں۔ آکل المرار بنو کندہ کے بادشاہ کا نام تھا۔

کندہ حضرموت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں کندی خاندان کی سلطنت تھی۔ عہد رسالت میں اس خاندان کے فرمانروا اشعث بن قیس تھے۔ جب بنو کندہ کا وفد اشعث بن قیس کی قیادت میں مدینہ منورہ آکر بارگاہ نبوی میں باریاب ہوا تو اشعث رضؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم بھی آکل المرار کی اولاد ہیں اور حضور بھی اسی کی ذریت ہیں۔ یہ سن کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا تم یہ نسب میرے چچا عباس بن عبدالمطلب اور ربیعہ بن حرث سے بیان کرو۔" اور فرمایا کہ ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ ہم کو اپنے آباء کا نسب بیان کرنا چاہیئے اور تم کو اپنے باپ دادا کا (سیرت ابن ہشام)

ظاہر ہے کہ اگر (خدانخواستہ) آپ کی جگہ کوئی خانہ ساز نبی ہوتا تو وفد کے سردار سے بہت کچھ اظہار خوشنودی کرتا کہ اس نے اس کا نسب بھی بادشاہ سے ملا دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ ہم اس انتساب کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ جب آپ نے اشعث بن قیس کو سمجھایا کہ دوسروں کے نسب میں داخل ہونا شرعاً حرام ہے تو اشعثؓ نے اپنی قوم کے آدمیوں سے خطاب کر کے کہا کہ آئندہ جس شخص کی نسبت سنوں گا کہ وہ اپنے تئیں دوسرے کے نسب میں داخل کرتا ہے۔ اس کو اسی کوڑوں کی سزا دوں گا۔ (سیرت ابن ہشام)

فصل ۵۳

غیر اللہ سے استمداد اور طلب حاجات

غیر اللہ سے استمداد کا معمول

قریش اور اکثر عرب حضرات ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کے متبع تھے لیکن رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کوئی دو صدیاں پہلے انھوں نے بُت پرستی بھی اختیار کر لی تھی۔ اب وہ بیک وقت احکام اسلامی کے بھی پیرو تھے اور بُت پرستی کے بعد بھی خوگر اس نکوہیدہ ممزوج مسلک کی تردید میں خدائے برتر نے فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (۶: ۸۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انھوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہ کیا وہ امن میں رہیں گے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ان کے جدید جاہلی طور طریقوں میں سے ایک یہ تھا کہ وہ خدائے واحد کو چھوڑ کر بتوں اور خیالی دیوتاؤں اور کاہنوں سے استمداد اور طلب حاجات کیا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ رح کا بیان

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

انھم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجھم من شفاء المریض وغناء الفقیر وینذرون لھم یتوقعون انجاح مقاصدھم بتلک النذور ویتلون اسماءھم

کفار کا معمول تھا کہ اللہ کی بجائے دوسروں سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگتے مثلاً بیماروں کی تندرستی اور محتاجوں کی توانگری کے لیے اور اُن کی نذریں مانتے اور اُمید رکھتے کہ ان نذروں سے ہمارے تمام مقصود اور حاجتیں بر آئیں گی اور ان ناموں

رجاء برکتها فاوجب الله علیهم ان یقولوا فی صلواتهم ایاك نعبد وایاك نستعین فقال الله تعالی ولا تدعوا مع الله احدا ولیس المراد من الدعاء العبادة کما قال بعض المفسرین بل هو الاستعانة لقوله تعالی بل ایاه تدعون فیکشف ما تدعون الیه انتهی خلاصة ما فی حجة الله البالغة

کی برکت کی امید پر ان کے نام پڑھتے اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان پر یہ بات واجب کی کہ اپنی نمازوں میں ایاک نعبد وایاک نستعین کہا کریں یعنی اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے۔ اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہیں گے۔ اور نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا لَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا (اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو) اس آیت میں دعا سے عبادت مراد نہیں جیسا بعض مفسرین نے بیان کیا ہے بلکہ دعا سے مدد چاہنا مراد ہے کیونکہ باری تعالےٰ نے خود اپنے کلام میں فرمایا ہے۔ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ (بلکہ اس سے مدد مانگتے ہو تو اس مشکل کو دور کر دیتا ہے۔ جس پر اس سے مدد چاہتے ہو۔

حجۃ اللہ البالغہ کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مولینا قطب الدینؒ دہلوی شرح حصن حصین میں لکھتے ہیں کہ آیات ایاك نعبد و ایاك نستعین اور ادعوا ربکم تضرعا و خفیة اور لا تدعو مع اللہ احدا وغیرہ غیر اللہ سے ایسی باتوں میں مدد چاہنے کا عدم جواز ثابت کرتی ہیں جن میں شرک کا وہم و گمان ہو۔ اور یہ حدیث بھی اذا استعنت فاستعن باللہ (جب مدد چاہو تو اللہ ہی سے مدد چاہو نہ کسی دوسرے سے) استمداد غیر اللہ کو رد کرتی ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دعا کی حقیقت بھی اپنے رب العزتؐ سے مانگنا اور مدد چاہنا اور بندے کا اس کو پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں ہے حقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله والاستمداد والمعونة۔ پس جب خدائے برتر حکم فرما چکا ہے کہ مجھی سے مانگو اور

مدد چاہو اور عاجزی کرو تو اس کے سوا غیر کو پکارنا شرک کا موجب ہوگا اور چونکہ دعا سب عبادتوں سے بڑی اور رب العالمین کے سامنے کمال بندگی اور ذلت کا مقام ہے تو اس لحاظ سے جو کوئی غیر کو پکاریگا اور اس سے مدد چاہے گا وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔

اللہ ہی سے مانگنے کا فرمان نبوی

استعانت اور طلب حاجات کو خدائے مشکل کشا کے ساتھ مخصوص کرنے کی نسبت فرمان نبوی ملاحظہ ہو۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی جناب عبد اللہ بن عباس رضؓ گو آپ کے وصال سے پیشتر خورد سال تھے لیکن جو بات حضور سے سنتے تھے خوب یاد رکھتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ مجھ سے فرمانے لگے۔ اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں بتاتا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھو وہ تمہیں اپنی یاد میں رکھے گا۔ اگر اللہ کی یاد میں رہو گے تو اس کو اپنے آگے پاؤ گے۔ اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو۔ اور مدد چاہو تو اُسی سے چاہو اور یاد رکھو کہ اگر ساری مخلوق جمع ہو کر اس بات کی کوشش کرے کہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکیں تو اسی قدر منفعت پہنچا سکیں گے جس قدر اللہ تعالے نے تمہارے لیے مقدر کر رکھی ہے اور اگر تمام لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد و متفق ہو جائیں تو اس سے زیادہ کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے جتنا کہ خدائے عزیز و برتر کے دستِ قدرت نے لکھ رکھا ہے۔ (قضا و قدر لکھنے والے) قلم اُٹھا لیے گئے اور کتابتِ تقدیر کے صحیفے خشک ہو چکے۔ (ترمذی)

فصل ۵۴

فحش گوئی

فحش گوئی عربوں کے عام معمولات میں داخل تھی۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم قوت شہوانیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی امور قبیحہ کو صریح شرمناک الفاظ میں بیان کرنا جس طرح بازاری لوگ شب و روز بکا کرتے ہیں اور نیک کردار و شریف لوگ ایسی چیزوں کا اشارۃً و کنایۃً ذکر کرنے سے بھی بچتے ہیں۔ فحش کے مرتکب زیادہ تر اوباش اور رند نوجوان اور بے تکلف دوست ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں اس قسم کی شرمناک فحش گوئی کو "رفث" کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کی ممانعت فرمائی گئی۔ مثلاً فرمایا:۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ" — حج کے ایام میں نہ شہوت کی کوئی بات کہی جائے، نہ گناہ کی، نہ لڑائی کی۔

اس آیت میں حج کی تخصیص محض اس لیے ہے کہ فریضۂ حج میں مردوں اور عورتوں کا عام اجتماع ہوتا ہے اور سفر حج میں پردے کی پوری پابندی بھی مشکل ہے۔ اس لیے لوگوں کو ایسی گفتگو کے مواقع زیادہ حاصل ہوتے ہیں حالانکہ یہ ایام ذکر الٰہی کیلیے مخصوص ہیں۔ ورنہ حج کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ ملت حنیفی میں دوسرے مواقع میں بھی فحش گوئی ممنوع ہے۔ حسب روایت عبداللہ بن مسعودؓ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن طعن کرنے والا اور لعنت کرنے والا اور فحش بکنے والا اور زبان درازی کرنے والا نہیں ہوتا (ترمذی و بیہقی)

اور فرمایا کہ گالی بکنے والے اور بے حیائی کی بات کرنے والے کے پاس اسلام میں سے کچھ بھی نہیں (احمد) اور فرمایا خدائے برتر فحش بکنے والے اور بے حیائی کی بات کہنے والے کو پسند نہیں کرتا (طبرانی بسند جیّد) اور فرمایا کہ حیاداری اور لحاظ کر کے بات کہنا

ایمان کی دو شاخیں ہیں۔ اور فحش اور بدزبانی اور بے دھڑک بات کہنا نفاق کی دو شاخیں ہیں (ترمذی)

عرب میں یہ بے حیائی عام تھی کہ آپس میں مل کر بیٹھتے تو اپنی بیویوں سے مباشرت کرنے کی تمام کیفیت تفصیل کے ساتھ بیان کرتے (ابوداؤد) لیکن ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فحش بیانی کی ممانعت فرما کر اس کی بھی پوری طرح اصلاح فرمادی۔ حضرت ابوہریرہ رضی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی کے اندر بخار میں لوٹ رہا تھا۔ اتنے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حاضرین سے پوچھا کہ دوس کے نوجوان (ابوہریرہ رض) کو کسی نے دیکھا ہے؟ ایک صاحب کہنے لگے یا رسول اللہ وہ یہاں مسجد کے کونے میں پڑے ہیں۔ بخار چڑھ رہا ہے۔ آپ میرے پاس تشریف لائے اور از راہ شفقت دست مبارک مجھ پر رکھا اور فرمایا

ابوہریرہ رض کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نماز پڑھنے کے لیے اپنی جائے نماز پر تشریف لے گئے۔ اس وقت نمازیوں کی دو صفیں تھیں۔ ایک مردوں کی دوسری عورتوں کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں نماز میں بھولوں تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں ہاتھ پر ہاتھ مار کریں۔ اس کے بعد آپ نے مردوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنی اہلیہ کے پاس جا کر دروازہ بند کر لیتا ہے۔ اور پردہ ڈال لیتا ہے؟ اور اللہ کے پردے میں چھپ جاتا ہے۔ مردوں نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا کہ پھر اس کے بعد لوگوں سے کہنے بیٹھتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ایسا کیا؟ حاضرین میں سے کسی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔

اس کے بعد آپ نے خواتین سے خطاب کر کے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسی عورت موجود ہے جو اپنی ہجولیوں سے بات کہتی ہے؟ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر تک بالکل سناٹا چھایا رہا۔ اتنے میں ایک عورت کہنے لگی یا رسول اللہ! مردوں میں بھی اس قسم کا تذکرہ کرنے والے بے حیا ملیں گے اور عورتوں میں بھی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شیطان اپنی مادہ سے راستے میں ملے اور پھر وہ دونوں شارع عام پر

لوگوں کے سامنے باہم اختلاط کریں (ابوداؤد)

کلام پاک نے اس سلسلہ میں بڑی احتیاط برتی ہے یہاں تک کہ ناگزیر مواقع پر بھی ایسی باتوں کو صراحت کے ساتھ نہیں بلکہ مجاز و استعارہ کے رنگ میں ادا کیا ہے۔ چنانچہ میاں بیوی کے ہم صحبت ہونے کو ایک دوسرے تک جانے یا لمس (چھونے) سے تعبیر کیا ہے۔ احادیث نبویہ میں پاخانہ اور پیشاب کے لیے "قضائے حاجت" کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایک کنایہ ہے اور کلام پاک میں اس کے لیے غائط کا لفظ لایا گیا ہے۔ جو لغت عرب میں نشیب زمین کو کہتے ہیں۔

امام محمد غزالیؒ لکھتے ہیں کہ فحش بازاری کچھ الفاظ پر ہی موقوف نہیں بلکہ ہر ایک ناپسندیدہ بات فحش میں داخل ہے۔ مثلاً قضائے حاجت کے لیے اگر پاخانہ پیشاب کہیں تو ہگنے موتنے جیسے الفاظ سے بہتر ہے۔ غرض جو الفاظ مکروہ ہیں۔ ان کا ذکر صاف لفظوں میں نہ چاہیئے ورنہ فحش میں داخل ہوگا۔ اسی طرح بیوی کا ذکر بھی کنایۃً مناسب ہے۔ مثلاً یوں نہ کہنا چاہیئے کہ تمھاری جورو نے یوں کہا بلکہ اس طرح بولنا چاہیئے کہ آپ کے گھر میں سے یہ کہا یا بچے کی والدہ نے کہا۔ علیٰ ہذا القیاس کسی کو کوئی مکروہ بیماری مثلاً برص جذام، آتشک، بواسیر سوزاک ہو تو ان کا ذکر کرنا بھی اچھا نہیں بلکہ ایسی طرح ذکر کریں کہ وہ جو سخت بیماری ہے یا کوئی اور لفظ استعمال کریں۔ الغرض تصریح یعنی صاف کہنا فحش میں داخل ہوگا۔

امام غزالیؒ علاء بن ہارون سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کی بغل میں پھوڑا نکلا اور ان کی عادت تھی کہ زبان کی بڑی حفاظت فرماتے تھے اور ممکن نہیں تھا کہ ان کی زبان سے کوئی بے جا لفظ نکلے۔ ہم ان کی عیادت کو گئے اور سوچ رہے تھے کہ دیکھیں آپ اس تکلیف کو کن الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ ہم نے پوچھا کہ کہاں نکلا ہے۔ انھوں نے بغل کا نام نہ لیا بلکہ فرمایا کہ ہاتھ کے اندر کی طرف ؟

فصل ۵۵

قاتل کو مقتول کا ترکہ دلانے کا رواج

عرب کے عہد جاہلیت میں ایک برائی یہ رائج تھی کہ قاتل بھی مقتول کا وارث قرار دیا جاتا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیا اور نہ صرف ترکہ سے بلکہ دِیت (خون بہا) کا بھی اسے وارث نہ قرار دیا۔

ظہور اسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں احیحہ بن جلاح نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس کا ایک بچا جو عمر میں اس سے بہت چھوٹا تھا اپنے ننھال میں پرورش پا رہا تھا۔ احیحہ نے اس صغیر السن بچا کی جائداد پر قبضہ کرنے کے لیے اس کو ننھال سے لے کر قتل کر ڈالا۔ چونکہ مقتول کا وارث قاتل کے سوا کوئی نہ تھا اس لیے جاہلی رسم کے مطابق نہ تو اس مظلوم کے خون کا کوئی دعویدار ہوا اور ننھال کو دیت کا حق ملا۔ غرض اس جرم ناآشنا کا خون رائگاں گیا اور سیاہ دل بھتیجا بے غل و غش اس کی جائداد پر قابض ہو گیا۔

لیکن اسلام نے آکر اس خرابی کا فوری واقعی تدارک کیا۔ عہد رسالت میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا البتہ عہد فاروقی میں ایسا ہی ایک حادثہ رونما ہوا جس میں حضرت فاروق اعظمؓ نے قاتل کو حق وراثت سے محروم کر دیا۔ چنانچہ قتادہ نامی ایک شخص نے جو قبیلہ بنو مدلج میں سے تھا اپنے بیٹے کے تلوار ماری۔ وہ اس کی پنڈلی میں لگی۔ خون کسی طرح بند نہ ہوا اور وہ مر گیا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے قاتل کو حکم دیا کہ قدید کے مقام پر ایک سو بیس اونٹ تیار رکھے۔ میں فلاں روز اور فلاں وقت وہاں پہنچوں گا۔ امیر المومنین نے یہ خون بہا مقتول کے بھتیجے کو دلا دیا اور فرمایا کہ قاتل کو خون بہا میں سے کچھ نہ ملے گا۔

فصل ۵۶

قتل و جانستانی کی گرم بازاری

چونکہ عرب میں مواخذہ اور باز پرس کرنے والی کوئی حکومت نہ تھی۔ جو شخص چاہتا کسی کو قتل کر دیتا اور جس کا چاہتا مال چھین لیتا۔ لیکن سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے زمام اختیار ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی یہ برائی دور کی۔ مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر امن و سلامتی کے تاجدار نے تمام ملک کو یہ کہہ کر امن و سلامتی کا پیغام سنایا۔

اِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ (بخاری و مسلم)

تمہارے خون اور تمہارے اموال تا قیامت اسی طرح ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔

قتل مومن کی شناعت

یوں تو کسی بے گناہ کی جان لینا خواہ کسی مذہب و ملت کا پیرو ہو بڑا گناہ ہے۔ لیکن مومن کا قتل تو اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر اور شرک کے سوا کوئی گناہ اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ رب العالمین اپنے کلام معجز نظام میں فرماتا ہے:۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا اَلِیْمًا (۴: ۹۳)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ اس میں ہمیشہ رہے اور اس پر اللہ تعالےٰ غضب ناک ہوگا اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور اس نے اسی کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ گو مسلمان کے قاتل کی اصلی سزا ابدی جہنم ہے لیکن خدائے رحیم ورؤف

کی عنایت ہے کہ یہ اصلی سزا جاری نہ ہو گی بلکہ ایمان کی برکت سے انجام کار کبھی نہ کبھی اس کی نجات ہو جائے گی۔ تمام علمائے حق متفق ہیں کہ کفر اور شرک کے سوا کوئی جرم اور کوئی گناہ خلود فی النار موجب نہیں ہے۔

ابو درداء صحابیؓ سے مروی ہے کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُمید ہے کہ غفور رحیم ہر گناہ کو معاف کر دے بجز دو گناہوں کے۔ ایک تو گناہ اس شخص کا جو شرک (اور کفر) پر مرے یا اس شخص کا گناہ جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔ (ابوداؤد) اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ساری دنیا کا تباہ و برباد ہو جانا کسی مسلمان کے قتل ناحق سے زیادہ سہل ہے (ترمذی و نسائی) اور فرمایا کہ اگر آسمان کی ساری مخلوق اور تمام اہل زمین کسی مومن کی خونریزی میں شریک ہوں تو خدائے قہار ان سب کو الٹا کر جہنم واصل کر دے گا (ترمذی) اور فرمایا جو شخص لاالٰہ الااللہ اور محمد الرسول پر ایمان رکھتا ہو اس کا خون ہرگز حلال نہیں بجز ان تین صورتوں کے (۱) یا تو کسی کی جان لینے پر قصاص میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی سنگسار کیا جائے یا کوئی (مسلمانوں کی) جماعت کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے (بخاری و مسلم)

اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ صحابی نے التماس کی یارسول اللہ! اگر قتال میں کسی کافر سے میری مڈبھیڑ ہو جائے اور وہ تلوار مار کر میرا ایک ہاتھ قطع کر دے اور پھر کسی درخت کی پناہ لے کر کہنے لگے کہ میں اللہ کے لیے مسلمان ہو گیا ہوں اور دوسری روایت میں ہے کہ جب میں اس کے قتل کرنے کا قصد کروں تو وہ لاالٰہ الااللہ کہہ دے تو آیا اس کے بعد میں اُس کو قتل کر سکتا ہوں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ لاالٰہ الااللہ کہنے کے بعد اس کو ہرگز قتل نہ کرنا۔ مقداد عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو ہرگز قتل نہ کرنا۔ اور اگر ایسی حالت میں اس کی جان لوگے تو وہ تمھارے مرتبے میں ہو جائیگا قبل اس کے تم اس کو قتل کرو اور تم اس مرتبے پر ہو جاؤ گے جس پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔ (بخاری و مسلم)

یعنی اگر تم اس کو حالت کفر میں مار ڈالتے تو درست تھا۔ اب جب کہ اُس نے

کلمہ پڑھ لیا اس کی جان ستانی جائز نہ رہی اور اگر تم اب اس کو قتل کرو گے تو اس کے بدلے میں مارے جاؤ گے۔

اور فرمایا جب دو مسلمان تلواریں سونت کر لڑیں اور ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! قاتل تو اس واسطے جہنمی ہوا کہ اس نے ایک مومن کو قتل کیا۔ مقتول کس بنا پر واصل جہنم ہوگا؟ فرمایا اس لیے کہ وہ بھی اپنے حریف کی جان ستانی میں کوشاں تھا (بخاری و مسلم) یعنی مقتول نے قابو نہیں پایا ورنہ وہ بھی اپنے قاتل کی جان لینے میں کوتاہی نہ کرتا۔

یاد رہے کہ قاتل اور مقتول دونوں کے جہنمی ہونے کی وعید اُس قتال کے بارے میں ہے جو دنیاوی اغراض، حمیّت، جاہلیت اور قبائلی تعصب کی بنا پر ہو۔ اگر کوئی حق کی حمایت میں قتال کرے تو مُصیب ہونے کی صورت میں اس کے لیے دو اجر ہیں اور خاطی ہو بخطائے اجتہادی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ چونکہ معرکہ صفّین میں امیر المومنین رضؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور امیر معاویہ رضؓ خطا پر اس لیے حضرت علیؓ کو دو چند اور امیر معاویہؓ کو ایک اجر ملے گا کیونکہ دونوں مجتہد تھے اور اگر کوئی اپنے اوپر سے ظلم دفعہ کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔

ہابیل نے قابیل سے فرمایا تھا کہ اگر تو نے یہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر پر رکھے تو میں نے بھی عزم کر لیا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی مدافعت نہ کروں گا کیونکہ عزیمت یہی ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہو جائے لیکن اُس پر ہاتھ نہ اُٹھائے اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر ناحق قاتلانہ حملہ کرے تو جائز ہے کہ دوسرا مسلمان ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے۔

امت محمدیہ میں جس نے سب سے پہلے ہابیل کی سنت پر عمل کیا وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ تھے۔ انھوں نے اپنا گلا کٹوا لیا لیکن کسی مسلمان کی انگلی تک کا کٹنا گوارا نہ فرمایا۔

غیر مسلم کا قتل

جس طرح مسلمان کی جان ستانی جرم اکبر ہے اسی طرح غیر مسلم کا ناحق قتل بھی بہت

بڑا گناہ ہے۔ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے کسی ایسے غیر مسلم کو جو دارالسلام میں مسلمانوں کی رعیت ہو قتل کیا حق تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی (ابوداؤد) اور فرمایا جو مسلمان کسی (غیر مسلم) معاہد کو مار ڈالے وہ بہشت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو چار برس کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے (بخاری) معاہدہ وہ ہے جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو۔

سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قبیلہ بنو عامر کے دو غیر مسلم قتل ہو گئے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے خون بہا کے برابر ان کی دیت دلوائی۔ وہ دونوں ذمی یعنی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مسلم رعایا تھے (ترمذی) مسلمان کا خون بہا بعض علماء کے نزدیک دس ہزار درہم، بعض کے نزدیک بارہ ہزار درہم اور بعض کے نزدیک سو اونٹ ہے درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ایک سکہ ہوتا تھا۔

فصل ۵۷

قحط میں اناج کی ذخیرہ اندوزی

جاہلی عرب میں غلہ کے سوداگروں کی عادت تھی کہ قحط کے دنوں میں جب کہ غلہ بالکل نایاب ہوتا مزید گرانی کی امید پر غلے کو روک رکھتے تھے اور انھیں خلق خدا کی پریشانی اور فاقہ کشی کا قطعاً احساس نہ ہوتا تھا۔ لیکن شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس کی ممانعت کی اور اس سلسلۂ امتناع میں فرمایا کہ جو کوئی احتکار کرے (یعنی غلے کو روکے) وہ خطا کار ہے (مسلم) اور فرمایا کہ سوداگر کو رزق دیا گیا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے (ابن ماجہ و دارمی) اور فرمایا کہ غلے کو روک کر وہی شخص زیادہ گرانی کا انتظار کرتا ہے جو گناہ گار ہے (ترمذی) اور فرمایا کہ جو کوئی چالیس دن غلہ بند رکھے۔ اس کے بعد اس اناج کو صدقہ بھی کر دے تو یہ صدقہ اُس کے گناہ کا کفارہ نہ ہو سکے گا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ رزین) اور فرمایا کہ احتکار کرنے والا برا بندہ ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نرخوں کو ارزاں کرے تو غمگین ہو اور اگر مہنگا کرے تو خوش ہو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ رزین والبیہقی فی الشعب)

قحط میں اناج کا بند رکھنا اور زیادہ گرانی کا انتظار کرنا مذاہب اربعہ میں حرام ہے کیونکہ اس میں خلق خدا کی بد خواہی اور غربا و مساکین پر ظلم ہے۔ اناج کی تجارت ناجائز نہیں بلکہ ایام قحط میں مزید گرانی کے انتظار میں اس کا روک رکھنا ممنوع ہے۔ امام نووی رح رقم فرما ہیں کہ اگر ارزانی کی حالت میں خریدے یا دوسرے ملک سے لا کر گرانی کے وقت بیچنے کو رکھ چھوڑے تو یہ حرام و ممنوع نہیں۔ الغرض گرانی اور قحط رونما ہونے کے بعد اناج کا روکنا حرام ہے۔ یاد رہے کہ اناج کے سوا دوسری چیزوں کا احتکار یعنی روک رکھنا جائز ہے۔

بعض لوگ گائے بھینس وغیرہ کے بیچنے کا قصد کرتے تو ایک آدھ دن اس غرض

سے اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے کہ خریدار دودھ کی کثرت کا یقین کر کے دھوکا کھائے لیکن ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کی اور فرمایا کہ دودھ والے جانور کا دودھ روک کر خریدار کو دھوکا نہ دو اور جعلی و نمائشی خریدار بن کر کسی چیز کو زیادہ داموں پر نہ بکواؤ (ترمذی)

شہر سے نکل کر اناج خریدنے کا رواج

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ حریص بیوپاری جب سنتے کہ اناج باہر سے بغرض فروخت آرہا ہے تو زیادہ نفع حاصل کرنے کے لیے شہر سے نکل کر کوس دو کوس کے فاصلہ پر پہنچ جاتے اور وہیں راستہ میں تمام اناج خرید لیتے۔ اس خرید و فروخت میں دوگونہ خرابی تھی۔ ایک تو باہر سے مال لانے والوں کا نقصان تھا کیونکہ اگر وہ اناج بازار میں آتا تو لانے والوں کو زیادہ قیمت ملنے کی اُمید تھی۔

دوسرے تمام شہر کی حق تلفی تھی۔ کیونکہ اگر وہ اناج شہر میں آکر بکتا تو سب لوگ ارزاں داموں پر مول لے سکتے۔ اس لیے شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقۃً علی الخلق یہ رواج توڑ دینا چاہا اور اس کی ممانعت میں فرمایا کہ آگے بڑھ کر اناج کی کھیپ نہ خریدا کرو۔ جس بیوپاری کی کھیپ آگے بڑھ کر خریدی جائے اسے اختیار ہے کہ بازار میں آکر اس سودے کو برقرار رکھے یا فسخ کر دے (مسلم) اور فرمایا ارزاں خرید کر گراں بیچنے کے لیے قافلہ کے شہر میں آنے سے پہلے آگے بڑھ کر اس سے نہ ملو۔ جس نے آگے جا کر ارزاں نرخ پر غلہ خرید لیا تو غلے کے مالک کو منڈی میں آنے کے بعد اختیار ہے کہ اس سودے کو فسخ کر دے۔ (ابوداؤد)

غلّے کا نرخ مقرر کرنا

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی میں ایک مرتبہ غلہ مہنگا ہوا تو اصحاب کرام علیہم الرضوان عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! اناج کے نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ نرخ مقرر کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے (یعنی اس کی مشیّت سے نرخوں میں کمی بیشی ہوتی ہے) وہی خدائے برتر تنگی

کرنے والا وسعت بخشنے والا اور رزاق ہے اور میں ایسی حالت میں اپنے پروردگار سے ملاقی ہونے کا امیدوار ہوں کہ کوئی شخص مجھ سے کسی جانی یا مالی حق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

لیکن علماء نے فرمایا ہے کہ اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اناج کے بیوپاریوں نے ایکا کر کے اناج کے نرخ بڑھا رکھے ہیں تو حکام کے لیے نرخ مقرر کر دینا اور کنٹرول کرنا) جائز ہے۔

فصل ۵۸

قمار بازی

جزیرۂ عرب میں قمار بازی کا بھی عام رواج تھا عربوں کا بڑا سرمایہ اونٹ تھے۔ اس لیے جوا عموماً انہی کے ذریعہ سے کھیلا جاتا تھا۔ اونٹ کو ذبح کر کے دس حصے کر دیتے تھے پھر ان حصوں میں پانسے ڈالتے تھے۔ دس تیر لے کر سات تیروں کے مختلف حصے مقرر کرتے تھے اور تین تیر خالی رکھے جاتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ کیا جاتا۔ اب ان تمام تیروں کو ایک تھیلے میں ڈال کر سب کو ہلا جلا کر ملا دیتے تھے۔ پھر کسی شخص سے کہا جاتا کہ تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک شخص کے نام پر تیر نکالتا جائے۔ جن لوگوں کے ناموں پر وہ تیر جن کے حصے مقرر تھے نکلتے وہی کامیاب ہوتے تھے اور جن تین تیروں کا کوئی حصہ نہ ہوتا تھا وہ جن لوگوں کے نام پر نکلتے وہ ناکام رہتے تھے۔

بعض دوسری چیزوں پر بھی بازی لگائی جاتی تھی اور اگر شرط نہ پوری ہوتی تو اس چیز کو جس پر بازی لگائی جاتی تھی قبضہ میں کر لیتے تھے اور انتہا یہ ہے کہ قمار بازی میں سب مال و دولت کھو چکنے کے بعد اہل و عیال پر بازی لگا دیتے تھے۔ (تفسیر کبیر) بعض اوقات قمار بازی کا نتیجہ جنگ و پیکار کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا تھا۔ چنانچہ عبس و ذبیان کی لڑائیاں گھوڑدوڑ ہی کی قمار بازی کا نتیجہ تھیں۔

معلوم ہوا کہ ہجرت نبوی سے پہلے جوئے کی حرمت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ، حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ اور چند دوسرے صحابہ نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! بادہ نوشی سے تو عقل میں فتور آتا ہے اور قمار بازی میں مال برباد ہوتا ہے۔ ان کے بارہ میں کوئی حکم دیجئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (۲: ۲۱۹)	اے پیغمبر! آپ سے شراب کا اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں بڑا ہے۔

اثم کبیر سے حرکات لایعنی، فحش گوئی اور سب وشتم مراد ہیں جو مستلزم معصیت ہیں اس آیت کی تنزیل پر صحابۂ کرام رضہ نے محسوس کیا کہ گو بادی النظر میں حرام صریح نہیں مگر آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ دونوں کام مرضیات الٰہی کے خلاف ضرور ہیں اور فائدوں سے فرح اور لذت وسرور اور بلا محنت کا مال حصول مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ ان منافع کا مرجع تن پروری اور عشرت پرستی ہے جس کو مفاد آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر وہ صحابہ جو خمر اور میسر کے عادی تھے۔ آیت کے نازل ہوتے ہی ان سے دست بردار ہو گئے۔

یہ جوئے اور شراب کے متعلق پہلا حکم تھا جس پر محض اظہار نفرت کر دیا گیا تھا تاکہ لوگوں کے ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لیے مستعد رہیں۔ بعد میں حالت نماز میں شراب نوشی کی ممانعت ہوئی۔ پھر شراب، جوئے بازی اور اسی نوعیت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام کر دیا گیا۔

فصل ۵۹

کسانوں اور دستکاروں کی تحقیر

انصاری مجاہدین کے بر سر مقابلہ ہونے کی ناگواری

قریش مکہ ایک تجارت پیشہ قوم تھی ۔ وہ تاجروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن زراعت پیشہ لوگوں اور دستکاروں کو حقیر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب غزوۂ بدر کے آغاز میں لشکر اسلام کی طرف سے تین انصاری نوجوان معاذ، مُعوّذ اور عوف پسران حارث میدان میں نکلے تو کفار پکار اُٹھے کہ محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلے پر کسانوں کو کیوں بھیجدیا ہے۔ ہم سے جنگ آزما ہونے کے لیے ہماری ہی برادری اور کفو کے آدمی آنے چاہئیں۔ چنانچہ آپ نے انصاری نوجوانوں کو واپس بلالیا اور ان کی جگہ حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کو بھیجدیا۔

کسب حلال کا وجوب

حسب روایت عبداللہ بن مسعودؓ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرائض کے بعد کسب حلال کی طلب بھی فرض ہے (بیہقی فی الشعب) فرائض سے یہ مراد ہے کہ فرائض مقررہ (نماز روزہ وغیرہ یا ایمان) کے بعد حلال کمائی بھی اُس شخص پر فرض ہے جو خود اس کا حاجت مند ہو یا اُن لوگوں کے لیے کمانا جن کا نفقہ اُس پر فرض ہے۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن چیزوں میں جو تم کھاتے ہو سب سے بہتر اور طیب روزی وہ ہے جو تمہیں کسب سے حاصل ہو (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد اور دارمی نے یوں روایت کیا ہے۔ کہ سب سے طیب چیز جو آدمی نے کھائی وہ ہے جو اس کے کسب سے حاصل ہوتی ہے۔

بہترین کسب

اب سوال یہ ہے کہ حلال کسبوں میں سے بہترین روزی کون سی ہے؟ اس سلسلہ میں مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے کوئی ایسی غذا کبھی نہیں کھائی جو اپنے ہاتھ کے کسب سے پیدا کی ہوئی غذا سے بہتر ہو اور نبی اللہ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے پیدا کر کے ہی کھاتے تھے (بخاری) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دستکاری اور صنعت وحرفت سے بڑھ کر اور کوئی پاک وطیب روزی نہیں۔

منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اوائل میں بحیثیت فرمانروائے وقت سرکاری محاصل میں سے کچھ رقم لے کر اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ رات کو گشت کر کے اس غرض سے لوگوں کو پوچھا کرتے تھے کہ اگر اپنے طرزِ عمل میں کسی قسم کی لغزش رہی ہو تو اس کی اصلاح کر لیں۔ ایک رات ایک بڑھیا سے دریافت فرمایا داؤد بادشاہ کیسا حکمران ہے؟ اس نے کہا آدمی تو اچھا ہے لیکن محاصل ملکی سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے یہ سن کر آپ نے اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی حاصل کرنے کا قصد فرمایا۔ خدائے قدیر نے ان کے واسطے لوہا موم کی طرح نرم کر دیا۔ آپ اپنے ہاتھ سے زرہیں تیار کرتے اور ان کو بیچ کر معاش پیدا کرتے۔

اسی طرح رافع بن خدیج رضہ سے مروی ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا کسب سب سے طیب اور پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور (رواہ احمد) یعنی دستکاری اور حرفہ سب سے افضل روزگار ہے اور اگر ہاتھ سے کسب نہ ہو سکے تو پھر ایسی تجارت جس میں دیانت وامانت کا التزام ہو وہ بھی کسب طیب ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ بہترین کسب اور افضل ترین ذریعۂ معاش کیا ہے؟ زیادہ متداول ذرائع معاش چار ہیں (۱) نوکری (۲) تجارت (۳) کھیتی باڑی (۴) صنعت اور دستکاری گو یہ سارے کسب پاکیزہ اور طیب ہیں لیکن اکثر حدیثوں سے یہی مترشح ہوتا

ہے کہ ہاتھ سے کسب کرنا سب سے افضل ذریعۂ معاش ہے۔

مزارع کی مقہوریت

اوپر لکھا گیا ہے کہ کفار قریش زراعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ مزارعین سے بڑھ کر دنیا میں مظلوم و مقہور طبقہ کوئی نہیں۔ اس خیال کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلی صحابی رضؓ ہل اور کھیتی کا دوسرا سامان دیکھ کر کہنے لگے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا۔

لَا یَدْخُلُ هٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ الذُّلَّ (رواہ البخاری)

یہ جس گھر میں قدم رکھتی ہے اللہ تعالیٰ اُس گھر میں ذلت و رسوائی کو لا داخل کرتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ ذلت زمین کے اُن حقوق کی بنا پر لازم آتی ہے۔ جن کا حکام کی طرف سے مزارعین پر دباؤ رہتا ہے۔ اوائل میں جب اراضی پر اہل اسلام کا قبضہ اور عمل دخل ہوا تو اس کی کھیتی باڑی ذمیوں ہی کے سپرد کی گئی تھی اور صحابۂ کرام رضؓ خود کھیتی کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ابن التینؒ نے کہا ہے کہ یہ بھی اُن غیبی خبروں میں سے ایک اطلاع ہے جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی تھی اور اب بھی یہ حالت مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ جتنا ظلم غریب مزارعین پر ہوتا ہے۔ اتنا کسی اور طبقہ پر نہ ہوتا ہوگا۔

اس کے بعد علامہ عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ ابوامامہ صحابی رضؓ نے جو مزارعین کی ذلت کا ذکر کیا یہ اُس وقت کی بات ہے جب مالکِ اراضی خود کاشتکاری کرے۔ لیکن اگر زمیندار کے نیچے کام کرنے والے مزارع موجود ہوں اور اُس کے مکان میں ہل وغیرہ اشیاء حفاظت کے لیے رکھ دیں تو زمیندار ذلت مذکورہ کا مصداق نہیں ہوگا اور اس ذلت سے عموم بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ ذلت ہر اُس شخص کے شامل حال رہتی ہے جو دوسروں کے مطالبات کے نیچے دبا ہو خصوصاً اُس صورت میں جبکہ مطالبات حکومت کی طرف سے ہوں۔ فتح الباری جلد ۵ صـ

آدم اور ابراہیم علیہما السلام کا ذریعۂ معاش

واضح ہو کہ اس حدیث میں سیّد کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش کی طرح زراعت

پیشہ لوگوں کی تحقیر نہیں کی بلکہ محض اظہار واقعہ فرمایا بلکہ بخاری کی اگلی حدیث میں آپ نے مزارعین کے فیضِ عام کا تذکرہ فرما کر حقیر سمجھنے والوں کے خیال خام کی تردید اور اصلاح فرمادی۔ راقم الحروف کے نزدیک زراعت ایک اعلیٰ درجہ کا حلال ذریعۂ معاش ہے۔ اس کے اعلےٰ و برتر ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ ابو البشر حضرت آدم ؑ اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذریعۂ معاش زراعت ہی تھا۔

مزارعین کا فیض عام

جہاں بے چارہ مزارع ذلت سے ہمکنار اور محکومی کے بوجھ میں دبا رہتا ہے وہاں اس کے لیے بہت بڑی بشارت بھی ہے۔ چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان درخت اور باغ لگائے یا کھیتی باڑی کرے اور اس کی پیداوار سے پرندے چگ جائیں یا انسان اور چار پائے کھا جائیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوگا۔ رواہ البخاری۔

مزید براں ہم دیہات اور قصبوں کے باہر دیکھتے ہیں کہ جو جاری کنواں آبادی کے قریب ہوتا ہے۔ وہاں لوگ دن بھر پانی بھرتے، نہاتے، کپڑے دھوتے اور مویشیوں کو نہلاتے اور پانی پلاتے رہتے ہیں اور زراعت پیشہ لوگوں کی طرف سے یہ ایسا فیض عام ہے جس میں کوئی دوسری جماعت خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہو ان کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور لطف یہ کہ مزارع کی ساری عمر میں ہر روز اور ہر وقت اس فیض رسانی اور صدقہ جاریہ کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء زراعت کے افضل المکاسب ہونے کے قائل ہیں۔

حلال کمائی کی ترغیب

اکل حلال کے بغیر نہ تقویٰ و طہارت اور تعلق باللہ کی سرفرازی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نہ دعا موقفِ اجابت پر پہنچتی ہے اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ہمیشہ اکل حلال کی ترغیب دیتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں آدمی اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ مال وجہ حلال سے حاصل کیا گیا ہے یا حرام ذریعہ سے (بخاری) اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ پاک طیّب ہے اس لیے پاک ہی چیز کو قبول کرتا ہے۔ اور

خدائے برتر نے مومنوں کو بھی اُنہی کاموں کا حکم دیا ہے جن پر اس کے رسول مامور تھے۔
چنانچہ اپنے کلام میں فرمایا:۔
یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً" اے رسولو! حلال رزق کھاؤ اور اچھے عمل کرو
اسی طرح مومنوں کو حکم دیا۔
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ اے مومنو! حلال طیّب رزق کھاؤ جو ہیں نے تم کو دیا ہے۔
یہ فرما کر حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا حال بیان کیا جو طویل سفر اختیار کرتا ہے۔ژولیدہ مُو اور غبار آلود ہے۔اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر یا ربّ، یا ربّ کہتا ہے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور پینا اور پہننا وجہ حرام سے ہے اور اس نے حرام ہی سے پرورش پائی ہے۔ ایسے شخص کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے؛ رواہ مسلم

انبیاء اور اکابر امت کے پیشے

ذیل میں بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض صحابہ اور صلحائے امت کے پیشے لکھے جاتے ہیں جن سے اُن لوگوں کے زعم باطل کی تردید ہو گی جو کسانوں اور دست کاروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔

امام ابن جوزی رحمہ رقم فرما ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے۔حضرت نوح اور حضرت زکریا علیہما السلام نجار یعنی بڑھئی تھے۔ادریس علیہ السلام خیاط (درزی) تھے۔حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کھیت بوتے تھے۔ صالح علیہ السلام تاجر تھے۔ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے زرہیں بناتے اور ان کی قیمت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ حضرت شعیب، حضرت موسیٰ اور ہمارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔سیدنا و مولٰنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔پھر جب حق تعالےٰ نے آپ کو مال فَے سے غنی کر دیا تو آپ کو کسب کی احتیاج نہ رہی۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحہ

رضی اللہ عنہم بزاز تھے۔ محمد بن سیرین تابعی اور میمون بن مہران بھی پارچہ فروش تھے۔ حضرت زبیر رضہ بن عوّام، عمرو بن عاص، عامر بن کریز رفوگر تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص تیر گر اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما درزی تھے۔ ابراہیم بن ادھم کھیتی کاٹا کرتے تھے۔ سلیمان بن خواص خوشہ چین تھے۔ حذیفہ مرعشی اینٹیں بناتے تھے۔ (تلبیس ابلیس)

ناپسندیدہ پیشے

بعض پیشے شرعاً و اخلاقاً سخت ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہیں۔ مثلاً گانا بجانا، سود خوری شراب فروشی، تصویر کشی اور بازاری عورت کی کمائی وغیرہ۔ یہ ذرائع معاش سخت خبیث ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے دامن کشاں رہنا چاہیئے۔ یہ تمام پیشے عرب میں عام طور پر رائج تھے۔ اور مؤخرالذکر کے سوا کسی پیشے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما کر اصلاح فرما دی۔ اب ارشادات نبویہ کی روشنی میں ہر پیشے کا خبث مختصراً ظاہر کیا جاتا ہے۔

گانے بجانے کا پیشہ

عرب میں رواج تھا کہ بعض لوگ اپنی لونڈیوں کو گانا بجانا سکھلا دیتے تھے اور پھر ان کی کمائی کھاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ چنانچہ ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ آپ نے کتا بیچ کر اس کی قیمت وصول کرنے اور گانے والیوں کی کمائی کھانے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ) اور فرمایا کہ لونڈیوں کو گانا نہ سکھلاؤ۔ ان کا مول (یعنی آمدنی) حرام ہے۔

سورۂ لقمان کی چھٹی آیت میں خدائے عزیز نے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ (اور لوگوں میں بعض ایسا شخص بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں کا خریدار بنتا ہے تاکہ (لوگوں کو سنا کر) بے سمجھے بوجھے راہِ خدا سے بھٹکائے) حضرات عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ سے راگ مراد ہے۔ فقہاء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ طبلہ سارنگی ستار اور باجوں وغیرہ کا سننا حرام ہے۔ طبل غازی اور عیدین اور شادیوں میں دف بجانا مستثنیٰ ہے

شہوت انگیز اور مخرب اخلاق اشعار کا گانا یا سننا بھی حرام و ممنوع ہے اگرچہ باجے کے بغیر گائے یا سنے جائیں۔

سود خوری

حضرت جابر انصاری رض سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاج کھانے والے پر اور بیاج دینے والے پر اور سودی حساب لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ گناہ میں یہ سب مساوی ہیں (مسلم)

اگر قرض خواہ مقروض سے کوئی ہدیہ لے تو وہ بھی حرام ہے اور سود میں داخل ہے۔ چنانچہ ابوبُردہ بن ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ آکر حضرت عبداللہ بن سلام صحابی رض سے ملاقات کی۔ انھوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں بود و باش رکھتے ہو جس میں سودی لین دین کا بڑا رواج ہے۔ ایک بات یاد رکھو کہ اگر کسی پر تمہارا حق (قرض وغیرہ) ہو اور وہ تمہارے پاس بُھس یا جَو کا ایک بوجھ یا گھاس کا ایک گٹھا بھی بھیجے تو نہ لینا کیونکہ یہ سود کا حکم رکھتا ہے (بخاری)،

لیکن اگر قرض سے پہلے آپس میں دوستی بے تکلفی ہو اور تحفے تحائف کی راہ و رسم باہم چلی آتی ہو تو اس کے قبول کرنے میں مضایقہ نہیں اور اگر قرض سے پہلے اس قسم کا لین دین نہ تھا تو اس ہدیہ کا سبب یقیناً قرض ہی ہے اور شریعت غراء میں قرض دے کر قرضدار سے کوئی نفع اُٹھانا حکم ربا میں داخل ہے۔

شراب فروشی

شراب فروشی کی آمدنی بھی قطعاً حرام اور ناپاک کمائی ہے۔ حضرت جابر انصاری رض کا بیان ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے سال مکہ معظمہ میں فرمایا کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے شراب کا اور مُردار کا اور سوّر کا اور بتوں کا بیچنا حرام کیا (بخاری و مسلم) اور حضرت انس رض کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلہ میں دس اشخاص پر لعنت کی۔ شراب کشید کرنے والے پر اور کشید کرانے والے پر اور پینے والے پر اور اٹھا کر لے جانے والے پر اور اس پر جس کی طرف اٹھا کر

لے جائی گئی ہو اور پلانے والے اور بیچنے والے پر اور فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کرنے والے پر اور اس کے خریدار پر اور اُس پر جس کے لیے خریدی گئی ہو (ترمذی و ابن ماجہ)

تصویر کشی

تصویر کشی اور فوٹو گرافی کی نہ صرف آمدنی حرام ہے بلکہ جاندار کی تصویر کھینچنے والے اور کھچوانے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ لعنت رحمتِ الٰہی سے دور ہو جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کا مول (یعنی پچھنے لگانے کی اجرت وصول کرنے کی) اور کتے کی قیمت لینے کی اور زانیہ عورت کی خرچی کی ممانعت فرمائی اور سود خور پر اور سود دینے والے پر اور گودنے والی اور گدوانے والی عورت پر اور مصور پر لعنت کی۔

اور فرمایا کہ اللہ کے نزدیک عذاب میں اشد الناس مصوّر ہیں (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ جو کوئی (کسی جاندار کی) صورت بنائے وہ قیامت کے دن معذّب ہو گا اور اس کو اس امر کی تکلیف دی جائے گی کہ اس میں روح پھونکے مگر نہ پھونک سکے گا (بخاری)

بدکاری کی خرچی

بدچلن عورتیں حرامکاری پر جو رقم وصول کرتی ہیں وہ تمام کمائیوں میں سب سے خبیث کمائی ہے پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتے کی قیمت خبیث ہے اور زناکار عورت کی خرچی خبیث ہے (مسلم) آپ نے کتے کے مول سے اور زانیہ عورت کی خرچی سے اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا (بخاری و مسلم)

جوتشی، رمّال، جفّار، پنڈت وغیرہ جو لوگوں کو غیب کی خبریں سناتے ہیں وہ بھی کاہن کے حکم میں داخل ہیں۔ کاہن عرب میں وہ مدعیانِ غیب دانی تھے جو جنّات اور بھوت پریت سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ وہ ان کو جھوٹی سچی خبریں آ سناتے تھے۔

فصل ۶۰

کم تولنے کا رواج اور دوسری تجارتی

جاہلی عرب میں (۱) سودا کم تولنے کا عام معمول تھا (۲) دکاندار مال بیچنے میں دروغ گوئی سے کام لیتے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر خریدار کو پھانستے تھے (۳) عیب دار مال بیچتے وقت خریدار پر اس کا عیب ظاہر نہیں کرتے تھے (۴) نادان گاہک کو دھوکا دے کر خراب چیز اس کے حوالے کرتے اور ناپسند ہونے پر واپس نہیں لیتے تھے (۵) اُدھار کی رقم وصول کرنے کے لیے بڑی سختی سے کام لیتے۔ لیکن مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات حقّہ کے اثر سے ان تمام خرابیوں اور بدعنوانیوں کی اصلاح فرما دی۔

ناپ تول میں کمی بیشی

ناپ تول میں کمی کرنا دوسرے کا حق غصب کرنا اور یہ صریح بددیانتی ہے جو کوئی دیتے وقت ناپ تول کو گھٹاتا اور لینے میں بڑھاتا ہے وہ دوسرے کی چیز پر غاصبانہ تصرف کرتا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم قدوم فرمائے مدینہ ہوئے تو اس وقت یہاں عام رواج تھا کہ دوکاندار کم تولتے اور کم ناپتے تھے۔ حق تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ تطفیف کی پہلی چھ آئتیں نازل کیں جن میں فرمایا۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے کہ جب لوگوں سے اپنا حق ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ناپ تول کر دوسروں کو دیں تو کم دیں۔ کیا ان لوگوں کو اس امر کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے عظیم دن میں (قیامت کو) زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے؟ جس دن ہر انسان رب العالمین کے سامنے (اپنے عملوں کا حساب دینے کے لیے) کھڑا ہوگا"۔ ان آیتوں کے نزول کے بعد لوگ پورا تول

تو لنے لگے (ابن ماجہ)

حضرت مخدوم عالم وعالمیاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاجروں کو یہ ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ جھکتا تول تولا کریں۔ چنانچہ سُوید بن قیس عبدی اور مخرفہ عبدی رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم دونوں شہر ہجر سے کپڑا بیچنے کے لیے مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ایک پاجامہ ہم سے خریدا اس وقت ہمارے پاس ایک تو لنے والا اجرت پر کپڑا تول رہا تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا:۔ اے تو لنے والے ہمیشہ جھکتا تول تولو۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

بیع وشرا میں جھوٹ بولنا اور قسمیں کھانا

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تاجر جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے حق تعالےٰ قیامت کے دن نہ اُس کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے (ابن ماجہ) اور فرمایا کہ تین اشخاص ہیں۔ جن سے خدائے برتر قیامت کے دن (کرم و شفقت سے) کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ پائنچے دراز کرنے والا (یعنی ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا) اور احسان کر کے جتلانے والا اور اپنے مال کو جھوٹی قسم سے رواج دینے والا (مسلم) اور فرمایا بیچنے میں قسمیں کھانے سے بچو۔ گو قسم کھانے میں مال بکتا ہے لیکن اس بیع میں برکت نہیں رہتی (مسلم) اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ قسم مال و اسباب کی نکاسی کا ذریعہ ہے لیکن ساتھ ہی برکت کے مٹنے کا بھی سبب ہے (بخاری ومسلم)

اور فرمایا کہ بڑے سچے اور بڑے امانت دار تاجر کو (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی رفاقت نصیب ہوگی۔ (ترمذی، دارمی، دارقطنی، ابن ماجہ) اور فرمایا کہ قیامت کے دن تاجروں کا حشر فاجروں کے زمرہ میں ہوگا۔ بجز اُن تاجروں کے جنہوں نے پرہیزگاری کی (خیانت اور فریب سے باز رہے) اور نیکی کی (گاہکوں سے سلوک ساتھ پیش آئے) اور راست گوئی کو اپنا شعار بنایا (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی فی الشعب) اور فرمایا

اے گروہ تجار! بعض اوقات) خرید و فروخت میں لغو گوئی اور حلف بیانی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کو صدقہ سے مقرون و مشحون کر دو (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) یعنی کچھ خیرات بھی کر دیا کرو تاکہ وہ غلطیوں کا کفارہ ہو جائے۔

عیب ظاہر نہ کرنا

اللہ تعالےٰ کے فطری قوانین میں سے ایک اہم قانون خرید و فروخت میں عدل و دیانت کو ملحوظ رکھنا ہے۔ جس کا مقتضا یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف و معدلت کا وہی برتاؤ کیا جائے جس کا انسان اپنے لیے خواہش مند ہے۔ چونکہ جو دوکاندار اپنی چیز کے حسن و قبح اور اس کے پائدار اور ناپائدار ہونے کا علم رکھتا ہے۔ اُس پر لازم ہے کہ از راہ دیانت خریدار پر اپنی چیز کا عیب ظاہر کر دیا کرے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاتھ اُس وقت تک کوئی عیب دار چیز بیچے جب تک اس کا عیب ظاہر نہ کر دے اور جو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے اور اُس کا عیب نہ بیان کرے تو اس پر ہمیشہ اللہ تعالےٰ کا غضب رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے (ابن ماجہ)

اور فرمایا کہ اگر بائع اور مشتری سچ کہیں اور (مبیع اور اس کی قیمت کے متعلق) اصل حقیقت ظاہر کر دیں تو ان کی بیع و شرا میں برکت دی جاتی ہے اور اگر انھوں نے عیب کو چھپایا اور دروغ گوئی سے کام لیا تو برکت محو ہو جاتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کی برکت سچ بولنے اور اپنی چیز کے معائب ظاہر کر دینے پر موقوف ہے۔ چونکہ عام طور پر عیب ظاہر کرنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اکثر بیوپاریوں کے مال میں برکت نہیں رہی۔ کیونکہ برکت کو جھوٹ اور دغابازی سے چڑ ہے۔

عیب دار چیز کا واپس نہ لینا

اگر مبیع یعنی فروخت شدہ مال عیب دار نکلے تو مشتری کو اس کے واپس کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اہل جاہلیت فروخت شدہ مال کو کسی حالت میں واپس نہیں

لیتے تھے۔ لیکن نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برائی کو دور کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جو بائع مسلمان مشتری کا سودا واپس لے لے۔ خدائے آمرزگار قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

عیب نکلنے کی صورت میں تو مشتری ہر طرح سے مبیع کی واپسی کا مجاز ہے لیکن اگر وہ چیز عیب دار نہ ہو اور خریدار اس کو کسی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو بھی مسلمان بائع کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا سودا واپس لے کر قیمت واپس کر دے۔

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضؓ کی بے نفسی

یہاں موقع کی رعایت سے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فروتنی اور بے نفسی کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے۔ حضرت خلافت مآب رضؓ ہاتھ میں دُرّہ لیے ہوئے بازاروں میں جایا کرتے تھے۔ (استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ) ایک مرتبہ امیر المومنین نے دیکھا کہ بازار میں ایک لونڈی ایک کھجور بیچنے والے کی دکان پر رو رہی ہے۔ اس سے پوچھا کیوں روتی ہو۔ کہنے لگی میں نے ایک درم کی کھجوریں خریدی تھیں لیکن میرے آقا نے کھجوریں ناپسند کی ہیں۔ اب یہ واپس نہیں لیتا۔ امیر المومنین رضؓ نے سفارش کی کہ کھجوریں لے کر قیمت واپس کر دے۔ دکان دار سخت اکھڑ آدمی تھا۔ اس نے زور سے امیر المومنین رضؓ کو دھکا دیا کہ تم دخل دینے والے کون؟ لوگ جمع ہو گئے اور جو لوگ امیر المومنین رضؓ کو پہچانتے تھے۔ وہ دکاندار سے کہنے لگے ارے بد نصیب جانتے نہیں یہ کون ہیں؟ یہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

دکاندار چونکا ہوا اور بمنت تمام طالب عفو ہوا۔ لونڈی سے کھجوریں واپس لے کر دام دیدیے اور حضرت خلافت مآب رضؓ سے کہنے لگا میرا قصور معاف فرما دیجئے اور راضی ہو جائیے۔ فرمایا اگر لوگوں کا حق پورا پورا دو گے تو مجھ سے زیادہ تم سے کوئی خورسند نہ ہو گا۔ (الریاض النضرہ)

تقاضے میں سختی کرنا

جاہلی عرب ادھار وصول کرنے میں غیر معمولی سختی سے کام لیتے تھے اور معاً تشدد پر

اتر آتے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس عادت کو رد یا اصلاح کرنے کے سلسلے میں فرمایا اللہ اُس شخص پر رحم کرے جو بیچتے اور خرید نے اور تقاضا کرتے وقت نرمی کرتا ہے (بخاری) اور فرمایا کہ اُمم سابقہ میں ایک شخص کے پاس ملک الموت اس کی روح قبض کرنے آیا۔ اُس سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے کبھی کوئی نیک عمل بھی کیا ہے؟ پھر کہا گیا کہ یاد کر شاید کوئی عمل خیر تم سے صادر ہوا ہو۔ بولا اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا تھا اور میری عادت تھی کہ تقاضے میں ہر ایک سے نرمی اور احسان کا سلوک کرتا تھا۔ میں آسودہ حال کو مہلت دیتا تھا اور مفلس و تنگ دست کو معاف کر دیتا تھا۔ حق تعالےٰ نے اس نیکی پر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے رب العزت نے فرمایا۔ میں اس شخص سے زیادہ عفو و بخشش کے لائق ہوں۔ میرے بندے سے درگزر کرو۔"

فصل ۶۱

کمزوروں سے ظالمانہ برتاو

عہد جاہلیت میں عرب کے اندر بالعموم اور حرم مکہ میں بالخصوص دن کی روشنی میں برملا ایسے حرکات شنیعہ کا ارتکاب ہوتا تھا کہ ہر وہ انسان جس کے دل میں انسانی شرف و مجد کا کچھ تھوڑا سا بھی احساس ہوگا ان کو سن کر کانپ اُٹھے گا۔ خصوصاً بے کس اور کمزور تو ہر جگہ جور و ظلم کا آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ طاقتور کمزوروں کو کھائے جاتے تھے۔ اور مقدم الذکر کے مقابلہ میں مؤخر الذکر سے ہر جگہ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا تھا اور دنیا میں کمزوروں کا کوئی فریاد رس نہ تھا۔

آخر مکہ معظمہ میں ایک عہد نامہ مرتب ہوا جس میں تمام قبیلوں کی طرف سے کمزوروں اور مظلوموں کی حفاظت و صیانت کا قول و قرار تھا۔ اس معاہدہ کی تحریک و تکمیل مصلح اعظم حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ کی رہین منت تھی۔ (ابوالفداء) یہ نزول وحی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ہجرت کے بعد سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے دار الہجرت میں بھی عصبیت اور بے انصافی کی رَو دیکھی اور آپ نے محسوس کیا کہ کمزور زندگی کے ہر شعبے میں ظلم و بیداد کی چکی میں پس رہے ہیں۔

مدینہ منورہ کے مضافات میں بنو نُضیر اور بنو قُریظہ دو یہودی قبیلے آباد تھے۔ ان دونوں میں بنو نضیر زیادہ با اثر اور معزز مانے جاتے تھے۔ اس لیے اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو ہلاک کر دیتا تو نضیری اس کو قصاص میں قتل کر ڈالتے تھے اور اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو بنو نُضیر سو وسق کھجور بطور خون بہا دیتے تھے۔

لیکن جب ہجرت کے بعد داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہوا اور شہر اور مضافات کے متخاصمین دربار نبوی کی طرف رجوع کرنے لگے تو اسی قسم کا ایک

واقعہ پیش آنے پر بنو قریظہ نے بارگاہ نبوت میں اس کا مرافعہ کیا۔ اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے "ہم نے یہود کو (تورات میں) حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے عوض میں ناک، کان کے عوض میں کان دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم معاوضہ ہیں۔"

اس حکم کے بموجب آپ نے قریظیوں اور نضیریوں کو ایک درجے میں رکھا اور عدل و انصاف کے پلّے کو یکساں کر دیا (ابو داؤد)

ظلم و جور سے باز رہنے کے تاکیدی احکام

حقوق العباد کے گناہ تمام دوسرے معاصی پر فوقیت رکھتے ہیں کیونکہ دوسرے گناہ جن میں صرف خدائے آمرزگار کی نافرمانی کی گئی ہو توبہ نصوح سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حق العبد کا گناہ توبہ و استغفار کے باوجود اس وقت تک محو نہیں ہو سکتا۔ جب تک مظلوم کی حق رسی نہ کی جائے یا اُس سے معاف نہ کرایا جائے۔ اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ظلم و تعدّی سے باز رہنے کی بڑے شد و مد سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلۂ امتناع میں آپ کے چند ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں۔

فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن ظلمتوں کا باعث ہوگا (بخاری و مسلم) یعنی ظالم آگے پیچھے اور دائیں بائیں طرف سے اندھیرے میں گھرا رہے گا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو بُری طرح پکڑتا ہے (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ قیامت کے دن اہل حقوق کو ان کے حق دلائے جائیں گے یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ کی بکری کو مارا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا (مسلم) اور فرمایا کہ نامہائے اعمال تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ نامۂ اعمال ہے جو شرک پر مشتمل ہے۔ خدائے غیور شرک کرنیوالے کو ہرگز نہ بخشے گا۔ دوسرا نامۂ اعمال وہ ہے جس میں ایک دوسرے پر بندوں کے ظلم مندرج ہیں۔ خدائے عزیز ان میں باہم فیصلہ کرے گا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے اُن کے ظلم کا بدلہ لیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

اور فرمایا کہ مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ وہ تو خدائے عادل سے صرف اپنا حق مانگتا ہے

اور خدائے برتر کسی صاحبِ حق کو اپنا حق طلب کرنے سے نہیں روکتا (بیہقی فی شعب الایمان)
اور فرمایا کیا جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؛ صحابہ رض عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم (و دینار) اور دنیوی مال و اسباب نہ ہو۔ فرمایا صحیح معنی میں میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن ہر قسم کے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ حاضر ہوگا لیکن ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی دی ہوگی۔ کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کی خونریزی کی ہوگی اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس ظالم کی نیکیاں مظلوموں میں تقسیم کی جائیں گی اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر مظلوموں کے گناہ اُس پر لاد دیئے جائیں گے اور اسی طرح وہ جہنم واصل ہو جائیگا (مسلم)

اور فرمایا جس کے ذمّے اپنے کسی مسلمان بھائی کا کوئی حق ہو، مثلاً آبرو ریزی کی ہو یا کوئی اور زیادتی کی ہو تو اُس پر لازم ہے کہ آج کے دن اُس سے اُس کا حق معاف کرالے اس دن سے پہلے جب کہ (ادائے حقوق کے لیے) کوئی درہم و دینار نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیک عمل ہوگا تو ظلم کے اندازہ پر اس سے لے کر حقدار کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر اس کا نامۂ اعمال نیکیوں سے خالی ہوگا تو حق دار کے گناہ اُس پر لاد دیئے جائیں گے (بخاری)

فصل ۶۲

کواکب پرستی

عہد جاہلیت میں عرب کے اندر کواکب کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ وہ لوگ اس واہمہ کے شکار ہوئے کہ ستارے اور آسمان دیگر اجسام کی نسبت خالق سے زیادہ نزدیک ہیں اس لیے وہ اس لائق ہیں کہ ان کی پوجا کی جائے۔ اس خیال پر وہ ستاروں کی پرستش کرنے اور ان کے نام کے بُت بنا کر ان پر چڑھاوے چڑھانے لگے۔

امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ ستاروں کے نام پر جو بُت بنائے گئے اُن میں ایک مشہور بُت خانہ یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں تھا جس کو ضحاک نے زہرہ ستارے کے نام پر بنایا تھا۔ یہ بت خانہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے حکم سے برباد کر دیا گیا ستاروں کے نام پر جو بت خانے بنائے گئے ان میں ایک اصفہان کے قریب پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ پھر جب گشتاسپ مجوسی ہو گیا تو اس نے اس کو آتش خانہ میں تبدیل کر دیا۔

ستاروں کے نام پر دو بت خانے ہندوستان میں تھے اور ایک بلخ میں تھا۔ جس کو نوشہر نے تعمیر کرایا تھا۔ پھر جب اسلام کا غلبہ ہوا تو بلخ کے مسلمانوں نے اس کو منہدم کر دیا۔ ایک بت خانہ شاہ قابوس نے آفتاب۔ کے نام پر شہر فرغانہ میں بنوایا تھا جس کو خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے حکم سے برباد کر دیا گیا۔

عرب میں جن ستاروں کی پرستش ہوتی رہی ان میں شعریٰ کو خاص امتیاز حاصل ہے امام ابن جوزیؒ رقم فرما ہیں کہ ابوکبشہ جس کی طرف نسبت کر کے سیاہ دل مشرکین بکہ خلاصۂ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے وہ پہلا شخص تھا جس نے شعریٰ کو پوجا اور کہا کہ یہ ستارہ آسمان کو چوڑان میں قطع کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ستارہ اس

کو عرصہ میں طے نہیں کرتا اس خیال پر اس کو پوجنا شروع کر دیا اور کفار قریش کو طعن کرنے لگا کہ یہ لوگ پتھر کے ایسے بے حس و حرکت بتوں کو پوجا کرتے ہیں جن کو یہ اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں اور جن کو اپنی ہستی تک کا علم نہیں۔ ان کو چاہیئے کہ شعریٰ کو پوجیں جس میں اتنی قوت ہے کہ آسمان کو عرصہ میں طے کرتا ہے۔

چونکہ ابو کبشہ قریش کے خیالات کی تردید کرتا تھا۔ اس بنا بر جب سید عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے لوگوں کو اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور فرمایا کہ بتوں کی عبادت چھوڑ دو تو قریش نے آنحضرت کی شان میں کہنا شروع کیا کہ یہ ابو کبشہ کا بیٹا ہے یعنی جیسے ابو کبشہ نے ہم سے مخالفت کی تھی اسی طرح یہ شخص بھی ہماری مخالفت کرنے لگا ہے۔

شعریٰ سخت گرما میں طلوع کرتا ہے۔ قبیلہ خزاعہ کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔ رب العالمین نے اپنے کلام پاک (۵۳: ۴۹) میں فرمایا۔ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (وہی شعریٰ کا مالک ہے) اس آیت میں خاص طور پر شعریٰ کے مالک ہونے کا اظہار اس اشتباہ کے لیے کیا کہ جس ستارے کو وہ لوگ اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ اس کا پروردگار بھی رب العالمین ہی ہے اور شعریٰ کی یہ حالت ہے کہ ادنیٰ مزدور کی طرح ہر وقت احکم الحاکمین کے فرمان کی بجاآوری میں مصروف ہے۔ اس میں مستقل تاثیر کچھ بھی نہیں ؂

فصل ۶۳

لونڈی غلاموں سے بدسلوکی

غلامی کا رواج

غلامی کا رواج شروع سے چلا آتا ہے۔ فتحمند قومیں مفتوحین کو ہمیشہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑتی اور اُن سے سخت محنت و مشقت کے کام لیتی رہتیں۔ عرب میں لونڈی غلام قریشی سفاکوں کے جور و ستم کا بُری طرح تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے اندر آغاز بعثت میں جن لوگوں پر سب سے زیادہ ظلم ڈھائے گئے وہ غلام ہی تھے۔

نبوت سے پہلے پیغمبر ہاشمی علیہ التحیۃ والسلام نے جس معاہدہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی غرض غلاموں اور دوسرے زیردستوں کی حمایت و صیانت تھی اور شاید اسی احسان کا اثر تھا کہ اسلام کی آواز پر غلاموں اور کنیزوں نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ چنانچہ حضرات بلالؓ، خبابؓ بن ارتؓ، عمارؓ بن یاسر، صہیبؓ غلاموں میں اور لبینہؓ زنیرہ، نہدیہ وغیرہا لونڈیوں میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور سب نے اسلام کی خاطر سخت سے سخت مصائب برداشت کئے اور بعض نے اسلام کی محبت میں اپنی عزیز جانیں بھی فدا کیں۔

متحدہ ہند میں غلامی

خود متحدہ ہندوستان میں بھی احکام قرآنی اور مسائل فقہیہ کی بدولت مسلمانان ہند میں غلاموں اور تنخواہ دار ملازمین میں صرف نام کا فرق رہ گیا تھا۔ یہ کیفیت اُس زمانہ کی ہے جب ہندوستان میں انگریزی حکومت کی طرف سے رسم غلامی اور غلاموں کی حالت میں ہنوز کوئی دست اندازی نہیں ہوئی تھی۔ جب ہندوستان میں بندیلکھنڈ کے جج اور مجسٹریٹ مسٹر رچرڈسن نے رسم غلامی کے انسداد میں ایک مسودۂ قانون مرتب کیا

تو اس میں انھوں نے یہ رائے دی تھی کہ اگر ہندوستان سے رسم غلامی کو قطعاً موقوف کر دینا مناسب نہ ہو تو ہندوؤں کے شاستر کے احکام ترک کر کے ان کی جگہ ہر ایک بات میں شریعت اسلامی کے احکام کو رواج دیا جائے کیونکہ وہ غلاموں کے حق میں نہایت رحم ہے۔

غلام کو اولاد اور بھائیوں کی طرح عزیز رکھنے کا فرمان نبوی

جاہلی عربوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں سلوک و برتاؤ کے لحاظ سے غلاموں اور چارپایوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حقہ نے غلاموں کو آقاؤں کا ہمسر بنا دیا۔ ایام بعثت میں عرب کے اندر کوئی قید خانے نہ تھے اور اسیران جنگ کے گذارے کی اس سے بہتر صورت کوئی نہ تھی کہ کسی قیدی کو مسلمان اپنے ایک رکن خاندان کی حیثیت سے اپنے گھر میں رکھے۔ بالفاظ دیگر اسلام میں کسی لاوارث کو اپنی فرزندی میں لینے کا نام غلامی تھا۔ کیونکہ اسلام نے غلاموں سے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی طرح محبت کرنے کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رض سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی غلام سے بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ حاضرین عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ آپ کی امت مملوکوں اور یتیموں کے لحاظ سے اکثر الامم ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ سب لوگ ان کے ساتھ احسان اور نوازش کا برتاؤ کریں گے؟

آپ نے فرمایا ہاں! ان کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھو اور وہی ان کو بھی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! دنیا کی کون سی چیز ہمارے لیے منفعت بخش ہے؟ فرمایا گھوڑا جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے باندھ رکھو اور ایک مملوک جو (ضروریات زندگی میں) تم کو کفایت کرے اور اگر وہ مملوک نماز بھی پڑھتا ہو تو پھر تو وہ تمھارا بھائی ہے (ابن ماجہ)

کھانے کپڑے میں آقا اور غلام ایک سطح پر

بخیل عرب غلاموں کے لیے ادنے کھانا تیار کراتے اور خود اچھی غذا تناول کرتے

تھے۔ اسی طرح ان کو اپنے پھٹے پرانے کپڑے پہننے کو دیتے اور فاخرہ لباس خود زیب تن کرتے تھے۔ لیکن شفیق انام صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیاز پسند نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بردے تمھارے بھائی ہیں۔ خدائے حکیم و برتر نے ان کو تمھارا زبردست کر دیا ہے۔ پس جس کسی کو خدائے عزیز کسی کا زبردست بنا دے اُسے چاہیئے کہ جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے اور جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے اور اس کو کسی ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس سے نہ ہو سکے اور اگر کوئی کام اس کی طاقت سے باہر ہو تو خود شامل ہو کر اس کی مدد کرے (بخاری و مسلم)

اس حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسا آپ لباس پہنتے تھے ویسا ہی غلام کو پہناتے تھے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی۔ علماء نے لکھا ہے کہ لونڈی غلام کو دستور کے موافق دینا واجب ہے اور اپنے برابر کھانا، کپڑا دینا مستحب اور باعث ثواب ہے

اور فرمایا کہ جب تمہارا خادم ایسی حالت میں تمھارے لیے کھانا تیار کر کے تمہارے پاس لائے کہ اس نے پکانے میں گرمی اور دھواں برداشت کیا ہو تو چاہیئے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ اور اگر کھانا تھوڑا اور کھانے والے زیادہ ہوں تو بھی کھانے میں سے دو ایک لقمے اس کو دے دینے چاہئیں (مسلم)

اس حدیث سے مترشح ہے کہ باورچی کو کچھ نہ کچھ کھانا دینا ضروری ہے اگرچہ اس کا کھانا مقرر نہ ہو۔ یا امر مروت سے بعید ہے کہ جو شخص محنت کرے اور پکانے کی گرمی برداشت کرے وہ اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ساتھ کھلانا واجب نہیں ہاں اگر اپنی رعونت اور غرور توڑنے کے لیے اس کو ساتھ بٹھائیں تو نہایت مستحسن ہے۔

غلاموں سے حُسنِ سلوک کی تاکید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بردوں سے مشفقانہ سلوک کرنے کی ہمیشہ تاکید فرماتے رہے یہاں تک کہ دنیا کو الوداع کہتے وقت بھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کو لازم

پکڑو اور ان لوگوں کے حق ادا کرو جن کے تم مالک ہوئے ہو۔ (بیہقی فی الشعب) اور آپ نے فرمایا کہ وہ شخص داخل جنت نہیں ہوگا۔ جو اپنے مملوک سے برائی کرتا ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ) اور فرمایا کہ مملوکوں سے خوش خلقی کرنا باعث برکت ہے اور ان سے بدخلقی کے ساتھ پیش آنا بے برکتی کا باعث ہے (ابو داؤد)

غلام کو زدوکوب کرنے کا کفّارہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ چیز سخت تکلیف دہ تھی کہ کوئی شخص اپنے غلام پر ہاتھ اُٹھائے آپ نے برملا فرما دیا تھا کہ جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ حد مارے یا طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے (مسلم) اور حضرت ابو مسعود انصاری رض کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ابو مسعود تم کو جس قدر اس غلام پر قدرت حاصل ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ میں نے جو مڑ کر دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس کو لوجہ اللہ آزاد کیا۔ فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھولیتی (مسلم) مدینہ منورہ میں ایک گھرانے میں سات افراد تھے اور ان کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک شخص نے اُس لونڈی کو تھپڑ مارا سرورِ عالم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو آزاد کر دو۔ انھوں نے التماس کی یا رسول اللہ! ہم سات افراد کے بیچ میں یہی خادمہ ہے آپ نے فرمایا اچھا یہ اُس وقت تک تمہاری خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے مستغنی نہ ہو جاؤ۔ جب کوئی اور انتظام ہو سکے تو وہ آزاد ہے (ابو داؤد)

غلاموں کے قصور سے درگذر کرنا

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ لوگ اپنے بردوں پر کسی حال میں ہاتھ نہ اٹھائیں اور اگر وہ قصور کریں تو ان سے درگذر کیا جائے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں کتنی دفعہ غلام کا قصور معاف کروں؟ آپ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ عرض کی۔ آپ نے پھر خاموشی اختیار کی۔ اس نے تیسری بار التماس کی تو فرمایا ہر روز ستر مرتبہ معاف کیا کرو (ابو داؤد)

و ترمذی) ستر بار سے تحدید مراد نہیں بلکہ مبالغہ ہے اور غرض یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ معاف کرتے رہو۔

سرکش غلام پر ہاتھ اُٹھانا

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی غلام انتہا درجہ کا سرکش اور شریر ہو تو اس پر بھی ہاتھ اُٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب ہمیں مسند امام احمد کی حدیث سے ملتا ہے۔ ایک صاحب کے دو سخت سرکش غلام تھے جن کے وہ بہت شاکی تھے۔ وہ ان کو طعن تشنیع کرتے اور مارتے پیٹتے تھے لیکن وہ باز نہ آتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا۔ آپ نے فرمایا اگر تمھاری سزا اُن کے قصور کے برابر ہو گی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار اُن کے قصور سے زائد ہو گی خدا عز و جل اُس انداز پر تمھیں بھی سزا دے گا۔" یہ سن کر وہ سخت بے چین ہوئے اور گریہ زاری شروع کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ نہیں پڑھتے:-

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا	اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کرینگے سو اصلاً کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ (۲۱: ۴۷)

یہ سن کر انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں۔ آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔"

غلاموں کی آزادی سے شغف

حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مملوکوں کی آزادی سے بڑا شغف تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ قیدیوں کو چھوڑاؤ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی عیادت کرو۔ (بخاری) اور آپ کی عادت تھی کہ ہر سال جب ماہ رجب آتا تو تمام قیدیوں کو رہا کر دیتے (ابن سعد) آپ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں سے جس قدر خوش ہوتے تھے اور اُن کی آزادی پر آپ کو جو مسرت ہوتی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے دونوں رفیقوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما

کے ہمراہ ابو ہثیم رضؓ مالک بن تیہان انصاری اوسی رضؓ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس کھجور کے باغ اور بکریوں کے ریوڑ تھے لیکن کوئی خادم نہ تھا۔ اس لیے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ جس وقت تینوں حضرات وہاں تشریف لے گئے اس وقت ابو ہثیم رضؓ گھر میں موجود نہیں تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پانی لانے گئے ہیں اتنے میں نظر پڑی۔ تو مشک اٹھائے چلے آرہے تھے۔ جب قریب آئے اور حضور کو دیکھا تو مشک رکھ کر لپٹ گئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے قدم رنجہ فرما کر بڑی نوازش کی۔

اس کے بعد ابو ہثیم رضؓ تینوں حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے۔ نہایت عزت واحترام کے ساتھ بٹھایا۔ پھر کھجوروں کی ایک شاخ کاٹ کر لائے اور عرض کی حضور! جو مرغوب خاطر ہو اُسے نوش فرمایئے۔ اس کے بعد صاف اور شیریں پانی پلایا۔ آپ نے فرمایا دیکھو کتنی نعمتیں ہیں۔ سایہ، عمدہ قسم کی کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔ بلاشبہ قیامت کے دن ان نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ اب ابو ہثیم رضؓ نے اپنے محترم مہمانوں کو باغ میں تشریف رکھنے کی استدعا کر کے مکان پر آئے۔ بڑی عجلت میں کھانا تیار کرایا اور لے کر باغ میں آئے۔ جب سب حضرات کھانا کھا چکے تو آپ نے ابو ہثیم رضؓ سے پوچھا "تمھارے پاس کوئی نوکر نہیں۔ گذارش کی کوئی نہیں۔ فرمایا کہیں سے قیدی آنے کی خبر سنو۔ تو میرے پاس آنا،،

عہد رسالت میں اور شاید خلافت راشدہ کے زمن سعادت میں بھی قید خانے تعمیر نہیں ہوئے تھے کیونکہ اخلاقی مجرموں کو تو فی الفور شرعی سزائیں دے دی جاتیں تھیں۔ اور اسیران جنگ اس خیال سے اسلامی گھرانوں میں رکھے جاتے تھے کہ انھیں اسلام کی خوبیاں معلوم ہوں اور اسلامی تہذیب اور طور طریقے دیکھ کر ملت حنیفی کی طرف رغبت ہو۔ چند روز کے بعد حضرت ابو ہثیم رضؓ کو قیدیوں کی آمد کا پتہ چلا تو آستان نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انھیں ایک قیدی عطا فرمایا لیکن ساتھ ہی تاکید فرمادی کہ اس کی اچھی طرح غور و پرداخت کرنا ابو ہثیم رضؓ قیدی لے کر گھر اور بیوی سے ذکر کیا کہ حضرت سید انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ حسن سلوک ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

بیوی نہایت عقل مند تھیں۔ کہنے لگیں اگر ارشادِ نبوی کی تعمیل اور آنجناب کی خوشنودی منظور ہے۔ تو اسے آزاد کر دو، انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ کو اس کی خبر ملی تو نہایت خوش ہوئے اور میاں بیوی کی فرزانگی کی تعریف فرمائی (ترمذی)

غلام کو آزاد کرنے کا ثواب

لونڈی، غلاموں کا آزاد کرنا بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس کے ثبوت میں چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان بردے کو آزاد کرے خدائے رحیم و وَدود لونڈی غلام کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آتشِ جہنم سے آزاد کرے گا (بخاری و مسلم) حضرت ابوذر غفاری رضؓ نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ! افضل ترین عمل کون سا ہے؟ فرمایا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ پوچھا کون سا بردہ آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا وہ جو زیادہ بیش قیمت اور مالک کو زیادہ پیارا ہو دریافت کیا اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو پھر حصولِ ثواب کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کسی کام کرنے والے کی مدد کر دیا کرو یا جو شخص کام بنانا نہیں جانتا اس کا کام بنا دیا کرو۔ انھوں نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے؟ فرمایا تو لوگوں سے برائی کرنا چھوڑ دو کیونکہ یہ بھی ایک اچھی خصلت ہے کہ جس کے ساتھ اپنے آپ پر صدقہ کرتے ہو (بخاری و مسلم)

یعنی جس طرح صدقہ دینے سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح برائی نہ کرنے سے اپنی ذات کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ دنیا میں آرام ملتا ہے۔ اور آخرت میں ثواب ملے گا۔

اور فرمایا کہ جو کوئی خلوص دل سے بدیں غرض مسجد بنوائے کہ اس میں خدا کی عبادت کی جائے تو اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار کیا جاتا ہے اور جو کوئی کسی مسلمان بردے کو آزاد کرائے تو وہ اس کے لیے آتش جہنم سے آزادی کا سبب بن جائے گا اور جو کوئی اللہ کی راہ میں بوڑھا ہو جائے تو یہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو جائیگا (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ)

غریب بن دیلمی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت واثلہ بن اسقع صحابی رضؓ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے بسمع خود حضرت سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ انھوں نے کہا ہم ایک مرتبہ اپنے ایک ایسے رفیق کے مقدمہ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے جس کے لیے خودکشی کرنے کے باعث دوزخ واجب ہو گئی تھی اور عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ وہ جہنم سے بچ جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کی طرف سے غلام آزاد کرو خدا اس آمرزگار غلام کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو دوزخ سے آزاد کر دیگا (ابو داؤد و نسائی)

آنحضرت کا اپنے غلاموں سے برتاؤ

حضرت خیرالوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں جو جو غلام آتے رہے آپ ان کو ہمیشہ نعمتِ آزادی سے سرفراز فرماتے رہے لیکن ظاہری آزادی حاصل کرنے کے باوجود وہ آپ کے لطف و کرم اور نوازشوں کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے اس لیے قبیلہ، وطن، والدین اور خویش و اقارب سب کو چھوڑ کر آپ کے سایۂ عاطفت میں رہنے کو ہفت اقلیم کی بادشاہت یقین کرتے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضؓ آپ کے غلام تھے اور آپ نے ان کو نعمت آزادی سے سرفراز فرمایا تھا۔ جب ان کے باپ، چچا اور بھائی ان کو لینے آئے تو وہ آستانۂ رحمت پر والدین کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے۔ اس لیے جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ ان کے والد حارثہ نے کہا زید! افسوس تم آزادی، باپ، چچا، بھائی، خاندان اور وطن پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔ زید بولے واقعی میں اس آستانِ رحمت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ باپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو بولے وجہ یہ ہے کہ کوئی والدین اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحیم و شفیق نہیں ہوتے جس قدر رسول خدا مجھ پر مہربان ہیں اس واقعہ کی تفصیل راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" (صفحات ۲۵۷-۲۶۰) میں ملاحظہ ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرمایا کرتی تھیں اگر زید بن حارثہ رضؓ وصال نبوی کے وقت قید حیات میں ہوتے تو آپ انہی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرما جاتے (ابن سعد) اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک غلام کو کس درجہ سرفرازی بخش کر آسمان

عظمت پر پہنچایا تھا۔

صحابہ کرام رضؓ کا بردے آزاد کرنا

غلاموں کی آزادی اور ان کے ساتھ حسن سلوک حضرت شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا لازمی جزو تھا۔ اس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ العزیز راقم آثم کی کتاب "شمائل کبریٰ" میں ملے گی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ام المومنین حضرت خدیجہ رضؓ اور دوسرے اہل ثروت صحابہ نے بہت سے لونڈی غلاموں کو غیر مسلموں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینۃ الرسول میں غلاموں کی تحریک آزادی نے اور فروغ پایا۔ "تحریر رقبہ" یعنی غلاموں کو آزاد کرنا بہت سی دینی فروگذاشتوں کا کفارہ قرار پایا اور اس زیر دست طبقہ کو مخلصی بخشنے کے لیے بہت سی ترغیبات کے اعلان ہوتے رہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اس آواز کو لبیک کہا اور چند ہی روز میں سینکڑوں غلام نعمت آزادی سے سرفراز ہو گئے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضؓ کے برادر زادہ حکیم بن حزام رضؓ نے مشرف باسلام ہونے کے بعد سو غلام آزاد کئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے ہزاروں غلاموں کو شرف حریت بخشا۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم جناب عباس رضؓ بن عبدالمطلب نے جن مملوکوں کو شاہد آزادی سے ہم کنار کیا ان کی تعداد بھی کثیر تھی۔

موالی کی رفعت شان

مولیٰ اس غلام کو کہتے ہیں جو آزادی حاصل کر چکا ہو۔ موالی مولیٰ کی جمع ہے۔ اسلام نے موالی کا پایہ عظمت کتنا بلند کر دیا تھا اس کو اس واقعہ پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ ایام جاہلیت میں حضرت خبیب بن ارتؓ اور حضرت بلال رضؓ غلام رہ چکے تھے۔ جب مشرف بایمان ہوئے تو ان کو قبول اسلام کی پاداش میں بڑی بڑی زہرہ گداز تکلیفیں دی گئیں۔ اس اجمال کی تفصیل آپ کو راقم الحروف کی کتاب "سیرت کبریٰ" (صفحات ۳۶۵ - ۳۶۹) میں ملے گی۔

ایک مرتبہ حضرت خباب رضہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضہ کے پاس گئے تو انھوں نے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا کہ ایک شخص کے سوا ان سے زیادہ اس جگہ کا کوئی مستحق نہیں۔ حاضرین نے پوچھا وہ کون؟ فرمایا بلالؓ (طبقات ابن سعد)

ایک دفعہ ابو سفیان، حارث بن ہشام اور قریش کے چند دوسرے سردار امیر المومنین عمرؓ کی بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اسی کے ساتھ حضرت بلال، حضرت صُہیب اور حضرت عمار رضہ نے بھی حاضری کی اجازت طلب کی۔ یہ تینوں غلام رہ چکے تھے۔ حضرت خلافت مآبؓ نے ان تینوں کو سب سے پہلے شرف باریابی بخشا۔ ابو سفیان رضؓ جو فتح مکہ سے پہلے تک کفار قریش کے سب سے بڑے سرگروہ تھے اور کفار کی طرف سے سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف رزم خواہ رہا کرتے تھے۔ اُنکے دماغ میں اب تک زمانۂ جاہلیت کا غرور باقی تھا۔ انھوں نے سخت ناگواری کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اندر جانے کا اِذن ملتا ہے لیکن ہم لوگ بیٹھے انگڑائیاں لے رہے ہیں۔

مکہ کے ایک رئیس حضرت سُہیل بن عمرو رضہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ کہنے لگے کہ تمھارے چہروں پر غصہ کے آثار نمایاں ہیں۔ لیکن تم لوگوں کو خود اپنے تئیں ملامت کرنی چاہیئے اسلام نے سب کے ساتھ تم لوگوں کو بھی قبول حق کی دعوت دی لیکن یہ لوگ سبقت لے گئے اور تم پیچھے رہ گئے (اسد الغابہ تذکرہ حضرت سُہیل بن عمرو رضؓ)

موالی بحیثیت ائمہ دین

ہنود میں شودر وغیرہ ادنےٰ گوت کا کوئی شخص نہ تو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا مجاز ہے اور نہ کبھی مذہبی پیشوا بن سکتا ہے۔ لیکن اسلام نے یہ تفریق روا نہیں رکھی۔ اس کی بارگاہ عالی میں ہر اُس کلمہ گو کو مذہبی قیادت کی کرسی پیش کی جاتی ہے جو علم و ہنر کے جوہر سے آراستہ ہو اور اس میں امتیازی حیثیت رکھتا ہو۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضہ کے بعد امتِ مرحومہ میں تابعین کے جو ائمۂ اعلام گذرے ہیں وہ قریباً سب کے سب موالی تھے۔

عہ۔ یہ روایت فصل ۵۶ میں بھی سپرد قرطاس کی گئی تھی۔ موقع کی رعایت سے مکرّر اندراج پذیر ہوئی ۱۲۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رقم طراز ہیں کہ صحابہ کے بعد بلاد اسلام میں حدیث و فقہ کے عالم زیادہ تر موالی ہی تھے۔ امام حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ، عطاءؒ، مکحولؒ، اوزاعیؒ، یزید بن ابی حبیب، لیث ابن سعد، طاؤسؒ وغیرہ بے شمار علمائے محدثین و فقہاء موالی تھے۔حتیٰ کہ زہریؒ کے نزدیک امام مالکؒ بھی موالی میں سے تھے کیونکہ بخاری کی کتاب الصوم کے شروع میں ایک سند کے اندر زہری کا یہ قول موجود ہے حدثنی ابن ابی انس مولی التیمیین (مجھ سے ابن ابی انس نے حدیث بیان کی جو قبیلہ بنو تمیم کے موالی تھے) اور یہ ابن ابی انس امام مالک کے چچا ہیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک امام شافعی بھی موالی میں سے ہی تھے۔

جرجانی نے کہا ہے کہ امام مالکؒ کے اصحاب کو امام شافعیؒ کا قریشی ہونا مسلم نہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ شافع (جو امام شافعیؒ کے جدّ اعلےٰ ہیں) ابولہب کے غلام تھے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی تھی کہ اسے موالی قریش میں شمار کر لیا جائے۔ انھوں نے انکار کر دیا تو حضرت عثمانؓ سے یہی درخواست کی۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ اسی لیے بعض علماء نے شافع کو حضرت عثمانؓ کے موالی میں شمار کیا ہے۔

حاکم نے معرفتہ علوم الحدیث میں اپنی سند کے ساتھ زُہری کا قول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس گیا۔ پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا مکّہ سے۔ کہا وہاں مکہ والوں کا امام کس کو پایا؟ میں نے کہا عطاء بن ابی رباح کو۔ کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے ہیں۔ کہا وہ ان کے امام کیسے بن گئے؟ میں نے کہا دیانت اور روایت کی وجہ سے۔ عبدالملک نے کہا بے شک اہل دیانت و روایت اس لائق ہیں کہ لوگوں کے امام بن جائیں۔ کہا اہل یمن کا امام کون ہے؟ میں نے کہا طاؤس بن کیسان۔ پوچھا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے۔ کہا وہ کیسے امام بن گئے؟ میں نے کہا جس طرح عطاءؒ امام بن گئے۔

اس کے بعد پوچھا اہل مصر کا امام کون ہے؟ میں نے کہا یزید بن حبیب۔ کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے۔ کہا اہل یمن کا امام کون ہے؟ میں نے کہا مکحول ہیں۔ کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے۔ (مکحول سندھی ہیں اس لیے بعض نے ان کو سندی بھی کہہ دیا ہے) پوچھا اہل جزیرہ کا امام کون ہے؟ میں نے کہا میمون بن مہران۔ کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے ہیں۔ دریافت کیا کہ اہل خراسان کا امام کون ہے؟ میں نے کہا۔ ضحاک بن مزاحم۔ کہنے لگا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے جواب دیا کہ موالی میں سے ہیں۔ اس کے بعد پوچھا اہل بصرہ کا امام کون ہے؟ میں نے کہا۔ حسن بصری بولا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے۔ میں نے جواب دیا موالی میں سے۔ یہ سن کر کہنے لگا تیرا ناس ہو۔

اس کے بعد خلیفہ عبدالملک نے استفسار کیا کہ کوفہ والوں کا امام کون ہے؟ میں نے کہا ابراہیم نخعی۔ دریافت کیا وہ عرب ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا وہ عرب ہیں۔ یہ سن کر عبدالملک بولا اے زہری! اب تم نے میری پریشانی کو کچھ کم کیا۔ واللہ! "یہ موالی اہل عرب کے سردار بن جائیں گے۔ منبروں پر ان کا خطبہ پڑھا جائے گا" میں نے کہا امیر المومنین! یہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کا دین ہے جو اس کو محفوظ رکھے گا سردار بن جائے گا اور جو کوئی اس کے دین اور قانون کو ضائع کرے گا پست ہو جائے گا۔

اس کے بعد مولانا ظفر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بھانجے ہیں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے۔ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ امیر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے قاضی محمد بن ابی لیلیٰ سے پوچھا کہ بصرہ کا فقیہ کون ہے؟ انھوں نے کہا حسن بصری۔ کہا ان کے بعد کون ہے؟ کہا محمد بن سیرین۔ پوچھا یہ دونوں کون ہیں؟ انھوں نے کہا غلام زادے ہیں۔ پوچھا فقیہ مکہ کون ہے؟ کہا عطا بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، سلیمان بن یسار پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا یہ بھی غلام زادے ہیں۔ دریافت کیا کہ مدینہ کے فقہاء کون ہیں؟ کہا زید بن اسلم، محمد بن منکدر، نافع اور ابن ابی نجیح۔ کہنے لگا یہ کون ہیں؟

جواب دیا کہ یہ بھی موالی ہیں یعنی غلام زادے۔ اس پر عیسےٰ بن موسےٰ کا رنگ متغیر ہو گیا۔

اس کے بعد عیسیٰ نے پوچھا اہل قبا کا بڑا فقیہ کون ہے؟ کہا ربیعۃ الرائی اور ابن ابی الزناد۔ پوچھا یہ کن لوگوں میں سے ہیں؟ کہا یہ بھی موالی ہیں۔ یہ سن کر عیسیٰ کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ پھر بولا اچھا یہ بتاؤ کہ اہل یمن کا فقیہ کون ہے؟ جواب دیا طاؤس اور ان کے ایک فرزند اور ابن منبہ۔ دریافت کیا یہ کون ہیں؟ بولا یہ بھی موالی میں سے ہیں۔ یہ سن کر اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ سیاہ ہو گیا۔

کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اہل شام کا فقیہ کون ہے؟ قاضی محمد بن ابی لیلےٰ نے کہا مکحول ہیں۔ پوچھا یہ مکحول کون ہے؟ کہا یہ بھی غلام ہیں۔ بولا اچھا بتلاؤ کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ ابن ابی لیلےٰ کہتے ہیں۔ میرے جی میں آیا کہ کوفہ کے فقیہ حکم بن عُتَیبہ اور حمّاد بن ابی سلیمان کا نام لے کر بتاؤں کہ وہ بھی موالی ہی سے ہیں مگر یہ سوچ کر کہ یہ بیان امیر عیسیٰ پر سخت شاق ہوگا میں نے کہا کوفہ کے فقیہ ابراہیم نخعی اور شعبی ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہ دونوں عربی النسل ہیں۔ تو امیر عیسیٰ نے الحمد اللہ کہا اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ (ماخوذ)

رسم غلامی کو کیوں نہ مٹایا؟

اخیر میں اس شبہ کا حل بھی ضروری ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رسم غلامی کو بالکل برطرف کیوں نہ کر دیا اور اپنے پیرؤوں کو قطعی ممانعت کیوں نہ فرما دی؟ اس کے متعلق گذارش ہے کہ اگر دنیا کے تمام ممالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگین ہوتے اور اقوام عالم پر آپ کو پورا اختیار ہوتا تو غلاموں کی آزادی سے آپ کو جو شغف تھا اس کے لحاظ سے یقین ہے کہ آپ اس کے متعلق احکام صادر فرما دیتے لیکن جس صورت میں کہ معمورۂ عالم میں اسیران جنگ کو غلام بنانے کا رواج شروع سے چلا آتا تھا اور بالخصوص قُرشی اعدائے دین مسلمانوں کے قتل و غارت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے آپ دشمنان دین کی اسیری سے کسی طرح دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ ہاں سلطنتیں اس پر رضا مند ہوتیں۔ جیسا کہ انیسویں صدی عیسوی میں یکے بعد دیگرے اس پر مائل ہو گئیں اور

اقوام و ملل عالم میں اس کا معاہدہ ہو جاتا تو آپ پوری گرم جوشی کے ساتھ سب سے پہلے اس تجویز پر لبیک کہتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ تنہا کوئی یک طرفہ کارروائی نہیں کر سکتے تھے جب تک تمام ممالک اس پر رضامند نہ ہوتے۔

اور یہ جو انیسویں صدی عیسوی میں مسیحی حکومتوں نے یکے بعد دیگرے رسم غلامی کے انسداد کا بیڑا اٹھایا تو یہ بھی دراصل دنیا کے اسی محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی بنیاد تھی۔ جس پر مرور زمانہ کے بعد قصر حریت تعمیر ہوا۔ کیونکہ آپ کی تعلیمات سے پہلے دنیا کو اس مظلوم طبقہ کی حریت و آزادی کا کبھی احساس نہ ہوا تھا۔

یورپ نے قیدیوں سے حسن سلوک کا سبق مسلمانوں سے سیکھا

قرون وسطیٰ تک یورپ کی مسیحی سلطنتیں بھی اپنے قیدیوں سے نہایت ظالمانہ سلوک روا رکھتی تھیں اور باوجودیکہ اسلامی تہذیب کی روشنی اطراف و اکناف عالم میں ضیاء پاشی کر کے ملکوں اور قوموں کی راہ نمائی کر رہی تھی تاہم اہل مغرب صلیبی جنگوں سے پہلے اس حقیقت سے بالکل خالی الذہن تھے کہ قیدی اور غلام بھی کسی حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ حروب صلیبیہ میں مسلمان برابر اپنے عیسائی قیدیوں سے نہایت کریمانہ برتاؤ کرتے رہے لیکن جو مسلمان نصرانی حکومتوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوئے ان سے سخت بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔

علامہ ابن جُبیر اُندلسی جب صلیبی جنگوں کے ایام میں جزیرہ سسلی میں سے گزر رہے تھے تو وہ مسلمان قیدیوں کی مظلومی کو دیکھ کر تڑپ گئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ منجملہ اُن درد انگیز حالات کے جن شہروں میں نظر آتے ہیں مسلمان اسیران جنگ ہیں جو بیڑیاں پہنے دکھائی دیتے ہیں اور جن سے انتہا درجہ کی سخت مشقت لی جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمان قیدی عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے وزنی کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے (رحلہ ابن جُبیر مطبوعہ لیڈن)

آخر جب صلیبی معرکوں کے وہ مسیحی اسیر جو مسلمانوں کے ہاتھ میں قید تھے رہا ہو کر اپنے ملکوں میں واپس گئے اور انھوں نے جا کر بتایا کہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیسا مربیانہ برتاؤ

برتا تو اُس وقت اہل یورپ کی آنکھیں کھلیں اور انھیں احساس ہوا کہ قیدیوں اور غلاموں کو آرام سے رکھنا بھی تہذیب وشائستگی کا ایک ضروری جزو ہے۔ اس وقت سے وہاں بھی قیدیوں کو ایذا رسانی کی بجائے ان کو راحت و آسائش پہنچانے کا جذبہ پیدا ہوا۔

سلطان صلاح الدین اور شاہ انگلستان کے اخلاق کا نمونہ

ظہور اسلام سے پہلے اہل عرب قیدیوں سے نہایت درندانہ سلوک کرتے تھے انھیں کسی شفقت اور مہربانی کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا اور ان کے بارہ میں قطعی فیصلہ تھا کہ تہ تیغ کر دیئے جائیں۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے ہادیٔ برحق کی تعلیمات کے بموجب ان سے کبھی بدسلوکی نہ کی چہ جائیکہ انھیں خنجر خونخوار کے حوالے کیا جاتا۔ صلیبی جنگوں میں اہل یورپ کو مسلمانوں سے جو سینکڑوں قسم کے سبق حاصل ہوئے۔ اُن میں ایک یہ تھا کہ قیدی گردن زدنی نہیں بلکہ رحم وشفقت کے مستحق ہیں۔

مسٹر اے جے گرانٹ پرنسپل کنگ کالج کیمبرج نے اپنے بادشاہ رچرڈ شیر دل فرمانروائے انگلستان کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دشمن کے حق میں شاہ رچرڈ اُس معیار اخلاق سے بہت پست رہا جو اس کے حریف سلطان صلاح الدین نے پیش کیا۔ رچرڈ نے عکہ (واقع فلسطین) پر قابض ومتصرف ہونے کے بعد تمام مسلمان قیدیوں کی گردنیں مار دیں لیکن اس کے مقابلہ میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا تو اُن تمام عیسائیوں کو (بلافدیہ) رہا کر دیا جو لشکر اسلام کے ہاتھ میں قید تھے (اے ہسٹری اوف یورپ مؤلفہ اے جے گرانٹ حصہ اول مطبوعہ بے کلیس (انگلستان) طبع ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۵۴)

اسی طرح مسٹر جون ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے پہلی صلیبی جنگ میں گوڈ فری ڈی بولین کے زیر قیادت ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس فتح کیا اور وہاں کے تمام مسلمانوں اور یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت بیت المقدس کے قلعوں میں چالیس ہزار مسلمان پناہ گزین تھے۔ عیسائیوں نے ان سب کو مع زن وفرزند قتل کر ڈالا۔ ان کے ہاتھ سے نہ کوئی ضعیف العمر بچا۔ نہ پناہ چاہنے والا۔ نہ کوئی عورت نہ بچہ۔ جن تلواروں نے ماؤں کو

قتل کیا تھا اُنہی نے ان کے فرزندوں کو لقمہ بنایا۔ بیت المقدس کے بازار اور گلی کوچے مقتولوں سے بھر گئے۔ ہر طرف سے مجروحوں کی آہ وزاری کی دردناک آوازیں آرہی تھیں۔

لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ والیٔ مصر وشام نے اس واقعہ کے نوے سال بعد یعنی ۱۱۸۹ء میں دوسری صلیبی جنگ میں بیت المقدس پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرایا اور اہل قلعہ نے اپنے تئیں سلطان کے سپرد کیا تو سلطان نے عیسائی قیدیوں سے نہایت نرم اور کرم گستری کا سلوک کیا۔ قیدیوں میں سے جو لوگ اپنی رہائی کی قیمت (زرفدیہ) ادا نہ کر سکتے تھے انھیں مفت آزاد کر دیا سلطان صلاح الدین کی تہذیبِ اخلاق کے سامنے فلپ شاہ فرانس اور رچرڈ شیر دل شاہِ انگلستان کی کچھ بھی حقیقت نہ رہی۔ (محمدؐ اینڈ دی قرآن مطبوعہ لندن صفحہ ۹۸) *

فصل ۶۴

مالک الملک کے اسماء مبارکہ میں الحاد کرنا

اہل شرک عدائے قدوس عزّ اسمہٗ کو ایسے ناموں سے پکارتے تھے جس کا خدا کی کسی آسمانی شریعت نے اذن نہیں دیا تھا۔ مثلاً کفار عرب حق تعالےٰ کو یَا اَبَا الْمَکَارِم (اے نوازشوں اور بزرگیوں والے) یَا اَبْیَضَ الْوَجْہِ (اے سفید چہرے والے) کہہ کر پکارتے تھے اور نصارےٰ یَا اَبَا الْمَسِیْح (اے مسیح کے باپ) یا یَا اَبَا الْمَلَائِکَۃِ (اے فرشتوں کے باپ) کہتے تھے اور حکمائے فلاسفہ خالق کون و مکان کو علّت اُولیٰ سے موسوم کرتے تھے۔ رب حکیم و خبیر نے اس کی ممانعت یوں فرمایا۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۸۰)

اور اللہ کے سبھی نام اچھے ہیں سو ان ناموں سے اللہ کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھو جو اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

غرض شارع علیہ السلام سے اللہ تعالےٰ کے جو وصف منقول نہیں اس کو اُن کے ساتھ موسوم کرنے سے بچنا چاہئے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رب العزت نے اپنے آپ کو بڑا اور قدیم فرمایا ہے۔ لمبا اور پرانا نہیں کہا۔

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اسمائے باری تعالےٰ کو سحر وغیرہ قسم کے سفلی عملیات میں استعمال کرنے سے باز رہو۔ جو ایسا کرے گا اُس کو برا یا بھلا مطلب تو مل جائیگا لیکن قرب الٰہی نصیب نہ ہوگا۔

یہی تلبیہ ملّت حنیفی میں شروع سے چلا آتا تھا۔ لیکن مشرکین قریش نے اسکو تبدیل کر کے یوں بنالیا تھا:۔

لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْكًا میں تیری خدمت میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں
هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ مگر وہ شریک جو تیری ملک ہے۔ تو اُس کا مالک ہے
مگر وہ شریک تیرا مالک نہیں۔

اہل شرک ان کلمات کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت کہتے تھے۔ رواہ مسلم

اہل شرک کے اس مشرکانہ تلبیہ کی تردید میں سورۂ روم کی اٹھائیسویں آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا (ترجمہ) وہ تمہارے سمجھنے کے لیے تم ہی کے بیچ کی ایک مثال بیان فرماتا ہے۔ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارے اُس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں۔ کہ تم ان کی ایسی ہی پروا کرتے ہو جیسا تمھیں اپنا خیال رہتا ہے؟ (ظاہر ہے کہ غلام اس درجہ شریک حال نہیں ہوتا۔

مثل کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اور تمہارے لونڈی غلام سب اللہ کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ پھر مالک مجازی کے تعلق کا اتنا اثر ضرور ہے کہ نہ تم ان کو اپنے برابر سمجھتے ہو نہ ان کی اپنے بھائی بند جیسی پروا کر کے ان کو مشورہ وغیرہ میں شریک کرتے ہو نہ ان کی رضاجوئی کے خواہاں ہو۔ پھر بھلا مالک حقیقی یعنی اللہ جل سلطانہ قادر مطلق اپنی مخلوق میں سے کسی کو کیوں کر اپنا شریک پسند کر سکتا ہے کہ جو اس کے مقابلہ میں غلاموں سے بھی گئے گذرے ہیں۔

حضرات آپ نے ارباب شرک کا تلبیہ اوپر پڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کفر سے فرمایا کرتے تھے کہ بس لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ تک رہنے دو آگے (کلمۂ شرک) نہ کہو۔ تاہم اہل شرک کے تلبیہ سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مزعومہ شریکوں کو رب قدیر کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ ہر شئے کا مالک رب العالمین کو یقین کرتے تھے اور اپنے مزعومہ شرکاء کی نسبت ان کا قطعاً یہ گمان نہ تھا کہ وہ بھی کسی بات کے مالک و مختار ہیں۔ اس کے باوجود کفار کا ان کو پکارنا اور اپنا سفارشی اور وکیل قرار دینا بارگاہ ایزدی میں ان کے مشرک ہونے اور ابدالآباد کے لیے جہنمی ہونے کے لیے کافی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی غیر اللہ کو اپنا حامی و مددگار اور وکیل اور سفارشی سمجھ کر کسی کو ندا کرے یا اس کی عبادت کرے

وہ مشرک ہے گو اپنے منادیٰ یا معبود کو خدائے برتر کے برابر نہ جانتا ہو۔ کیونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ شرک کو لَاشَرِیکَ لَکَ سے آگے پڑھنے کی ممانعت فرمایا کرتے تھے۔

فصل ۶۵

ماہ صفر کو منحوس سمجھنا

ہجری سال کا دوسرا مہینہ صفر ہے۔ جاہلی عرب میں مشہور تھا کہ یہ مہینہ سخت منحوس ہے۔ لیکن مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلانہ توہم کی تردید میں فرمایا:۔

لَا عَدْوٰی وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ۔ مرض لگ جانے اور اُلّو سے نحوست اور ماہ صفر کو مصیبت اور نحوست کا مہینہ گمان کرنا بے اصل ہے۔

لیکن اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہونے کے باعث پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں میں جہاں اور خام خیالیاں اور واہمہ پرستیاں رائج ہیں وہاں یہ بھی مشہور ہے کہ صفر کا مہینہ منحوس اور نزول بلیات کا مہینہ ہے۔ مسائل نماز میں اردو ایک کتاب "رکن دین" مشہور ہے۔ جسے مولوی رکن الدین الوری نے تالیف کیا تھا۔ اس میں نہ صرف ماہ صفر کو منحوس اور نزول بلا کا مہینہ بتایا ہے بلکہ اپنے زعم ناقص کی تائید میں ایک موضوع روایت سے بھی استدلال کیا اور لکھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی ماہ صفر کے گزرنے کی خوش خبری سنا دے میں اس کو بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دیتا ہوں۔

مگر یہ روایت قطعاً موضوع اور من گھڑت ہے۔ علامہ علی قاری رح نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں فرمایا کہ حدیث من بشرنی بخروج صفر بشرتہ بالجنتہ لا اصل لہٗ (یعنی اس حدیث کی کوئی اصل و حقیقت نہیں کہ جو کوئی مجھے ماہ صفر کے گذرنے کی بشارت دے اس کو میں جنت کا مژدہ سناتا ہوں۔"

عام طور پر پاکستان اور ہندوستان کی عورتیں ماہ صفر کو تیرہ تیزی کے نام سے موسوم کرتی ہیں۔ یہ نام اسی عقیدۂ نحوست کی بنا پر تجویز کیا گیا ہے۔ اس مہینہ کی تیرھویں

تاریخ کو بعض خاندانوں میں اُبلے ہوئے چنے ردّ بلا کے خیال سے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب غیر اسلامی خرافات اور سراپا توہمات ہیں۔

فصل ۶۶

متبنیٰ کو صُلبی بیٹے کی حیثیت بخشنا

مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم اصلاح مُتبنیٰ کی مُطلّقہ کو عدت کے بعد شرفِ زوجیت بخشنا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بچپن میں کھیل رہے تھے کہ کسی ظالم نے ان کو پکڑ کر غلام بنا لیا اور بغرضِ فروخت مکہ معظمہ لے آیا حکیم بن حزام رض نے ان کو بکتے دیکھا تو اپنی پھوپھی اُم المومنین حضرت خدیجہ رض کے لیے خرید لیا۔ جب بڑے ہوئے تو اُم المومنین نے ان کو حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ آپ نے آزاد کر کے ان کو متبنیٰ بنا لیا۔

اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ متبنیٰ اور صُلبی فرزند میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔ جب کوئی مصلح کسی خرابی کی اصلاح کرنا چاہے تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ خود اس پر عمل کر کے دوسروں کے لیے نمونہ بنے۔ چنانچہ خدائے حکیم و دانا نے اس رسم قبیح کی اصلاح کا موقع خود آپ کے خانۂ اقدس میں پیدا کر دیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ نے ہجرت کے بعد حضرت زید رض کو اپنے خاندان قریش کا ہمسر بنانے کے لیے زینب بنت جحش سے جو آپ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں ان کے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینب رض اور ان کے بھائیوں نے پہلے تو اس خیال سے پیغام کو منظور کر لیا کہ آپ بذاتِ خود عقد فرمائیں گے۔ لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ زید رض سے نکاح ہو گا تو انھوں نے رواجِ زمانہ کے مطابق ایسے شخص سے نکاح کرنے کو ہتک عزت سمجھ کر انکار کر دیا۔ جو پہلے غلام رہ چکا تھا۔

لیکن جب رب العالمین عزاسمہٗ کی بارگاہِ عالی سے حکم پہنچا کہ کسی مومن یا مومنہ کو شایان نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر انھیں کوئی عذر و اختیار باقی رہ

جائے (۳۳ : ۳۶) تو نکاح پر راضی ہو گئے اور سیدہ زینب رض حضرت زید رض کے عقد زوجیت میں منسلک ہو گئیں۔ لیکن باہم مزاجوں میں توافق نہ ہوا اس لیے حضرت زید رض نے طلاق دینے کا قصد کیا اور آپ سے اس بارہ میں مشورہ کیا اور آپ نے طلاق دینے کی ممانعت فرمائی۔

لیکن میاں بی بی میں کسی طرح موافقت نہ ہو سکی کیونکہ زید رض حضرت زینبؓ کی نظر میں حقیر لگتے تھے اور جب کبھی باہم نزاع ہوتی تو زیدؓ سرورِ عالم کے پاس آکر شکایت کرتے اور کہتے تھے کہ میں تو زینبؓ کو چھوڑے دیتا ہوں۔ آپ اس سے منع کرتے اور فرمادیا کرتے کہ زینب رض نے تم کو میری خاطر سے قبول کیا تھا۔ اس لیے تمہیں یہی مناسب ہے کہ میری خاطر سے ان کو اپنی زوجیت میں رہنے دو۔ الغرض جب بار بار یہی قصہ ہوا اور صلح صفائی کی کوئی صورت بن نہ پڑی تو آپ کے قلب مبارک میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر زید رض مجبور ہو ہو کر طلاق دے دیں گے تو پھر زینبؓ کی دلجوئی اس کے بغیر نہ ہو گی کہ میں خود ان کو اپنے نکاح میں لے آؤں۔

مفسر تھانوی رح لکھتے ہیں کہ آپ کو وحی سے معلوم ہوا کہ زید رض ضرور طلاق دینگے۔ اور زینب رض کا آپ سے نکاح ہو گا اور اس وقت مقتضائے مصلحت بھی یہی تھا۔ کیونکہ اوّل تو یہ نکاح خلافِ مرضی ہونے کے باعث رنج طبعی کا موجب ہوا تھا۔ پھر اس پر طلاق دینا اور زیادہ موجب کلفت و دل شکنی تھا۔ اس دل شکنی کا تدارک جس سے حضرت زینبؓ کی اشک شوئی ہو سکتی اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا کہ حضور ان سے نکاح کر کے ان کی دلجوئی اور قدر افزائی فرمائیں؎

لیکن ساتھ ہی آپ کو منافقوں کے طعن اور بدگوئی کا بھی خیال تھا کہ وہ چرچا کریں گے کہ اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا حالانکہ لے پالک کا حکم بیٹے کا نہیں ہے۔ غرض زیدؓ نے مجبور ہو کر طلاق دے دی اور عدت گزرنے کے بعد حکم الٰہی سے آپ ﷺ حضرت زینبؓ کو اپنی زوجیت میں لائے جس میں علاوہ مصلحت مذکورہ کے یہ شرعی مصلحت بھی تھی کہ متبنّیٰ کی مطلقہ سے نکاح کی حلّت فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہو اور لوگ

لے پالک کو صلبی بیٹوں کی طرح نہ سمجھیں اور نہ ان کے حقوق صلبی بیٹوں کے سے تسلیم کئے جائیں۔"

الغرض آپ نے حضرت زینب رض کو اپنے حبالۂ ازدواج میں لے کر ایک نیک مثال قائم کر دی۔ منافقوں نے بہتیرا شور مچایا اور مطعون کرتے رہے کہ بیٹے کی جورو سے نکاح کر لیا لیکن آپ نے کچھ التفات نہ فرمایا اور عرب سے یہ رسم ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی کہ متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کرنا ابداً حرام سمجھتے تھے۔

فصل ۶۷

متموّل اور ذی اثر لوگوں کا غنائم ہضم کر جانے کا معمول

عہد جاہلیت کی ایک مذموم رسم یہ تھی کہ تمام غنائم اور جنگی محاصل دشمن سے وصول کر کے متموّل اور ذی اقتدار لوگ ہضم کر جاتے تھے اور فقراء و مساکین اور دوسرے اہل حقوق بالکل محروم رکھے جاتے تھے۔ اسلام نے اس خرابی کو دور کر کے مستحقین کی حق رسی کی۔ رب العزت نے مالِ غنیمت اور فے کو براہِ راست اپنے رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے عالی پر مفوّض فرمایا اور ان کے مصارف بھی بتلادیے کہ آپ مالک ہونے کے باوجود اہل حاجات پر اور مصالح عامہ پر صرف فرمائیں۔ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (۵۹: ۷)

جو مال اللہ اپنے رسول کو (ان) بستیوں کے کافروں سے دلوادے (جیسے بنو نضیر کا مال، فدک اور خیبر کا ایک حصّہ) سو وہ بھی اللہ کا اور رسول کا اور رسول کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور بے توشہ مسافروں کا حق ہے تاکہ وہ (مالِ فے اور غنیمت) تمھارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے (جیسا اہل جاہلیت کا دستور تھا)

یاد رہے کہ اعدائے محاربین سے مجاہدین اسلام کو جو مال ملے اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ جو لڑائی میں حاصل ہو۔ دوم وہ جو بلا حرب و ضرب میسّر ہو۔ جیسے بنو نضیر کا مال لشکر اسلام کے ہاتھ لگا تھا۔ قسم اول کو غنیمت اور دوسری کو فے کہتے ہیں مال غنیمت

کے پانچ حصے کئے جائیں۔ چار تو (بے تنخواہ) لشکر میں تقسیم ہوں اور پانچواں حصہ، یتیموں، مسکینوں اور حاجت مندوں کو دیا جائے۔ لیکن فَے میں لشکر کا حق نہیں۔ اس کو تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ ایک حصہ یتامٰے کو دیں۔ دوسرا غربا و مساکین کو اور تیسرا غیر مستطیع مسافروں کو۔ اگر ساری رقم ایک ہی صنف میں خرچ کردی جائے تو بھی جائز ہے۔

سورۂ انفعال آیت ۴۱ اور سورۂ حشر آیت ۶ میں ان تین مصارف کے علاوہ دو حصے (۱) اللہ و رسول کا اور (۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا بھی مذکور ہے۔ اللہ و رسول کے حصے سے یہ مراد ہے کہ پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور قرابت داروں سے بنو ہاشم اور بنو مُطَّلب مراد ہے۔

مُطَّلِب ھاشم کے چھوٹے بھائی تھے۔ ھاشم کی رحلت کے وقت ان کی بیوی سلمیٰ یثرب میں تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد ایک فرزند متولد ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ شیبہ سات آٹھ سال کی عمر تک یثرب ہی میں رہے۔ اس کے بعد مطلب یثرب (مدینہ منورہ) گئے اور اپنے برادر زادہ کو مکہ معظمہ لے آئے۔ جب یہ شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں نے شیبہ کو ان کے پس پشت سوار دیکھا تو شیبہ کے میلے کچیلے کپڑے دیکھ کر گمان کیا کہ مُطَّلِب کوئی غلام خرید کر لائے ہیں۔ چنانچہ شیبہ عبد المطّلب (مطلب کے غلام) کے نام سے مشہور ہوگئے۔ یہی شیبہ سرورِ عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ امجد تھے۔ مُطَّلِب کی اولاد بھی ھاشم کی اولاد کی طرح آغاز بعثت سے لے کر آخر تک حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے معاون و مددگار رہی اور انھوں نے بھی اعدائے سے جو درپئے جاں ستانی تھے ہر طرح سے آپ کی حفاظت کی۔

جب آپ دنیا کو الوداع کہہ کر عالم برزخ میں تشریف لے گئے تو آپ کا حصہ ساقط ہوگیا۔ اسی طرح آپ کے قرابت داروں کا حصہ بھی جو بوجہ نصرت قدیمہ منجانب اللہ

ع یہ تفصیل اس لیے ضروری خیال کی گئی کہ بعض لوگ مطّلب اور عبد المطّلب میں کوئی امتیاز نہیں کرتے ۱۲۔

مقرر ہوا تھا اور وصال نبوی کے بعد وہ نصرت باقی نہیں رہی تھی ختم ہو گیا۔ اب خمس یعنی پانچواں حصہ پانچ کی بجائے تین طبقوں پر تقسیم ہو گا (۱) یتامیٰ (۲) غربا و مساکین (۳) ابناء السبیل لیکن جاہلیت میں یہ تمام مستحقین بالکل محروم رکھے جاتے تھے۔ سارا مال و منال ذی اقتدار لوگوں کے شکم حرص و آز کا ایندھن بن جاتا تھا۔

فصل ۶۸

محرّمات کو گھر میں ڈال لینے کا رواج

سرزمین عرب کے اندر تمام بے حیائیوں میں بڑھی ہوئی بے حیائی یہ تھی کہ اپنی سوتیلی ماؤں پر وراثۃً قبضہ کرکے انھیں اپنی بیوی بنا لیتے تھے اس کے علاوہ ان محرمات سے بھی شادی کر لیتے تھے جن سے ابداً نکاح نہیں ہو سکتا اور اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا ہجرت کے بعد مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی اور اس کے متعلق تاکیدی احکام جاری فرمائے۔ گو آپ کے فرامین نے صورت حال کی بہت کچھ اصلاح فرمادی لیکن اس برائی کا کلّی استیصال نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر آپ کو سخت گیری اور تشدد سے بھی کام لینا پڑا۔ یہاں تک کہ یہ رسم بد جزیرۂ عرب سے بالکل مفقود ہو گئی۔

ارشادات نبویہ

اس سلسلہ میں آپ نے حکم دیا تھا کہ جو شخص اپنے ناتے والی محرم عورت سے جنسی اختلاط کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو (ترمذی) اور فرمایا جو کوئی محرم عورت کو زوجہ بنائے اس کو ہلاک کر دو (ابن ماجہ) براء بن عازب صحابی رضہ کا بیان کہ میں اپنے چچا ابو بُردہ بن نیار رضہ انصاری سے ملا۔ ان کے ہاتھ میں ایک بھالا تھا۔ میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کہنے لگے ایک آدمی نے اپنے باپ کی منکوحہ کو گھر میں ڈال لیا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ جا کر اس کا سر لے آؤں (ترمذی، ابوداؤد)

لیکن نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایتوں میں سر لے آنے کی بجائے گردن مارنے اور مال لوٹ لانے کا ذکر ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ یہ شخص جاہلیت کے اعتقاد کے بموجب اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حلال سمجھتا ہوگا۔ پس وہ مرتد تھا جو اللہ اور رسول سے رزم خواہ ہوا۔ اسی بنا پر آپ نے اس کے قتل و غارت کا حکم دیا۔

تورات کے احکام

تورات میں بھی محرمات سے ایسے ہی جنسی تعلقات پیدا کرنے والے کی سزا قتل ہی مذکور ہے چنانچہ احبار کے بیسویں باب میں ہے "جو شخص اپنے باپ کی جورو سے ہم بستر ہو اس نے باپ کی برہنگی ظاہر کی۔ وہ دونوں قتل کئے جائیں۔ اُن کا خون انہی پر ہے۔ وہ شخص جو اپنی بہو کے ساتھ ہم بستر ہو وہ دونوں قتل کئے جائیں۔ انھوں نے اوندھی بات کی ہے۔ اُن کا خون انہی پر ہے اور اگر کوئی شخص جورو کو اور اس کی ماں کو بھی رکھے۔ یہ بے حیائی ہے۔ مرد اور عورت دونوں جلائی جائیں تاکہ تمہارے درمیان بے حیائی نہ رہے اور اگر کوئی مرد اپنی بہن یا اپنے باپ کی بیٹی یا اپنی ماں کی بیٹی کو لے اور باہم ایک دوسرے کی برہنگی دیکھیں یہ نہایت بُرا ہے۔ وہ دونوں اپنی قوم کے سامنے قتل کئے جائیں۔ (آیات ۱۱-۱۷)

پارسیوں کی بے راہ روی

آتش پرست جنہیں مجوس اور پارسی بھی کہتے ہیں شادی کے معاملہ میں نہایت شرمناک، طریق پر آزاد اور مطلق العنان بلکہ ننگ انسانیت واقع ہوتے ہیں۔ تمام پارسیوں میں یا ان کے کسی خاص گروہ میں اب تک بہن بیٹی وغیرہ محرمات سے شادی کرنے کا معمول چلا آتا ہے۔ بمبئی میں ایک شقاوت پسند پارسی ایک دوست سے الجھ پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ تم لوگ بڑے احمق ہو کہ پندرہ سولہ سال تک ایک درخت کو سینچتے ہو اور غور و پرداخت کے بعد جب اس کے پھل دینے کا وقت آتا ہے تو دوسرے کے حوالے کر دیتے ہو۔ عہد رسالت میں مجوس اپنے خیالات فاسدہ مسلمانوں کے کان میں ڈالتے اور کہتے تھے کیوں صاحب! خالہ اور پھوپھی کی بیٹی کو تو حلال کہتے ہو اور بہن اور بھائی کی بیٹی کو حرام۔ اس تفریق کا سبب کیا ہے؟ اس پہ سورہ نساء کی ۲۶ ویں اور ۲۷ ویں آیتیں نازل ہوئیں (روح المعانی) ان کا ترجمہ یہ ہے :-

اللہ چاہتا ہے کہ (انبیاء و صلحاء) جو تم سے پہلے (ہو گذرے ہیں) ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہی کے طریقوں پر چلائے اور تم پہ نظر عنایت رکھے اور اللہ علیم و حکیم ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں ان کی یہ خواہش ہے کہ تم راہ راست سے بھٹک کر بہت دور ہٹ جاؤ

یعنی یہ معاشرت اخلاق اور تمدن کے وہ قوانین ہیں جن پر ازمنۂ قدیمہ سے ہر دَور کے انبیاء اور ان کے صالح پیرو عمل کرتے چلے آئے ہیں اور خدائے ذوالمنن کی نوازش اور کرم فرمائی ہے کہ وہ جاہلیت کی پستیوں سے نکال کر انبیاء و صلحاء کے طریق ہدایت کی طرف تمہاری رہنمائی کر رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام اپنے حلقۂ اقتدار میں مجوسی بے حیائی کو قطعاً گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے اپنے عامل بصرہ کے نام حکم نامہ بھیجا کہ مجوس کے ہر ذی محرم کے درمیان تفریق کر دی جائے (بخاری)

مجوس اور ہنود کی افراط و تفریط

ہنود میں دُور کی رشتہ داروں سے بھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے جاتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنی رشتہ دار عورتوں کی طرف میلانِ طبع نہیں ہوتا۔ آپ نے راقم السطور کی کتاب "ائمۂ تلبیس" میں پڑھا ہوگا کہ جلال الدین اکبر بادشاہ کے شریعت گروں نے ہنود کی پیروی میں پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا تھا اور مجوس کے کل یا بعض فرقوں میں ماں، خالہ، بہن، بیٹی جیسی محرمات سے بھی شادی جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ مجوس اور ہنود افراط اور تفریط سے ہمکنار ہیں۔ صحیح اور معتدل طریقہ وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی فرمائی ہے۔ چچا، پھوپھی وغیرہا کی بیٹیوں کی طرف یقیناً میلان ہوتا ہے اور جن عورتوں کی طرف میلان نہیں ہوتا اُن سے شادی کرنے کی خود شریعتِ حقّہ نے ممانعت فرما دی ہے۔

فصل ۶۹

مرداراور حشرات الارض کھانے کا معمول

جس طرح ظاہری نظافت جسمانی طہارت اور پاکیزہ لباس سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح باطنی پاکیزگی ذکر الہٰی اور اکل حلال کی بدولت میسر ہوتی ہے۔ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروؤں کو اکل حلال کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے لوگو! حق تعالے پاکیزہ ہے۔ پاکیزہ کے سوا کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔ رب العالمین نے اپنے انبیاء و رُسل کو جن امور کا پابند بنایا۔ عامۂ مومنین بھی اُنہی امور کے مامور ہیں۔ خدائے برتر نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اے ارباب ایمان! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) (ترمذی)

حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب کو کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی چیز حلال یا حرام سمجھی جاتی تھی لوگ مردار اور خون اور حشرات الارض تک کھاتے تھے۔ البتہ جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ ان چارپایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچہ نکلے وہ ہمارے مردوں کے کھانے کے لیے ہے۔ اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام ہے اور اگر مرا ہوا پیدا ہو تو مرد عورت سب کھا سکتے ہیں۔ سورۂ انعام کی ۱۳۸ ویں آیت میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

اہل کفر کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کھیتی باڑی میں سے نیاز چڑھاتے تو خط کھینچ کر اس کے دو حصے کر دیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ کا اور دوسرا بتوں کا۔ اسی طرح جانوروں میں بھی کچھ حصہ اللہ تعالے کا رکھتے اور باقی بتوں کا۔ پھر اگر اللہ کا جانور موٹا تازہ اور

کھیتی شاداب اور روئیدہ پائی جاتی تو اس کو ہلال کر بتوں کے نام کر دیتے۔ لیکن بتوں کی طرف کی اچھی بنانہ کو خدائے برتر کی طرف نہ بدلتے تھے کیونکہ ان کو بتوں سے زیادہ محبت اور گرویدگی تھی اور انھیں انہی کی خوشنودی کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ اگر کبھی کوئی شخص ان سے اس ترجیح کی وجہ دریافت کرتا تو یہ کہتے تھے کہ اللہ حاجت مند اور کسی کا محتاج نہیں ہے اور ہمارے یہ معبود (بت) ہمارے محتاج ہیں۔ (سورۂ انعام میں اس کی تفصیل موجود ہے)

مگر یہ ان کی حماقت تھی۔ خالق کردگار کی پیدا کی ہوئی چیز کا تو وہی سب سے زیادہ مستحق ہے نہ کہ پتھر کی گھڑی ہوئی مورتیں جن کے محتاج اور بے بس ہونے کا انھیں خود اعتراف تھا۔

حلال و حرام جانور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جن حلال اور پاکیزہ جانوروں کے کھانے کی اجازت دی اور جن جانوروں کے کھانے کی ممانعت فرمائی، اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ جس جانور کے دانت نوکدار ہوں اور وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کے کھاتا ہو جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا، بلی وغیرہ حرام ہیں اور جس جانور کے دانت نوکدار ہوں لیکن درندہ نہ ہو وہ حلال ہے۔ جو جانور پنجے سے شکار کرتا ہو جیسے باز، بحری، شکرہ عقاب، چیل، گدھ وغیرہ حرام ہے۔ جو کوا کھیتی کھاتا ہو اور نجاست خور نہ ہو وہ حلال ہے مگر مردار خور ابلق کوا حرام ہے۔ ابلق سے دیسی کوا مراد ہے جس کی گردن کا رنگ پیروں کی نسبت سفید ہوتا ہے۔

خچر اور بستی کا گدھا حرام ہے البتہ جنگل کا گدھا گورخر جسے کہتے ہیں حلال ہے۔ امام شافعیؒ امام احمد اور اسحٰق کے نزدیک گھوڑا حلال اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی وفات سے پیشتر گھوڑے کی حرمت کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ خرگوش حلال ہے۔ بندر، کفتار، بجو، کچھوا اور زمین میں رہنے والے جانور جیسے چوہا، چھپکلی، گرگٹ، سانپ، بچھو حرام ہیں۔ پانی کے جانوروں میں مچھلی کے سوا اور کوئی

حلال نہیں۔ لیکن مچھلی کے حلال ہونے کی بھی شرط ہے کہ خود مر کر پانی پر نہ تیر آئی ہو۔ مچھلی بدون ذبح کے حلال ہے۔

یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں۔ بہتا ہوا خون۔ وہ جانور جو غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو۔ سؤر مردار۔ اہل جاہلیت مردار اسی چیز کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مرجائے اس لیے اگر جانور کسی اور سبب سے مر جاتا تو اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن پاک (سورۂ مائدہ) میں بتایا گیا کہ وہ جانور بھی مردار ہے جو گلا گھٹنے سے یا گردن ٹوٹنے سے یا اوپر سے گر کر مرا ہو یا کسی جانور کا سینگ لگنے سے ہلاک ہوا ہو یا کسی درندے نے اس کو پھاڑا ہو۔

یاد رہے کہ حلال جانور کے حلال ہونے کی لازمی شرط یہ ہے کہ وہ ذبح کیا گیا ہو اور ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پس مردار حرام ہے کیونکہ نہ وہ ذبح کیا گیا ہے اور نہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کو یہ شبہہ ڈالنا چاہا تھا کہ تم لوگ اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو کھاتے نہیں اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبیحہ کو کھاتے ہو۔ بعض صحابہ نے پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کفار کا یہ مقولہ بیان کیا تو اس پر سورۂ انعام کی چھ آیتیں (۱۱۶ تا ۱۲۱) نازل ہوئیں جن میں تنبیہہ کی گئی کہ تم حکم کے پابند رہو۔ ان کے کہنے پر نہ جاؤ (لباب) کیونکہ مارا ہوا تو سب اللہ کا ہے لیکن اس کے نام میں برکت ہے۔ جو اس کے نام پر ذبح ہوا وہ حلال ہے اور جو خود بخود مر گیا وہ حرام ہے (موضح)

حالت اضطرار کی رخصت

سورۂ انعام کی ۱۱۹ ویں آیت میں اس کی بھی اجازت دی گئی کہ اگر اضطراری حالت میں یعنی فاقہ کشی میں مرنے کا خطرہ لاحق ہو اور یہ یقین ہو جائے کہ اس کے کھائے بغیر جانبر نہ ہو سکو گے تو بقدر سد رمق اس میں سے کھا لو اور یہ صرف مردار پر موقوف نہیں بلکہ حالت اضطرار میں خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی چیز بھی کام میں لائی جا سکتی ہے چنانچہ سورۂ بقر کی ۱۷۳ ویں آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت (اور خنزیر کے دوسرے اجزا) اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے

نامزد کر دیا گیا ہو حرام کیا۔ پھر بھی جو کوئی (بھوک کے مارے) اضطراری حالت میں پہنچ جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

نجاست خور جانور کی حلّت و حرمت

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جلّالہ یعنی نجاست خور جانور کے کھانے اور اُس کا دُودھ پینے سے منع فرمایا (ترمذی) آپ نے نجاست خور جانور پر سواری کرنے کی (بھی) ممانعت فرمائی (ابوداؤد) ابن ملک کا قول ہے کہ جب ایسے جانور کے گوشت میں نجاست کی بُو ظاہر ہو تو اس کا کھانا ممنوع ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو کچھ روز تک بند رکھیں تاکہ اس کا گوشت اثر نجاست سے پاک ہو جائے۔ پھر ذبح کرلیں۔ اور فتاویٰ کبریٰ میں ہے کہ جب تک نجاست خور مُرغی کو تین دن اور دوسرے جانوروں کو دس دن تک بند نہ رکھا جائے ان کا کھانا حلال نہیں۔

اور کتاب شرح السنہ میں ہے کہ نجاست خور جانور کو دیکھا جائے کہ اگر کبھی کبھی نجاست کھاتا ہے تو اس کا کھانا حرام نہیں اور اگر اس کی غالب خوراک نجاست ہو یہاں تک کہ نجاست کا اثر گوشت اور دودھ میں ظاہر ہو تو اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جانور کو چند روز تک بند کر کے صرف چارے پر رکھیں۔ جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے کلیۃً پاک ہو جائے تو اُس وقت اس کا کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ لیکن امام حسن بصری کے نزدیک کسی حالت میں نجاست خور جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ امام مالک رح کا بھی یہی مسلک ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لعلی القاری رح)

ایک شبہہ کا حل

ایک سوال یہ ہے کہ بعض جانور ایسے ہیں جن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود کوئی حلّت یا حرمت بیان نہیں فرمائی۔ پس صحابہؓ کرام رض کو ان کے حلال یا حرام ہونے کا علم کیونکر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر جو لکھا گیا کہ جاہلی عرب کو کھانے پینے میں کسی چیز کا

پرہیز نہ تھا تو اس عموم سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جو قریش کے جدِ اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانے سے حلال یا حرام کی حیثیت سے ان کی معمول بہا چلی آتی تھیں۔ کیونکہ حسب بیان شاہ ولی اللہ رح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی صرف اُن خرابیوں کی اصلاح فرمادی تھی جو مرور زمانہ سے ملتِ اسمٰعیلی میں پیدا ہوگئی تھیں لیکن جن اسمٰعیلی احکام و ضوابط کے اہل عرب پابند چلے آتے تھے فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو علیٰ حالہا برقرار رکھا تھا۔ پس حضرت خاتم الانبیاء سے جن جانوروں کی حلّت یا حرمت مروی نہیں اُن میں قریش کے تعامل کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

فصل ۷۰

معبود برحق کا جسمانی تمثیل

عقاید میں راس المسائل رب العالمین کی ہستی اور اس کی ذات وصفات کا مسئلہ ہے ظہور اسلام سے پہلے اتنے اہم مسئلہ کے متعلق تمام دنیا عجیب وغریب غلطیوں میں مبتلا تھی۔ یہود گو ایک خدا کے قائل تھے لیکن اُنھوں نے اس ذات برتر کو ایسے اوصاف سے متصف کر رکھا تھا کہ وہ خدا ہی نہ رہ گیا تھا۔ عیسائیوں نے تین خدا تجویز کر رکھے تھے اور تین کو ایک اور ایک کو تین کہتے تھے۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہ اجتماع نقیضین خود انکی عقل وفہم سے بھی باہر تھا۔

مجوس یعنی ایران کے آتش پرست پارسیوں نے نیکی اور بدی کے دو الگ الگ خدا تجویز کر رکھے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ نیکی اور بدی دونوں کا ایک خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں کم از کم تین خدا تھے۔ برہما۔ بشن۔ مہیش اور اوتاروں کی تعداد تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے تھے۔ لیکن دنیا میں دہریوں مادہ پرستوں اور اہل زندقہ کی بھی کمی نہ تھی۔ یہ لوگ سرے سے خدائے حی وقیوم کی ہستی ہی کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

دنیا اسی عالمگیر تاریکی میں بھٹک رہی تھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہوکر ان غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کے دل میں جو خیال آتا ہے وہ اُنہی واقعات، روایات اور خیالات سے آتا ہے جو اس کے گردوپیش میں پھیلے ہوتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ اگر اس فطرت کے رو سے پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خدا کا خیال آتا تو وہ اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگوں

کا تھا۔

لیکن آپ نے وحی الٰہی کی تعلیم کے بموجب لوگوں کو بتایا کہ خدا وند عالم واحد محض ہے۔ وہ نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں۔ نہ اوپر نہ نیچے۔ نہ دائیں نہ بائیں۔ نہ زمان میں نہ مکان میں باری تعالیٰ جہت و اشارہ تحت و فوق ہر قسم کے قیود خصوصیات سے بھی مبرا ہے۔ یہ وہ تقدیس و تنزیہ تھی جس پر دانایان فرنگ حیرت زدہ ہیں۔ ایک مغربی مفکر نے کہا ہے کہ جب زمان و مکان جہت و اشارہ تمام خصوصیتوں کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کو اپنی اسی تقدیس و تنزیہ پر ناز ہے۔

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کو کفر اور شرک قرار دیا کیونکہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العالمین کی نسبت جس پاک اور منزہ خیال کی تعلیم دی تھی وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر نہ آسکے۔ ہندو، عیسائی اور صابی وغیرہ سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے اور اسی وجہ سے بت پرستی میں مبتلا تھے۔ لیکن باوجودیکہ اسلام میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں فرقے پیدا ہو گئے لیکن ان میں سے کسی فرقہ کو کبھی بت پرستی کا خیال تک نہیں آیا۔

فصل ۱۷

معرکوں میں رعایا کو ایذا دینا

رعایا کے مال و جان کی حفاظت حکام اور فوجی سپہ سالاروں کا اولین فرض ہے۔ لیکن عرب میں معمول تھا کہ جب کسی مقام پر حملہ کرنا ہوتا تو فوج چاروں طرف دُور دور پھیل جاتی تھی جس سے راستے بند ہو جاتے اور کاروبار مسدود ہو جاتے اور گھروں میں آنا جانا دشوار ہو جاتا۔ راہ گیروں کا مال و اسباب لٹ جاتا۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے حکم دیا کہ رعایا کی تکلیف اور ایذا رسانی سے بچیں اور کسی کو تنگ نہ کریں جب آپ نے حکم دیا کہ فوج اِدھر اُدھر پھیل نہ جایا کرے تو لشکر اسلام اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالنے لگا کہ اگر بالفرض ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے آ جاتے (ابوداؤد)

اسی طرح ہر جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے کہ حملہ آور سپاہ میدان جنگ کے گرد و نواح میں بڑی بڑی سفاکیوں کی مرتکب ہوتی ہے۔ دیہات کے غریب و مفلوک الحال باشندوں کو لوٹ لینا تو محض معمولی بات ہے۔ عرب میں بھی یہی حالت تھی خصوصاً جب رسد کم ہو جاتی تھی اور لشکر کے کھانے پینے کے انتظام سے نہیں ہو سکتا تھا تو لوٹ مار بالکل جائز فعل یقین کیا جاتا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی بڑی سختی سے ممانعت فرمائی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے کسی جگہ ایک مہم بھیجی گئی۔ اس سفر میں لشکر کو سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا۔ بہت سے لشکری رسم قدیم کے بموجب اس پر ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقع کی خبر ہوئی تو آپ موقع پر تشریف لائے۔ گوشت پک رہا

تھا، اور ہانڈیاں جوشش کھا رہی تھیں۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک کمان تھی۔ آپ نے کمان سے تمام ہانڈیاں الٹ الٹ دیں۔ سارا گوشت مٹی میں مل گیا۔ اب آپؐ نے فرمایا کہ لوٹ کا مال مردار سے بدتر ہے۔ اس اقدام سے لشکر کو پوری طرح انتباہ ہوا (ابوداؤد)۔

فصل ۷۲

مقتول کے ورثاء کی بے بسی

جاہلی عرب اور اُمم سابقہ میں قاتل قصاص میں لازماً قتل کیا جاتا تھا اور مقتول کے ورثاء بالکل بے بس ہوتے تھے۔ لیکن اسلام میں بڑی سہولت ہوگئی اگر مقتول کے ورثاء قصاص سے دست بردار ہو کر خون بہا پر راضی ہوجائیں یا بالکل معاف کردیں تو وہ اس کے مجاز ہیں۔ لیکن خون بہا کی صورت میں قاتل کو احسان مند ہو کر یہ خون بہا حتےّ الامکان جلد ادا کر دینا چاہیئے اور مقتول کے وارث بھی صلح کئے پیچھے قاتل کے درپے قتل نہ ہوں۔

اسلامی قانون میں ورثائے مقتول کی خاطرداری اور دلجوئی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور انھیں اختیار ہے کہ قاتل کی جان لے کر اپنی آتش غضب کو ٹھنڈا کریں یا دیت لے کر چھوڑ دیں یا بالکل ہی معاف کر دیں۔ دیت یا خون بہا سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں خدائے رحیم و ودود نے اپنے کلام (البقرہ آیت ۱۷۸) میں فرمایا کہ جس قاتل کو اس کے بھائی (طالب قصاص) سے قصاص کا کوئی جزو معاف کر دیا جائے تو یہ نہایت پسندیدہ ہے۔ اس سیاق میں "اپنے بھائی" کی بلاغت و معنویت قابل التفات ہے۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اقدامِ قتل کے بعد بھی قاتل ورثائے مقتول کا دینی بھائی ہے حق تعالیٰ نے بھائی کا لفظ فرما کر نہایت لطیف پیرایہ میں قاتل سے نرمی برتنے کی سفارش کردی کہ اگر اپنے ایک خطاکار بھائی کے مقابلہ میں انتقام کا غصہ پی جاؤ تو یہ تمھاری اخوت اسلامی کے زیادہ شایانِ شان ہے۔

متحدہ ہندوستان میں قتل عمد کے متعلق تعزیرات ہند کا یہ ضابطہ تھا۔ جو کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہو اس کو سزائے موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائیگی

اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا (۳۰۲ دفعہ) اور قتل خطا کی بابت یہ حکم تھا۔ جو کوئی شخص ایسے قتل انسان مستلزم کا مرتکب ہو جو قتل عمد کی حد کو نہ پہنچتا ہو تو اس شخص کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا (دفعہ ۳۰۴)

اس قانون کا ایک سخت کمزور بلکہ ظالمانہ اور بے رحمانہ پہلو دیکھئے ان دونوں دفعوں میں مقتول کے پس ماندوں کی مرضی اور خواہش کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اب فرض کیجئے کہ ایک ضعیف العمر بیوہ کے دو جوان بیٹے ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں تصادم ہوا ایک بھائی نے دوسرے کو ہلاک کر دیا۔ اب حکومت قاتل کو پکڑ کر تختۂ دار پر چڑھا دے گی اور اس بڑھیا کی چیخ و پکار پر مطلق التفات نہ کرے گی۔ حالانکہ اگر اس کا مدار بڑھیا کی مرضی پر ہوتا تو وہ اپنی زندگی کے آخری سہارے سے ہرگز محروم نہ کر دی جاتی۔

فصل ۳۷

ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا

اہلِ شرک کا ایک احمقانہ تصوّر یہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زعم فاسد کو ہمیشہ بدلائل مسترد فرمایا۔ خدائے برتر نے اس خیال کی تردید میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ خدا کے لیے بیٹیاں اور ان کے لیے من مانے بیٹے) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی جائے تو رنج کے مارے اس کا منہ کالا پڑ جائے اور زہر کے گھونٹ پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی عار کے مارے جس کی پیدائش کی اس کو اطلاع دی گئی چھپا چھپا پھرے اور دل میں منصوبے سوچے کہ آیا اس ذلت میں بیٹی کو لیے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو تو خدائے قدوس کے بارے میں ان لوگوں کی کیا بُری رائے ہے (۱۶: ۵۹)

مشرکین عرب ملائکہ کو بنات اللہ ہونے کی وجہ سے مستحق معبودیت قرار دیتے تھے اور ان کی شفاعت کے اُمیدوار تھے۔ حالانکہ فرشتے بلا اذن کسی کی شفاعت کی جرات ہی نہیں کر سکتے۔ ان کا تو جلال الٰہی کے غلبہ سے یہ حال ہے کہ جب ان کو خدائے قدیر کی طرف سے کوئی حکم پہنچتا ہے تو خوف کے مارے تھرّا اُٹھتے ہیں اور شدت ہیبت سے ان کی از خود رفتگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کو اس وقت اپنے سمجھنے اور یاد رکھنے پر بھی پورا بھروسا نہیں ہوتا اس لیے ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خدائے ذی الجلال کے معمولی خطاب کے وقت ان کی یہ حالت ہے تو کسی نئی بات کے متعلق خود ان کا ابتداءً ربِّ ذی الجلال کو خطاب کرنا کہاں تک قرین قیاس ہے؟

اس سلسلہ میں خدائے برتر نے ملائکہ کی بے بسی اور شفاعت کے لیے ان کے نااہل ہونے کی نسبت ارشاد فرمایا۔ (ترجمہ) اور خدا کے سامنے کسی کے لیے کسی کی سفارش

کام نہیں آتی۔ مگر ہاں اس کے کام آئے گی جس کی نسبت خدا سفارش کی اجازت دے (اور اُن فرشتوں کا تو یہ حال ہے کہ) جب کوئی حکم خدا کے پاس سے نازل ہوتا ہے تو مارے ہیبت کے گھبرا اٹھتے ہیں یہاں تک کہ جب گھبراہٹ ان سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے۔ اس پر (جو زیادہ مقرب ہیں) کہتے ہیں کہ (فلاں) حق بات کا حکم دیا ہے اور وہ عالیشان اور سب سے بڑا ہے (۳۴ : ۲۳)

اور قبیلہ بنو قُضَاعہ کے بعض افرادِ ملائکہ کے دختران خدا ہونے کی یہ مضحکہ خیز توجیہ کرتے تھے کہ اللہ نے جن عورتوں سے بیاہ کیا ان سے جو اولاد ہوئی ان کو فرشتے کہتے ہیں۔ اس رشتہ سے ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس زعم فاسد کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی :۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَباً ط ان لوگوں نے خدا میں اور جنات میں ناطہ ٹھیرایا ہے۔
وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ حالانکہ جنات کو اچھی طرح معلوم ہے کہ (ان میں جو کافر ہیں) وہ عذاب خداوندی میں گرفتار ہونگے۔ (۳۷ : ۱۵۸)

فصل ۷۴

میّت پر نوحہ اور بَین

ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ کوئی مرجاتا تو عورتیں چلّا چلّا کر روتیں اور چھاتی پیٹتیں اور مُردے کے اوصاف بیان کرتی تھیں۔ لیکن فخر الاولین والآخرین سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس کی ممانعت فرمائی کیونکہ بے صبری بے حوصلگی اور دون ہمتی ہونے کے علاوہ یہ اپنے آپ کو مظلوم اور مالک الملک عز اسمہٗ کو معاذ اللہ ظالم ثابت کرنے کی عملی کوشش ہے اور اس میں نیرنگ ساز قدرت کی قضا و قدر پر مخفی اعتراض و احتجاج ہے۔

نالہ و شیون کے سلسلۂ امتناع میں شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے طریقے پر) نہیں جو رخسارے پیٹے یا گریبان پھاڑے یا جاہلیت کے سے بول زبان پر لائے، یعنی واویلا وا مصیبتا کہہ کر شور مچائے اور کہے کہ ہائے ہم پر یہ کیا ظلم و ستم ہوا یا مرنے والے کی بڑائی کا اظہار کر کے چیخے چلائے۔ اور فرمایا میں اُس شخص سے بے زار ہوں جو کسی کے مرنے پر (ہنود کی طرح) بال منڈوائے اور چلّا کر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑے (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ میری اُمت میں چار امور جاہلیت کے کام ہیں۔ جن کو اکثر (عوام) نہیں چھوڑیں گے اپنے حسب و نسب پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب میں طعن کرنا، ستاروں سے طلب باراں کرنا اور نوحہ کرنا اور فرمایا کہ اگر نوحہ کرنے والی نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو تو وہ قیامت کے دن موقفِ حساب میں اس طرح کھڑی کی جائیگی کہ اس کے بدن پر ایک کُرتا گندھک کا اور ایک کُرتا خارش کا ہوگا (مسلم)

ایک دفعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس آواز سے رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈر اور صبر کر۔ عورت بولی مجھے اس لیے صبر کی تلقین کرتے ہو کہ مجھ جیسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے ہو۔ وہ آپ کو پہچانتی نہیں تھی۔

اس کے بعد عورت کو بتایا گیا کہ نصیحت کرنے والے نبی علیہ السلام تھے۔ وہ آپ کے درِ سعادت پر حاضر ہوئی لیکن اس نے (دنیوی حکمرانوں کے معمول کے خلاف) آپ کے دروازے پر کوئی دربان نہ پائے۔ وہ آپ سے مل کر کہنے لگی یا رسول اللہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا (اب میں آپ کا حکم مانتی اور صبر کرتی ہوں) آپ نے فرمایا کہ صبر تو صدمۂ اوّلی کے وقت کا معتبر ہے (بخاری و مسلم)

یعنی صبر اور تحمل کا وقت ابتدائے مصیبت ہے اور اسی صبر کا اجر و ثواب ملیگا کیونکہ جب مصیبت کو زیادہ دیر گزر جائے تو مومن ہو یا کافر سب کو خود بخود صبر آ جاتا ہے۔

یاد رہے کہ آنکھوں کا اشکبار ہونا اور دل کا مغموم ہونا صبر کے منافی نہیں۔ بلکہ رحمت اور نرم دلی کی علامت ہے۔ اس لیے اس پر کوئی گرفت نہیں البتہ نوحہ گری اور شکوہ سنجی اور چیخ و پکار چونکہ صبر و شکیب کے خلاف ہے اس لیے حرام و ممنوع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس رض کا بیان ہے کہ آنحضرت اپنے فرزند گرامی ابراہیم کی علالت پر ابو یوسف لوہار کے ہاں تشریف لے گئے جو ابراہیم کے انگا تھے۔ آپ نے ابراہیم کو اٹھایا۔ پھر ان کا بوسہ لے کر ان کو سونگھا۔ اور واپس آ گئے۔

اس کے چند روز بعد ہم ان کی حالت نزع میں دوبارہ گئے۔ ان کو دیکھ کر آپ اشکبار ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رض عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! (اور لوگ تو کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے روتے ہیں لیکن) آپ بھی (اتنی بڑی عظمت شان کے باوجود) روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے ابنِ عوف! یہ اشکباری رحمت ہے۔ اس کے بعد آپ پھر رونے لگے پھر فرمایا آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غم زدہ ہے لیکن اس کے باوجود ہم وہی بات کہتے ہیں جس میں ہمارے ربِّ کریم کی رضا ہو اور اے ابراہیم ہم تمہارے فراق میں غمگین ہیں (بخاری و مسلم) جناب ابراہیم ع نے سولہ یا سترہ مہینے کی عمر میں رحلت فرمائی تھی۔

اسی طرح ایک اور واقعہ سینئے حضرت اسامہ بن زید رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا حالت نزع میں ہے آپ تشریف لایئے۔ آپ نے اس کے جواب میں سلام کہلا بھیجا اور پیغام دیا کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو چیز کہ لے لی اور اللہ ہی کے لیے ہے وہ چیز جو عطا کی۔ اس ذات برتر کے نزدیک ہر چیز کی ایک مدت معین ہے۔ پس چاہیئے کہ صبر سے کام لو اور ثواب کی امیدوار رہو۔ آپ کی دختر فرخندہ اختر نے دوبارہ قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپ ضرور قدم رنجہ فرمایئے۔

آپ جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت سعدؓ بن عبادہ، معاذ بن جبلؓ انصاری اُبیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت رضؓ اور صحابہ میں سے چند اور حضرات آپ کے ساتھ تھے۔ وہاں پہنچے تو بچہ آپ کے پاس لایا گیا۔ اس وقت اس فرزند کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی تھی۔ (پیغام بھیجنے والی حضور کی بڑی صاحبزادی سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا تھیں اور بچے کا نام علی بن ابوالعاص بن ربیع تھا اور بعض نے کہا کہ صاحبزادی سیدۃ النسا حضرت فاطمہ زہراؓ تھیں اور بچے کا نام محسن بن علی تھا) آپ بچے کی اس حالت پر آبدیدہ ہو گئے۔

یہ دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ اشکباری کیسی ہے؟) آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے جس کو خالق کردگار نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔ بندگان خدا میں سے جو لوگ رحمدل ہیں خدائے شفیق ورحیم انہی کو اپنی رحمتِ (خاص) سے نوازتا ہے (بخاری و مسلم)

آپ کی یہ مراد تھی کہ اشکبار اور رنجیدہ ہونا مرضئ مولا کے خلاف نہیں بلکہ رقت قلبیہ اعتدال مزاج کی علامت ہے اور جو کوئی ایسے موقع پر بھی رنج و غم سے متاثر نہیں ہوتا وہ اعتدالِ مزاج سے باہر اور سخت دل ہے۔

فصل ۵۷

نام نمود کیلیے مال خرچ کرنا

خلوص نیت کی اہمیت

انفاق فی سبیل اللہ کے لیے صحت ایمان کے ساتھ صحت اخلاص بھی ایک لازمی شرط ہے۔ پس مسلمان کا کارہائے خیر میں مال خرچ کرنا باعتبار نیت تین طرح پر ہے۔ ایک نام نمود اور تفاخر کے لیے خرچ کرنا۔ اس میں ثواب تو کیا ہوگا اُلٹا ریا و تفاخر کا گناہ لازم آتا ہے۔ دوسرے ادنےٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا۔ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے تیسرے زیادہ اخلاص کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ میں حصہ لینا۔ اس کے بے شمار مدارج ہیں۔ اسی جہت سے اس کا ثواب دس سے زیادہ سات سو حصے تک بلکہ حسب تفاوتِ اخلاص اس سے زیادہ بھی متوقع ہے۔ چنانچہ مُنعمِ کریم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ (ترجمہ)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، ان کی (خیرات کی) مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ عطا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا باخبر ہے۔ (۲:۲۶۱)

صدقہ و خیرات میں خلوص اور حُسن نیت کی کہاں تک ضرورت ہے اس کو نبئ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنیئے۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے جو اس طرح چپکے سے خیرات کرتا ہے کہ اس کو اللہ اور اُس شخص کے سوا کوئی نہیں جانتا جس کو یہ خیرات دی گئی ہے (ترمذی و نسائی) اور فرمایا کہ فرزند آدم کا اس طرح صدقہ دینا کہ داہنے ہاتھ سے صدقہ دیتے وقت اس کو اپنے بائیں ہاتھ سے مخفی رکھے بڑی اہمیت رکھتا ہے (ترمذی)

مال کا بے محل اٹھانا

حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا:۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۱۷: ۲۷)

اور قرابت دار اور مسکین اور مسافر (ہر ایک) کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور (زر و مال کو) بے جا مت اُڑاؤ۔ بے جا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

جائز محل میں ضرورت سے زائد خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اور ایسی جگہ خرچ کرنے کا نام جہاں شریعت نے اجازت نہیں دی تبذیر ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ شہرت اور تفاخر کی نیت سے خرچ کرنا بھی تبذیر میں داخل ہے۔

جاہل عربوں کا شہرت اور ناموری کے لیے مال خرچ کرنا

بعض علماء نے متذکرہ آیت ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ اہل عرب فخارانہ مقابلوں میں اور نام و نمود کے لیے زر و مال بُری طرح اُڑاتے تھے۔ ان کے طریق عمل کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اور شہرت و ناموری پر روپیہ خرچ کرنے کو شیطانی فعل قرار دیا گیا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی رح اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "بعض علماء کا قول ہے کہ یہ آیت اہل عرب کی عادت کے بموجب نازل ہوئی کیونکہ وہ لوگ نہب اور غارتگری سے اموال جمع کرتے تھے۔ پھر اس کو حصول شہرت و ناموری کے لیے بے دریغ اُڑاتے تھے۔

بہرحال اسلام نے ان سے یہ مذموم عادت بھی چھڑا دی۔

فصل ۷۶

نجاست سے پرہیز نہ کرنے اور غلیظ رہنے کی مذموم عادت

عرب میں پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب کے قطروں سے کپڑے بچانے کا رواج نہ تھا بلکہ کسی کو اس کا احساس تک نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق تاکیدی احکام دیئے۔ آپ کو ایک مرتبہ دو قبریں نظر آئیں۔ فرمایا ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے (بدن اور کپڑوں) کو پیشاب سے نہیں بچاتا تھا (بخاری و مسلم) اور فرمایا دس چیزیں فطرت سے ہیں۔ لبوں کے بال کتروانا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا ناخن ترشوانا۔ انگلیوں کے درمیان کی میل کچیل کو دھونا۔ بغل کے بال دور کرنا، موئے زیر ناف کو مونڈنا۔ پانی سے استنجا کرنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں دسویں چیز بھول گیا لیکن میرا گمان ہے کہ وہ کلی کرنی تھی (مسلم)

نہانے اور خوشبو استعمال کرنے کا فرمان

مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو طہارت و نظافت اور حصول پاکیزگی سے بڑا شغف تھا اور اس کی آپ بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے لیے ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ نہانا ضروری قرار دیا اور فرمایا کہ جو کوئی نماز جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کر کے آیا کرے۔ جو کوئی جمعہ کے دن غسل کرے حسب استطاعت پاکیزگی و طہارت حاصل کرے۔ تیل لگائے اور خوشبو کا استعمال کرے اور اگر اپنے پاس خوشبو موجود نہ ہو تو بیوی سے لے لے (بخاری)

خواتین کو حصول نظافت کی تاکید

آپ مردوں کی طرح خواتین کو بھی حصول نظافت کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک عورت نے آپ سے غسل حیض کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح غسل کیا جاتا ہے، اسی طرح غسل کیا جائے۔ پھر پھایا سے جس میں کستوری دیا کوئی اور خوشبو لگی ہو طہارت

حاصل کی جائے۔ خاتون کہنے لگی یا رسول اللہ اس سے کیونکر طہارت حاصل کی جائے۔ آپ نے شرما کر منہ پھیر لیا اور سبحان اللہ کہہ کر دوبارہ فرمایا اس کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرو۔ اس وقت اُم المومنین حضرت عائشہ رضہ قریب ہی بیٹھی تھیں۔ انھوں نے خاتون کو جھٹ اپنی طرف کھینچ لیا اور فرمایا کہ اس خوشبو کو خون کے نشان پر لگا دو۔ (بخاری)

علماء نے فرمایا ہے کہ خواتین کو غسل حیض کے بعد خوشبو لگانے کی تاکید ہے تاکہ حیض کی بدبو کلیتہً زائل ہو جائے۔ باوجودیکہ سوگ والی عورت کو ہر قسم کی زینت اور خوشبو کی ممانعت ہے تاہم ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل حیض کے بعد اس کو بھی تھوڑی سی خوشبو استعمال کرنے کی اجازت دیدی (فتح الباری)

مسواک کی اہمیت

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک سے بڑا شغف تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی اُمت کے حق میں دشوار نہ سمجھتا تو اہل ایمان کو نماز عشاء میں (ثلث یا نصف رات تک) تاخیر کرنے اور ہر نماز کے (وضو کے) وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا (بخاری و مسلم) ام المومنین حضرت عائشہ رضہ سے پوچھا گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ کہا آپ سب سے پہلے مسواک کرتے (مسلم) اور آپ نے فرمایا کہ جب کبھی جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے مجھے مسواک کرنے کا حکم کرتے گئے اور میں اس کثرت سے مسواک کرتا ہوں کہ مجھے ڈر رہتا ہے کہ منہ کی اگلی جانب (یعنی مسوڑوں) کو چھیل ڈالوں گا (احمد) ام المومنین حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت کے مرض وفات میں میرے بھائی عبدالرحمن آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ مسواک کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے عبدالرحمن رضہ سے مسواک لی۔ اس کو کاٹ کر چبایا اور حضور کے ہاتھ میں دی۔ آپ نے میرے سینہ سے ٹیک لگا کر مسواک کی (بخاری)

کوڑا جمع رکھنے کی ناگواری

عربی گھرانے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھنے میں سخت کاہل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ عادت چھوڑائی۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا حق تعالیٰ پاک و طیب

ہے۔ پاکیزگی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ کریم ہے۔ کرم کا طلب گار ہے۔ جواد ہے۔ جود و بخشش کو دوست رکھتا ہے۔ سو تم اپنے گھروں کے صحنوں کو پاک و صاف رکھو اور کوڑا جمع رکھنے میں یہود کی مشابہت نہ کرو (ترمذی) عربوں کی عام عادت تھی کہ راستوں اور عام گزرگاہوں میں بول و براز کر دیتے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی اور ان لوگوں کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا جو راستہ میں یا درختوں کے سایہ میں بول و براز کرتے ہیں (ترغیب و ترہیب منذری)

غسل جنابت کی تاکید

بہت سے عرب غسل جنابت نہیں کرتے تھے اور یہ کچھ ان پر موقوف نہ تھا بلکہ غیر مسلم تو کسی زمانے میں اس غسل کے پابند اور رمز شناس نہیں ہوئے لیکن سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کو مسلمان کا لازمی فرض قرار دیا اور اس بارہ میں نہایت تاکیدی احکام جاری فرمائے کہ ایسا شخص نہ تو قرآن اور نماز پڑھے اور نہ مسجد میں قدم رکھے بلکہ غسل سے پہلے بلا عذر کھانے پینے تک کی ممانعت فرمائی اور پھر یہ نہیں کہ آپ نے سرسری غسل کافی سمجھا ہو بلکہ تاکید فرمائی کہ بدن کا کوئی بال اور بال کی کوئی جڑ خشک نہ رہنے پائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت (نجاست) ہے۔ پس جس نے غسل میں بال برابر جگہ بھی دھونے میں چھوڑ دی اُس پر قیامت کے دن آگ مسلط کی جائے گی حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے میں نے حضور کی زبان مبارک سے یہ تاکید سنی میں اپنے بالوں کا دشمن ہو گیا ہوں۔ حضرت علی رضہ اپنے سر کے بال کترا تے تھے (ابن ماجہ)

مساجد کی صفائی و پاکیزگی اور ان کے معطر کرنے کا اہتمام

داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک میں صفائی و پاکیزگی بہت تھی جاہل نومسلم عرب جو تہذیب و شائستگی کے نام سے بھی ناآشنا نہ تھے اور انھیں احکام اسلامی کی بھی واقفیت نہ تھی۔ جب مسجد نبوی میں آتے تو بسا اوقات جہاں پاتے تھوک دیتے۔ آپ پر یہ بہت شاق ہوتا اور آپ چھڑی کی نوک سے ان دھبوں کو کھرچتے اور صاف کرتے

تھے۔ ایک مرتبہ مسجد کی دیوار پر دھبہ دیکھا تو آپ اس قدر ناخوش ہوئے کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا۔ ایک انصاری خاتون نے اس دھبے کو چھوڑایا اور چونکہ یہ دھبہ آپ کے رنج و ملال کا باعث ہوا تھا۔ اس لیے گھر سے خوشبو لائیں اور بڑے اہتمام سے مَل دی۔ آپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انصاریہ کی تحسین فرمائی (نسائی)

ایک مرتبہ آپ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں کھجور کی ٹہنی تھی۔ آپ نے مسجد میں بلغم دیکھا۔ آپ نے اس سے کھرچ ڈالا۔ اس کے بعد فرمایا خوشبو لاؤ۔ ایک انصاری نوجوان لپکا اور اپنے گھر سے خوشبو لے آیا۔ آپ نے اس خوشبو کو لکڑی کی نوک پر لگایا اور جس جگہ اس بلغم کا نشان تھا وہاں خوشبو لگا دی (مسلم) اور جب آپ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور مسجدوں کو معطر کرنے کا حکم دیا (ابن ماجہ)

بعض علماء نے عطر اور زعفران سے مسجد کا معطر کرنا مستحب بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھتے تو لوبان اور عُود کی دھونی کی جاتی۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زُبیر رضؓ نے کعبہ معلّٰی کی جزوی تعمیر کی تو اس کی دیواروں پر کستوری ملوائی۔

میلے کپڑوں اور پراگندہ بالوں پر اظہار ناپسندیدگی

اہل عرب بدویت کے اثر سے صفائی اور نظافت کا نام نہیں جانتے تھے اس لیے عموماً میلے کچیلے کپڑوں میں رہتے۔ اس بنا پر آپ کو خاص اس باب میں بہت کچھ افہام و تفہیم سے کام لینا پڑا۔

جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ ہم ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ ذات الرقاع کے لیے حضرت اقدس صلوٰت اللہ علیہ و سلامہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ہم ایک درخت کے نیچے اُترے ہوئے تھے۔ اتنے میں آپ بھی تشریف لائے۔ ہم نے گذارش کی یا رسول اللہ! یہاں ہمارے پاس سایہ میں آجائیے۔ ہمارے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔

جس کا ساماں سفر ہم نے مہیا کیا تھا اور اسے جانور چرانے پر متعین کر رکھا تھا۔ جب وہ ہمارے پاس سے جانور چرانے کے لیے جانے لگا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پھٹے پرانے کپڑے جو چندی چندی ہو گئے تھے دیکھ کر فرمایا کیا اس کے پاس اور کپڑے نہیں ہیں؟ میں نے کہا ہیں لیکن گٹھڑی میں بند ہیں۔ آپ نے فرمایا اس سے کہو وہ کپڑے پہن لے۔ میں نے اس کو بلایا۔ اس نے وہ کپڑے گٹھڑی سے نکال کر پہن لیے۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا خدا اس کی گردن مارے اس نے کپڑوں کی موجودگی میں چندیاں لگا رکھی تھیں۔ کیا اب پہلے سے بھلا معلوم نہیں ہوتا؟ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا یا رسول اللہ! میری آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں میری گردن کٹے۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ ہی کی راہ میں کٹے گی۔ چنانچہ اسی غزوہ میں اس کی گردن اللہ کی راہ میں ماری گئی۔ (موطائے مالکؒ)

اسی طرح مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ شخص کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے اپنا سر آراستہ کرے اور ایک شخص کو میلے کپڑوں میں دیکھ کر فرمایا کیا اسے پانی نہیں ملتا کہ اپنے کپڑے دھو لے؟ (ابوداؤد) ایک مالدار شخص آپ کے پاس آیا۔ اس کے کپڑے میلے تھے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کیا تم مالدار ہو؟ اس نے کہا ہاں مالدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ کہنے لگا اللہ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے، لونڈی، غلام سب کچھ دے رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ نے تمہیں مال و دولت سے نوازا ہے تو چاہیئے کہ اس کے انعام و اکرام کا اثر تم پر ظاہر ہو۔ (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی کا اتنا احساس تھا کہ قریب المرگ کے لیے بھی میلے کچیلے کپڑے پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جب مشہور صحابی حضرت ابو سعید رضی خدری کا وقت مرگ قریب آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ مردہ انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ جان دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک شخص جس کی داڑھی اور سر

کے بال پریشان تھے مسجد میں داخل ہوا۔ آپ نے اس کو اشارہ کیا کہ مسجد سے باہر جا کر بالوں کو درست کر کے آؤ۔ وہ بالوں کو سنوار کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہاری یہ حالت اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس طرح سر کے منتشر اور پراگندہ بالوں کے ساتھ آئے ؟ (موطائے مالک)

بدبو اور لہسن پیاز وغیرہ سے احتراز

حضرت ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو لہسن، پیاز، گندنا اور مولی سے بوجہ ان کی بو کے سخت نفرت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے لہسن یا پیاز یا گندنا کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ پھٹکے (ترمذی) اگر لہسن وغیرہ کی بو پکانے کے بعد بھی زائل نہ ہو تو بھی ان کا کھانا مکروہ ہے۔ مولی کا بھی یہی حکم ہے۔ بلکہ مولی ان سب سے بدتر ہے کیونکہ پیاز وغیرہ کی بو پکانے سے زائل ہو جاتی ہے لیکن مولی کی بو پکانے سے اور زیادہ پھیلتی ہے۔

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جتنی مدت تک حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کے مکان پر فروکش رہے۔ آپ کے لیے کھانا حضرت سعد بن عبادہ رضؓ (رئیس خزرج) اور حضرت سعد بن معاذ رضؓ (رئیس اوس) کے گھروں سے آتا رہا۔ ایک مرتبہ کسی صاحب کے ہاں سے بڑا پُر تکلف کھانا آیا جس میں لہسن پڑا ہوا تھا۔ چونکہ آپ کو بودار چیزوں سے نفرت تھی آپ نے تناول نہ کیا اور فرمایا کہ میرا ایک مصاحب ہے۔ اس کو اس طعام کی بو سے ایذا ہوتی ہے اس لیے میں اس کو نہیں کھاؤنگا۔ البتہ اصحاب کرام کو اس کے کھانے کی اجازت دیدی (سیرت ابن ہشام)

حضرت ابو ایوب رضؓ کا بیان ہے کہ جس قدر کھانا بچ رہتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بھیجدیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑا پیالہ بھیجا۔ چونکہ اس میں لہسن پڑا تھا آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا تھا۔ میں عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! کیا لہسن حرام ہے ؟ فرمایا نہیں لیکن میں اس کو اس کی بُو کی وجہ سے مکروہ رکھتا ہوں۔ ابو ایوب رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد لہسن کا استعمال قطعاً موقوف کر دیا اور اس کو گوارا نہ کیا کہ رسول خدا کی مکروہ

کی ہوئی چیز کو استعمال کروں (مسلم) گو کم وبیش کی روایتیں بھی ہیں لیکن صحیح ترین روایت یہ ہے کہ حضرت ابو ایوب رضہ کے مکان پر آپ کی اقامت سات مہینے رہی (جذب القلوب)

حضرت جابر انصاری رضہ سے مروی ہے کہ سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی لہسن یا پیاز کھائے اس کو چاہیئے کہ ہم سے یک سو رہے (یعنی ہماری مجلس میں شریک نہ ہو) یا آپ نے فرمایا کہ ہماری مسجد سے یک سو رہے یا فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے (بخاری و مسلم) بُو میں لہسن اور پیاز خوری سے بھی بڑھ کر حقہ اور سگرٹ نوشی ہے۔ پس جو کوئی حقہ یا سگرٹ پیئے اُسے اس وقت تک داخلہ مسجد سے پرہیز لازم ہے جب تک اطمینان نہ کرے کہ منہ کی بو جاتی رہی۔

غسل جمعہ کا مامور ہونے کا سبب

غسل جمعہ کے مامور ہونے کا سبب حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کی زبانی سنیئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اکثر صحابہ ناداری کی وجہ سے صوف (یعنی اونی کپڑا) پہنتے تھے اور اپنی پیٹھوں پر محنت مشقت کا کام کرتے تھے۔ ان ایام میں مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنی تھی اور مسجد تنگ تھی۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم گرما میں نماز جمعہ کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت نمازی اونی کپڑوں میں پسینے کے مارے تربتر ہو رہے تھے اور پسینے کی بو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اور نمازی اس کی وجہ سے بہت تکلیف میں تھے۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بو کا احساس ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! جمعہ کے دن غسل کر لیا کرو اور تم میں سے جس کسی کو تیل اور خوشبو میسر ہو وہ اس کو بھی استعمال کیا کرے۔ (ابوداؤد)

الغرض اس ناگوار بو کی وجہ سے غسل جمعہ بھی ایک شرعی حکم بن گیا۔ علامہ علی قاری رح فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد پسینے کی بدبو کی وجہ سے غسل جمعہ واجب ہوا۔ پھر جب مسلمانوں کو آسودگی میسر ہوئی اور یہ حالت جاتی رہی تو غسل جمعہ کا وجوب منسوخ ہوا اور اس کی سُنیت باقی رہی۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بدبودار چیز سے سخت اذیت محسوس فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے لیے سیاہ چادر تیار کی گئی

اور آپ نے پہنی - لیکن جب آپ نے اس میں صوف کی بُو پائی تو اس کو اُتار کر الگ کر دیا۔ (ابو داؤد)

استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ ملنے کی تعلیم

پیغمبر اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت مرحومہ کو جن اخلاقی تعلیمات سے نوازا اور شمائل و اطوارِ فاضلہ کے جو گُر بتائے اس کی نظیر جاہلی عرب اور دوسری مشرک قوموں میں تو بھلا کہاں مل سکتی ہے۔ آسمانی مذاہب (یعنی یہودیت و نصرانیت) میں بھی بالکل ناپید ہے۔ نظافت و پاکیزگی کی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ استنجا کرنے کے بعد گیلے ہاتھ زمین پر ملے جائیں۔ آپ کا اپنا طریق عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ قضائے حاجت کے بعد پہلے ڈھیلوں سے پھر پانی سے استنجا کرتے۔ اس کے بعد زمین پر ہاتھ رکھ کر مٹی سے خوب رگڑتے (ابن ماجہ) حضرت ابو ہریرہ رضہ کا بیان ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء کو جاتے تو پانی سے استنجا کرنے کے بعد اپنے ہاتھ زمین پر رگڑتے۔ اس کے بعد میں اور پانی لاتا جس سے آپ وضو فرماتے (ترمذی و ابو داؤد)

کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونے کا فرمانِ نبوی

ایک سنت یہ ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے اور اس سے فراغت پانے کے بعد ہاتھ دھوئے جائیں۔ بعض روایتوں میں ہاتھوں کے ساتھ منہ دھونا بھی مذکور ہے۔ چنانچہ کعب بن مالک صحابی رضہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو لیتے تھے (مسلم) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھو لیا کرو۔ (ترمذی) چاہیئے کہ کھانا کھانے کے بعد خوب مل کر ہاتھ دھوئیں تاکہ کھانے کی چکنائی زائل ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اس حال میں سوئے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہو جس کو اس نے دھویا نہ ہو اور پھر اس کو کوئی آفت پہنچے (یعنی کوئی جانور کاٹ کھائے) تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے کی ناپسندیدگی

مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کے آداب میں سے ایک ادب یہ تعلیم فرمایا کہ نہ تو برتن میں پھونکیں اور نہ اس میں سانس لیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ نے پانی پیتے وقت برتن کے اندر سانس لینے سے منع فرمایا (مسلم) آپ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ برتن میں دم لیا جائے یا پھونک ماری جائے (ابوداؤد و ابن ماجہ) آپ نے پینے کی ہر چیز میں پھونک مارنے کی ممانعت فرمائی تو ایک شخص کہنے لگا یارسول اللہ اگر پینے کی چیز میں کوئی تنکا وغیرہ ہو تو پھر پھونکنا روا ہے یا نہیں؟ فرمایا پہلے ان تنکوں کو گرادو وہ بولا یارسول اللہ! میں ایک دم پینے سے سیراب نہیں ہوتا یعنی سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ فرمایا کہ برتن کو منہ سے جدا کردو اور برتن کے باہر سانس لے کر پھر پینا شروع کردو (ترمذی و دارمی)

برتن کو کھلا رکھنے کی ممانعت

صفائی اور لطافت کا ایک مقتضا یہ ہے کہ کھانے پینے کا برتن ننگا نہ رہنے دیا جائے تاکہ اس میں کوئی چیز نہ گرے۔ مروی ہے کہ ابوحمید انصاری رض نقیع سے آپ کے پاس دودھ کا بھرا ہوا برتن لائے۔ پھر اس کو یونہی ننگا چھوڑ کر چلے گئے۔ واپسی پر آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے اس کو کیوں نہ ڈھک دیا۔ اگر کوئی اور چیز موجود نہ تھی تو اس پر ایک آڑی لکڑی ہی رکھ دیتے (بخاری و مسلم) صفائی و ستھرائی کا ایک ادب یہ ہے کہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی میں نہ ڈالے جب تک ان کو تین مرتبہ نہ دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ حالت خواب میں اس کا ہاتھ پاک جگہ میں رہا یا ناپاک مقام پر (مسلم)

کتے کے منہ ڈالنے پر برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم

طہارت اور پاکیزگی کا جو اہتمام و التزام اسلام میں ہے وہ کسی زمانہ کسی قوم اور کسی ملک میں کبھی نہیں ہوا۔ عرب کے زمانہ جاہلیت میں کتے سے کوئی احتیاط نہیں کی جاتی تھی۔ انصاریٰ کو اس کی نجاست کا کوئی احساس نہیں۔ اہل مغرب کتے کو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے

اور مرد و زن اس کا منہ چومتے ہیں۔ ملکی تقسیم سے پہلے یہ بات ہر روز مشاہدہ میں آرہی تھی کہ کتے ہندو حلوائیوں کے مٹھائی بنانے کے برتن چاٹتے تھے لیکن انھیں اپنے برتنوں کے نجس ہو جانے کا کبھی وہم و گمان بھی نہیں ہوتا تھا۔ داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے اس کی نجاست کو عالم آشکار کیا۔ آپ نے تطہیر نجاسات کے سلسلہ تعلیم میں فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال کر پیئے تو چاہیئے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھوئیں جن میں سے پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئیں (مسلم و ابوداؤد)

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک برتن کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے ایک اور حدیث کے بموجب فرمایا کہ تین مرتبہ کا دھونا بھی کافی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک مشہور جرمن سائنسدان نے جب سات مرتبہ برتن دھونے کی حدیث نبوی سنی تو وہ پیغمبر عربی علیہ السلام کی صداقت پر ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اس نے ایک مضمون میں لکھا کہ کتے کے کھانے پینے کے برتن میں اس کے منہ سے اتنے جراثیم کی تخلیق ہوتی ہے کہ جس کی نظیر کسی دوسرے نجس جانور کے جوٹھے میں نہیں ملتی۔

فصل ۷۷

نزول باران کو ستاروں کی تاثیر قرار دینا

امام محمد غزالیؒ لکھتے ہیں:-

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ طبیعت باری تعالےٰ کے حکم کی تابع ہے۔ بذاتِ خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اپنے خالق کی طرف سے جس کام پر مامور ہے۔ اسی میں سرگرم عمل ہے۔ اسی طرح سورج، چاند، ستارے، افلاک اور طبائع خالقِ ارض وسماء کے مطیع فرمان ہیں۔ ان میں بذاتہا کوئی فعل وتاثیر موجود نہیں ہے۔

طبیعیوں اور اہل نجوم کا خیال

لیکن اس کے برخلاف طبیعیون کہتے ہیں کہ تمام عالم، حرارت، برودت، یبوست اور رطوبت سے مرکب ہے اور دنیا کی فاعل حقیقی یہی چاروں طبیعتیں ہیں۔ اسی طرح اہل نجوم کا خیال ہے کہ سبع سیارہ یعنی آفتاب، ماہتاب، عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل میں سے ہر ایک سیارہ مستقل بالذات ہے۔ تمام موجودات میں اُنہی کی حرکت مؤثر ہے۔ وہی نفع پہنچاتی ہے اور نقصان۔ وہی مخلوقات کی پیدائش وتکوین کا ذریعہ ہے اور وہی مرگ وفنا کا سبب وباعث۔ غرض ارباب طبیعت اور اہل نجوم جملہ امور کو طبائع اور نجوم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

تین چیونٹیوں کی گفتگو

اس کے بعد امام غزالیؒ ان کی تردید میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال اُس چیونٹی کی سی ہے جو کاغذ پر چل رہی ہو اور دیکھے کہ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے اور نقش بنتے جاتے ہیں۔ وہ نگاہ اٹھا کر سرِ قلم کو دیکھے اور خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس فعل کی حقیقت معلوم کرلی ہے کہ قلم یہ نقوش کر رہا ہے۔ یہ مثال طبیعی کی ہے جو ادنےٰ درجہ کے محرک کے سوا

کسی کو نہیں پہچانتا۔

پھر ایک چیونٹی جس کی بصارت و نگاہ پہلی چیونٹی سے ذرا تیز ہو اس کے پاس آ کر کہے کہ تجھ کو غلط فہمی ہوئی۔ میں تو اس قلم کو کسی کا مسخّر دیکھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں کہ اس قلم کے سوا کوئی اور چیز ہے جو نقاشی کر رہا ہے۔ یہ بتلا کر دوسری چیونٹی نہایت خوش ہو اور کہے کہ میں نے اس کام کا راز اچھی طرح پالیا ہے کہ ہاتھ نقاشی کر رہا ہے نہ کہ قلم کیونکہ قلم تو ہاتھ کا مسخر ہے۔ یہ مثال اہل نجوم کی ہے کہ ان کی نظر طبیعی سے کسی قدر آگے تک پہنچی اور دیکھا کہ یہ طبائع ستاروں کے تابع اور اُن کے ماتحت ہیں۔ لیکن وہ اُن حدوں پر جو اس سے اوپر ہیں نہ پہنچ سکے۔

پھر ایک تیسری چیونٹی جو قریب ہی موجود ہو اُن کی گفتگو سن کر پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم دونوں غلطی پر ہو۔ ذرا نظر اُٹھا کر اوپر کو دیکھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ قلم اور ہاتھ کو حرکت دینے والی کوئی اور ہی ہستی موجود ہے کہ ہاتھ اور قلم جس کے ارادے سے حرکت کر رہے ہیں۔ یہ مثال اہل اسلام کی ہے جو فاعل حقیقی اور متصرف بالذات جملہ امور کا ذات احکم الحاکمین کو ملتے ہیں۔ ان کی نظر محسوسات و ممکنات تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ سب سے وراء الوراء، اعلیٰ اور بزرگ ترین ہستی کو ایجاد و تکوین کا باعث یقین کرتے ہیں کہ آفتاب ماہتاب اور ستارے جس کے حکم پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۚ (۱۶: ۱۲)	اور خدا ہی نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارا تابع کر رکھا ہے (یعنی تمھارے کام اور تمھاری خدمت پر لگے ہوتے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اُسی کے حکم سے تمھارے تابع فرمان ہیں۔

اہل نجوم کے نقش قدم پر

جاہلی عرب بھی اہل نجوم کی متابعت میں اسی اعتقاد پر جازم تھے کہ مینہ ستاروں کی تاثیر سے برستا ہے۔ لیکن حضرتِ صادق مصدوق علیہ التحیۃ والسلام نے لوگوں کے اس زعم باطل کی تردید کی اور انھیں بتایا کہ مینہ خالق لیل و نہار کی مرضی سے برستا ہے اس لیے طلب باران

کے لیے اُسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بارگاہ عالی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ میری امت میں چار امور جاہلیت کی یادگار ہیں جن میں ایک ستاروں سے طلب باراں کرنا ہے (مسلم)

حُدَیبیہ میں رات کو بارش ہوئی اور صبح تک فضا ابر آلود تھی۔ آپ نماز صبح سے فارغ ہو کر صحابہ کرام رضؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کیا جانتے ہو کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعض بندوں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ مجھ پر ایمان لائے اور بعضوں نے کفر کیا۔ پس جس کسی نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے مینہ برسا ہے اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور کواکب (کے تصرف) کا منکر ہوا اور جس نے کہا کہ ہم پر ایک ستارے کے ڈوبنے اور ایک کے طلوع کرنے کے باعث مینہ برسا ہے اُس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا (بخاری و مسلم)

جو کوئی یہ یقین رکھتا ہے کہ نجوم و کواکب کو دنیا کے کاروبار کے انصرام میں کوئی دخل ہے اس کا ایمان صحیح نہیں۔ کائنات کے نیک و بد اور انسانی کامیابی و ناکامی سے ستارے بالکل بے تعلق ہے۔ البتہ آفتاب و ماہتاب کے دوسرے بیشمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ ان سے نباتات اور حیوانات کی پرورش و نمو میں مدد ملتی ہے۔ جس طرح روح اور عقل سے مجرد ہونے کے باوجود آگ اور پانی میں اپنی اپنی تاثیر ہے۔ اسی طرح مکوّنِ کائنات عزاسمہٗ نے سورج اور چاند میں ان کے روح اور عقل سے خالی ہونے کے باوجود نباتات اور حیوانات پر اثر انداز ہونے کی خاصیت رکھی ہے۔

فصل ۸۷

نسئ (مہینوں میں تبدیلی) کی رسم

شمسی سال قریباً تین سو پینسٹھ دن کا اور قمری کچھ کسر تین سو چوّن دن کا ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں قمری سال شمسی سے بقدر ⅟۴ ۱۱ دن چھوٹا ہے۔ تمام عبادات، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام معاملات مثلاً عدت وغیرہ میں قمری سال ہی ہمیشہ بارہ مہینے معتبر رہا ہے۔ ان بارہ مہینوں میں چار مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ادب و محترم کے مہینے تھے جن میں تین تو متواتر ہیں اور ایک رجب سال کے درمیان آتا ہے۔

تلبیس ابلیس ۸۵ سطر ۳

ان مہینوں کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب میں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ تمام ادیانِ عرب یہود، نصاریٰ، بت پرست، ستارہ پرست وغیرہم برابر ان کی عزت کرتے تھے اور ان میں لڑائی بھڑائی اور قتل و غارت کو حرام و ممنوع سمجھتے تھے لیکن چونکہ لوٹ مار اکثر عربی قبائل کا ذریعہ معاش تھی اور رزم و پیکار بھی ایک قومی شعار بن گیا تھا اس لیے لگاتار تین مہینے (ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم) ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا عربی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لیے جاہلی عرب حیلہ گری کے اسلحہ تیز کر کے اپنی مرضی کے مطابق ان مہینوں کو ہٹانے سرکانے لگے۔

چنانچہ ذہنیت کی اس تبدیلی کے بعد جب حج کا مہینہ (ذو الحجہ) گزر جاتا تو آغاز محرم ہی سے قتال اور غارت گری کو جائز کر لیتے اور محرم کے بجائے صفر میں محاربہ و مقاتلہ اور غارت گری سے دست بردار رہتے۔ اس تبدیلی کو انھوں نے نسئی کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔

کتاب "تاریخ اخلاق اسلامی" میں نقل کیا ہے کہ یہ تبدیلی معمولی اشخاص کے دستِ

اختیار میں نہیں تھی بلکہ جب تمام لوگ منیٰ سے واپس ہوتے تھے تو بنو کنانہ کا ایک سردار جس کا نام نعیم بن ثعلبہ تھا کھڑا ہو کر کہتا تھا کہ میں وہ شخص ہوں جس پر کوئی عیب نہیں لگایا جاتا اور اس کے فیصلے رد نہیں کئے جاتے۔ اس کے بعد لوگ مہینوں کی تبدیلی کی درخواست کرتے اور وہ یہ تبدیلی کر دیتا۔

چونکہ تاخیر و تبدیل کی یہ ساری کارروائی احکام خداوندی سے اعراض اور سراسر نفس امارہ کی غلامی پر مبنی تھا۔ اور کفار مکہ نے عملی طور پر اشہر حُرم کا ادب و احترام چھوڑ دیا تھا اس لیے مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو بھی رزم و پیکار کی اجازت مل جائے۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے بموجب سورۂ توبہ کی ۳۶ ویں اور ۳۷ ویں آیتیں نازل ہوئیں جن میں ارشاد ہوا (ترجمہ) تم مسلمان سب مشرکوں سے (ہر مہینے میں) لڑو۔ جس طرح وہ تم سب سے (ہر مہینے میں) رزم خواہ ہوتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کا ئسر کا دینا بھی کفر میں زیادتی کا موجب ہے۔ جس کی وجہ سے کافر دین کے راستے سے گمراہ ہوتے رہتے ہیں۔ کافر اس مہینے کو ایک برس حلال سمجھتے ہیں اور پھر اسی کو دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں۔ اس سے ان کی یہ غرض ہوتی ہے کہ اللہ نے جو (یہ مہینے) حرام کئے ہیں صرف ان کی گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیں۔ ان کو اپنی بداعمالیاں مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو توفیق ہدایت نہیں دیتا۔"

الغرض اب ہر مہینے میں کفار سے معرکہ آرا ہونا جائز ہے۔

فصل ۷۹

نسبت الیٰ غیر اللہ

جاہلی عربوں کی ایک حماقت یہ تھی کہ گھر میں امید داری کے ایام میں خدائے قدوس سے فرزند نرینہ کی اور اس کے صحیح و سالم پیدا ہونے کی دعائیں کرتے رہتے۔ لیکن جب وہ حسب تمنّا و آرزو پیدا ہوتا تو اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے لگتے۔ خدائے عزیز و برتر اپنے کلام مُبین میں فرماتا ہے۔

(ترجمہ) اور اللہ ایسا (قادر و منعم) ہے جس نے تم لوگوں کو ایک تنِ واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا (حوّا) بنایا تاکہ وہ اپنے جوڑے سے اُنس حاصل کرے۔ جب میاں بیوی سے قربت کرتا ہے تو اس کو ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے۔ سو وہ اس حمل کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہتی ہے۔ پھر جب حمل کی وجہ سے بوجھل ہو جاتی ہے تو میاں بی بی اللہ سے جو اُن کا مالک ہے دعا کرنے لگتے ہیں کہ خدایا! اگر تو ہم کو صحیح و سالم اولاد عطا کرے گا تو ہم تیرا بڑا احسان مانیں گے۔ سو جب حق تعالےٰ ان کو صحیح و سالم فرزند عطا فرماتا ہے تو اس اولاد میں جو خدا نے ان کو عنایت کی اُس کے شریک قرار دینے لگتے ہیں۔ سو خالق کردگار کی ذات ان کے شرک سے بہت بلند و ارفع ہے (سورۂ اعراف آیات ۱۸۹-۱۹۰)

بعض نے لکھا ہے کہ ان دو آیتوں میں قریش کی شاخ آلِ قصیّ کو خطاب ہے۔ یعنی اے قریش! ہم نے تم کو ایک نفس یعنی قصیّ سے پیدا کیا اور قصیّ کی خواہش کے بموجب اسی کی جنس سے عربیہ، قُرشیہ بیوی عطا کی۔ پھر جب جیتی جاگتی اولاد پیدا ہوئی تو ان کے نام عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد الدار رکھنے لگے (معاذ اللہ)۔ لیکن اسلام نے ایسے ناموں کو شرک قرار دیا اور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ بہترین نام عبد اللہ، عبد الرحمٰن، عبد الرحیم وغیرہ ہیں۔

اور اس شرک فی التسمیہ کا ارتکاب کچھ کفار قریش پر ہی منحصر نہ تھا بلکہ دورِ حاضر کے اکثر پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان بھی اُسی مشرکانہ رنگ میں غرق ہیں جس میں کفارِ جاہلیت رنگے ہوئے تھے۔ ہندو عورتیں مندروں پر جاکر اور مُسلمات اپنے بزرگوں کی قبروں پر حاضر ہوکر تولدِ فرزند کی منتیں مانتی ہیں۔ آخر جب خالق انس و جان صحیح و سالم فرزند عطا کرتا ہے تو ہندو عورتیں کہتی ہیں کہ فلاں بت کی منت مانی تھی۔ اُس نے بیٹا دیا اور مسلمان عورتیں کہتی ہیں کہ فلاں ولی نے فرزند عطا کیا اور اصلی مُعطی جل جلالہٗ کو یہ لوگ طاقِ نسیان پر رکھ دیتے ہیں۔

اور چونکہ ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہی شرک ہے اس لیے اپنے لڑکوں کے نام بھی مشرکانہ ہی تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً پیر بخش، پیراں دتا، عطا محی الدین، عطا اللہ، بندہ علی، عبدالرسول وغیرہ اور اس وقت عام حالت یہ ہے کہ جونہی کسی کے گھر فرزند متولد ہوتا ہے اس کے والدین غیر اللہ کی نذر و نیاز کرنے لگتے ہیں۔ کوئی مولود کو کسی بزرگ کی قبر پر اور کوئی کسی کے تھان پر لے جاتا۔ کوئی کسی کی چوٹی رکھتا ہے۔ کوئی کسی کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کی بدّی پہناتا ہے اور کوئی کسی کا فقیر بناتا ہے۔

فصل ۸۰

نغمہ و سرود سے شغف

فاسقانہ کلام کی ناپسندیدگی

جاہلی عرب گانے بجانے کے بڑے دلدادہ تھے۔ ان کے ہاں جو گانے گائے جاتے تھے۔ ان کے مضامین عموماً کفر و شرک، فسق و فجور اور عشق و محبت پر مشتمل ہوتے تھے۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فحش اور فاسقانہ اشعار کی ممانعت کی اور اچھے اشعار کو پسند فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے شعر کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا اچھا شعر اچھا اور برا شعر برا ہے۔

فحش قسم کے راگ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ غناء دل میں نفاق کی اسی طرح آبیاری کرتا ہے۔ جس طرح پانی کھیتی کو نشو و نمو بخشتا ہے (بیہقی فی الشعب) ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے۔ ناگہاں ایک شاعر آپ کے سامنے آیا جو (کفر و شرک سے بھرے ہوئے اور عاشقانہ اور فاسقانہ قسم کے) اشعار گا رہا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ پکڑو اس شیطان کو یا فرمایا کہ یہ شیطان جانے نہ پائے (مسلم) اور فرمایا کہ بلا شبہہ تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور وہ اس کو تباہ کر دے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ کوئی شخص اپنے باطن کو برے اشعار سے مملو کرے (مسلم)

مزامیر کی ممانعت

نافع رح کا بیان ہے کہ میں حضرت ابن عمر رض کے ہمرکاب جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک جگہ انھوں نے بانسری کی آواز سنی۔ معاً اپنے دونوں کان انگلیوں سے بند کر لیے۔ جب ہم راہ سے دوسری طرف دور ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ اے نافع! کیا ہنوز بانسری کی آواز گوش زد ہو رہی ہے۔ میں نے کہا کہ اب تو آواز نہیں آتی ۔ یہ

سن کر انگلیاں کانوں سے اُٹھالیں اور فرمایا کہ مجھے سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شرف رفاقت نصیب ہوا۔ اس اثناء میں آپ نے بانسری کی آواز سنی اور آپ نے بھی اسی طرح کیا۔ جیسے میں نے کیا ہے۔ نافع رح کہتے ہیں کہ میں اس وقت صغیر السن تھا۔ (احمد و ابو داؤد)

امام ابن جوزی رح یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رض کا یہ فعل اُس آواز پہ تھا جو اعتدال سے خارج نہیں کر دیتی تو عہد حاضر کے غناء اور باجوں کی نسبت تو بس چپ ہی بھلی ہے۔

دف بجانے کا امتناع

علماء نے لکھا ہے کہ عید کے دن اور شادی کی تقریب میں دُف بجانا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ ابو الحسن سعد الحرّ بن محمد انصاری نے کتاب السنن ابن ماجہ میں بروایت یحییٰ بن العلاء بیان کیا کہ انھوں نے صفوان بن اُمیہ رض سے سنا کہتے تھے کہ ہم ایکبار بارگاہ نبوت میں حاضر تھے۔ اتنے میں عمرو بن قرہ نے آکر التماس کی یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ تعالیٰ نے شقاوت اور بدبختی مقرر فرمائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ کو دف بجائے بغیر رزق نہیں مل سکتا۔ آپ مجھ کو غناء کی اجازت دے دیجئے۔ میں فحش گیت نہیں گاؤں گا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تجھے اجازت نہ دوں گا اور نہ تیری عزت کروں گا اور نہ نظر شفقت سے دیکھوں گا۔ اے خدا کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے اللہ تعالےٰ نے تجھ کو حلال اور پاک رزق عطا فرمایا ہے اور تو خدا کے رزق میں سے حرام کو اختیار کرتا ہے۔ اگر میں تجھے اس سے پہلے ممانعت کر چکا ہوتا تو اس وقت تجھ سے بُری طرح پیش آتا۔ میرے پاس سے اُٹھ کھڑا ہو اور جا کر خدا کے حضور میں توبہ کر اور یاد رکھ کہ اب اگر اس فہمائش کے بعد تو نے ایسا کیا تو میں تجھ کو دردناک مار ماروں گا اور تیرا منہ بگاڑ دوں گا اور تجھ کو تیرے گھر بار سے علیحدہ کر کے شہر بدر کروں گا اور تیرا رخت و اسباب نوجوانانِ مدینہ پر

لٹواؤں گا۔

عمرو بن قرہ وہاں سے نہایت غم زدہ اور اندوہگین اُٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد آپ نے فرمایا یہی لوگ عاصی اور نافرمان ہیں۔ ایسے لوگوں میں سے جو کوئی بغیر توبہ کے مرے گا۔ خدائے عزیز حشر کے دن اس کو برہنہ اُٹھائے گا۔ اس کے بدن پر ایک چیتھڑا بھی نہ ہوگا۔ جب کھڑا ہونے لگے گا تو لڑکھڑا کر گر پڑے گا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن قرہ کے خلاف جس شدت سے اظہار ناراضی فرمایا آپ کی سیرت مبارکہ میں اس شدتِ غیظ کی کوئی نظیر نہیں مل سکے گی۔ اس غیر معمولی غضب اور ناگواری کی وجہ اس کی تین جسارتیں تھیں (۱) خود شارع علیہ السلام سے گانے بجانے کی اجازت مانگنا (۲) اس یقین کا اظہار کہ مکوّنِ کائنات نے اس کو شقاوت و بدبختی پر مجبور و مجبول کر دیا ہے (۳) اس کا یہ جھوٹا دعوےٰ کہ رزّاق علی الاطلاق نے دف بجانے کے سوا اس پر رزق رسانی کے تمام وسائل بند کر رکھے ہیں۔

غناء کی خرابیاں

امام ابن جوزیؒ رقم طراز ہیں کہ راگ میں دو امور جمع ہوتے ہیں۔ ایک تو دل کو اللہ سبحانہ کی عظمت میں غور کرنے اور اس کی خدمت میں قائم رہنے سے غافل کر دیتا ہے۔ دوسرے دل کو لذّاتِ عاجلہ اور جمیع شہواتِ حسیّہ کے پورا کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ حسّی شہوتوں میں سب سے بڑی شہوتِ جماع ہے اور جماع کی کامل لذت نئی عورتوں میں ہے اور نئی عورتوں کا حلال ذریعہ سے حاصل ہونا دشوار ہے۔ لہٰذا انسان کو زنا پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث نبوی میں ہے کہ الغناء رُقیۃ الزنا (راگ زنا کا فسون ہے)

الغرض راگ عقل میں تغیر لاتا اور طبیعت کو اعتدال سے خارج کر دیتا ہے چنانچہ جب انسان طرب و نشاط میں آتا ہے تو صحت ہوش و حواس کے باوجود ایسی حرکتیں کر گزرتا

ہے جو عقل سلیم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ مثلاً سر ہلانا، تالی بجانا، زمین پر پاؤں مارنا وغیرہ افعال جن کے رکیک عقل والے مرتکب ہوتے ہیں۔

مذاہب اربعہ میں راگ کا امتناع

راگ سننا اہل سنت کے چاروں مذاہب میں ممنوع ہے۔ حسب بیان ابن جوزی امام ابو حنیفہ رح نے غناء کو مکروہ بتایا اور راگ سننے کو گناہ قرار دیا ہے۔ کوفہ کے دوسرے ائمہ ابراہیم، نخعی، شعبی، حماد اور سفیان ثوری رح کا بھی یہی مسلک ہے۔ مذہب شافعی کی نسبت حسن بن عبدالعزیز جروی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد بن ادریس شافعی رح سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں عراق میں ایک چیز چھوڑ کر آیا ہوں جس کو زندیقوں نے ایجاد و اختراع کیا ہے اور اس کا نام تغیر رکھا ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن سے باز رکھتے ہیں۔ حسب بیان ابو منصور ازہری انھوں نے ذکر الٰہی کے اشعار کا جن پر ان کو طرب آتا ہے تغییر نام رکھا ہے۔

مالکی مذہب کی نسبت اسحٰق بن عیسےٰ کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک رح سے اُس غناء کی نسبت سوال کیا جس کی اہل مدینہ اجازت دیتے ہیں تو جواب دیا کہ یہ فعل فاسقوں کا ہے۔ ابو الطیب طبری نے کہا کہ امام مالک رح نے راگ سننے سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر کسی نے لونڈی خریدی ہے اور بعد میں ثابت ہوا کہ وہ گاتی ہے تو مشتری کے لیے جائز ہے کہ اس عیب کی وجہ سے اس کو لوٹا دے۔ ابراہیم بن سعدؒ کے سوا تمام علمائے مدینہ کا یہی مذہب ہے۔

امام احمد رح کے نزدیک بھی راگ ممنوع ہے۔ کسی نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی ایک بیٹا اور ایک گانے والی لونڈی چھوڑ کر مر گیا۔ لڑکے کو اس لونڈی کے فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اب وہ بوقت فروخت اس کے مغنیہ ہونے کی صفت ظاہر کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام احمد رح نے جواب دیا کہ گانے والی ظاہر کر کے نہ بیچی جائے گی۔ مستفتی نے کہا کہ مغنیہ کہنے کی حالت میں اُس کی قیمت تیس ہزار درم وصول ہو گی لیکن اگر اس کی یہ صفت ظاہر نہ کی جائے تو شاید بیس دینار سے زیادہ کوئی

اس کی قیمت نہ دے گا۔ امام رح نے فرمایا کہ اس کے فن موسیقی جاننے کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔

امام ابن جوزی رح یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ امام احمد رح نے یہ فتوےٰ اس بنا پر دیا کہ گانے والی لونڈی لوگوں کو زہدیہ قصیدے نہیں سنائے گی بلکہ وہ اشعار گائے گی جو طرب انگیز ہوں اور طبائع کو عشق پر برانگیختہ کریں۔ یہ غنا کے ممنوع ہونے کی کافی دلیل ہے اور اگر ممنوع نہ ہوتا تو امام احمد رح یتیم مذکور کے مالی نقصان کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ اس قول کی مثال حضرت طلحہ انصاری رض کا قول ہے۔ انھوں نے بارگاہ نبوت میں گذارش کی تھی یا رسول اللہ! میرے پاس یتیموں کی شراب رکھی ہے۔ اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو بہا دو۔ اگر شراب سے نفع اُٹھانا جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و یتیموں کا مال ضائع کرنے کا حکم نہ دیتے۔

امتناع غناء کا ثبوت کتاب اللہ سے

امام ابن جوزی رح فرماتے ہیں کہ علمائے حنبلیہ نے تین آیتوں سے راگ کے مکروہ و ممنوع ہونے پر استدلال کیا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۳۱: ۶)	اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی (نالائق) ہے جو واہیات خرافات باتوں کا خریدار بنتا ہے تاکہ (لوگوں کو سنا کر) بے سمجھے بوجھے راہ خدا سے بھٹکائے اور آیات الٰہی کی ہنسی اڑائے۔ یہی لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن ذلت کی سزا ملے گی۔

سعید بن جُبَیر تابعی رح کا بیان ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رض سے مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ کے معنی پوچھے تو انھوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ وہ راگ ہے اور عطا بن سائب نے سعید بن جُبَیر سے ادھر انھوں نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ لَهْوَ الْحَدِيثِ سے مراد غناء اور اس کے مشابہ اور چیزیں ہیں اسی طرح

مجاہد نے کہا کہ لہوالحدیث کے معنی غنا ہیں۔ سعید بن بشار کا بیان ہے کہ میں نے عکرمہ سے لہوالحدیث کے بارہ میں سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ راگ ہے۔ حسن بصری، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔

خود حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غناء کی ممانعت پر اس آیت سے استدلال فرمایا۔ چنانچہ امام ابن جوزی رح لکھتے ہیں کہ علی بن یزید نے قاسم بن ابی اُسامہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے والی لونڈیوں کے خریدنے اور بیچنے اور تعلیم کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ ان کی قیمت حرام ہے اور پھر یہ آیت پڑھی ومن الناس من یشتری الخ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی طرف دو شیطان بھیجتا ہے۔ وہ دونوں اس کے اوپر سوار ہو جاتے ہیں۔ ایک اس جانب اور دوسرا دوسری جانب ہوتا ہے اور اپنے پاؤں گانے والے کے سینے پر مارتے رہتے ہیں حتیٰ کہ گانے والا خاموش ہو۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزّ و جلّ نے مغنیّہ لونڈی کا خریدنا اور فروخت کرنا اور تعلیم دینا اور اس کا راگ سننا سب حرام کر دیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ ومن الناس من یشتری لہو الحدیث

بعثت نبوی کا مقصد مزامیر کا ہدم و کسر

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک نغمہ کی آواز دوسرے مصیبت کے وقت کی آواز اور عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ سید انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو حماقت اور فجور سے مملوہ دو آوازوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ایک نغمہ کی آواز سے۔ دوسرے مصیبت میں چیخ کر رونے اور منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے اور شیطانی نوحہ کرنے سے منع کیا ہے اور عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالےٰ نے مزمار (یعنی مطربوں کے

معاذ) اور طبلے کے تباہ کرنے کو مبعوث فرمایا ہے اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ مزامیر کے توڑ ڈالنے کو بھیجا ہے۔

غناء کی محظوریت پر علماء کے مزید اقوال و آراء

صحابہ و تابعین گانے بجانے سے بہت متنفر تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کچھ لوگوں پر گذرے جو احرام باندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک آدمی گا رہا تھا۔ کہنے لگے خدا تمھاری نہ سنے۔ اور کسی نے جلیل القدر تابعی قاسم بن محمد سے غناء کے بارے دریافت کیا۔ جواب دیا کہ میں تم کو غناء سے منع کرتا ہوں اور تمھارے لیے اس کو برا جانتا ہوں۔ وہ بولا کیا گانا حرام ہے۔ قاسم رحہ نے فرمایا برادر زادے! جب خدائے برتر نے حق اور باطل میں تمیز کر دی تو تم غناء کو ان میں سے کس میں داخل کرو گے؟

شعبی نے کہا کہ گانے والے اور گوانے والے دونوں پر لعنت ہے۔ فُضیل بن عیاض رحہ کا قول ہے کہ غناء زنا کا منتر ہے۔ ضحاک رح نے کہا کہ غناء دل کو خراب کرتا ہے اور خدا کی ناراضی کا موجب ہے۔ یزید بن ولید نے کہا کہ اے بنی اُمیہؓ! غناء سے دور رہو کیونکہ غناء شہوت کو بڑھاتا اور آدمیت کی بنیاد ڈھاتا ہے اور شراب کا قائمقام ہے اور نشہ کا عمل کرتا ہے اور اگر تم اس سے باز نہ رہو تو کم از کم عورتوں کو اس سے دور رکھو کیونکہ غناء حرام کاری کی طرف بلاتا ہے۔

اور خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے اپنے بیٹے کے اتالیق کو لکھ بھیجا کہ تمھاری تعلیمات میں سب سے مقدم یہ چیز ہو کہ ملاھی سے سخت نفرت رکھیں۔ ملاھی کا آغاز شیطان کی طرف سے ہے اور اس کا انجام خدائے برتر کی ناراضی ہے۔ میں نے علمائے ثقات سے سنا ہے کہ گانے بجانے کی محفل میں جانا اور راگ سننا اور اس کا دلدادہ ہونا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح گھاس کو پانی اُگاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس)

فصل ۸۱

وصیت میں ظلم و بے انصافی

خویش و اقارب کے لیے وصیت کر جانے کا فرمان

زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ شہرت و نام آوری کے خیال سے غیروں کے لیے اپنے سارے مال کی وصیت کیا کرتے تھے اور ماں باپ خویش و اقارب سب کو محروم کر جاتے تھے۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قطعی ممانعت فرمائی اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ (ترجمہ) تم پر لازم کیا جاتا ہے کہ اگر کچھ مال چھوڑا ہے تو پیامِ مرگ قریب الوقوع معلوم ہوتے وقت والدین اور دوسرے اقارب کے لیے معقولیت کے ساتھ (یعنی مجموعہ تہائی سے زیادہ نہ ہو) وصیت کر جاؤ یہ پرہیزگاروں کے لیے ضروری ہے (البقرہ آیت ۱۸۰)

اس حکم سے رسمِ جاہلیت کے بطلان کے ساتھ ہی والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو جائز وصیت کرنا فرض ہو گیا۔ اس کے بعد جب (النساء آیت ۱۲ میں) میراث کا حکم نازل ہوا اور اللہ تعالےٰ نے سب کے حِصّے مقرر کر دیے تو ورثاء کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ البتہ اپنے کل مال کی تہائی تک وصیت کرنے کا اب بھی اختیار ہے اور وارثوں کی رضامندی سے اس میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے

تہائی سے زائد کی وصیت کا امتناع

اسلام نے وارثوں کو اُن کا پورا حق دلانے کا بڑا اہتمام کیا ہے اور کسی مُوصی کو اجازت نہیں دی کہ تہائی سے زائد مال کی وصیت کر کے وارثوں کی حق تلفی کرے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں فتح مکّہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ کنارۂ موت پر پہنچ گیا۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو

تشریف لائے۔ میں نے گذارش کی یا رسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے۔ اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں اس لیے میرا مقصد ہے کہ تمام مال کے فی سبیل اللہ ہونے کی وصیت کر جاؤں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے کہا اچھا دو تہائی کے لیے وصیت کر جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں عرض پیرا ہوا اچھا نصف مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے اس سے بھی انکار کیا۔ میں نے التماس کی کہ اچھا تہائی مال فی سبیل اللہ دے جاؤں؟ فرمایا خیر تہائی کی وصیت کر دو اور تہائی بھی بہت ہے اور فرمایا کہ اگر اپنے وارثوں کو متمول چھوڑ جاؤ تو یہ اُس حالت سے کہیں بہتر ہے کہ اُن کو مفلس چھوڑ جاؤ کہ لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلاتے پھریں اور یاد رکھو کہ جو مال بھی تم خدا کی رضا جوئی میں خرچ کرو گے اُس کا تمہیں ثواب ملے گا یہاں تک کہ تم اُس لقمے پر بھی ماجور ہو گے جو تم نے اپنی بیوی کے منہ میں ڈالا ہو گا (بخاری و مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ میں بیمار تھا۔ آنحضرت میری خبر پوچھنے کو آئے۔ (دوران گفتگو میں) آپ نے فرمایا کیا تم نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ پوچھا کس قدر؟ میں عرض پیرا ہوا اپنا تمام مال فی سبیل اللہ چھوڑ جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے کہا وہ سب مالدار ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ دسویں حصّے کے فی سبیل اللہ دینے کی وصیت کر دو۔ میں کم سمجھ کر زیادہ مال کیلیے برابر اجازت مانگتا رہا یہاں تک کہ آپ نے تہائی مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے (ترمذی)

وارث کو محروم الارث کرنے کی کوشش

بعض لوگ کسی حیلے سے اپنے وارث یا وارثوں کو ارث سے محروم کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے لیے ہلاکت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارِثِهِ قَطَعَ اللّٰهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان (جو کوئی دنیا میں اپنے وارث کی میراث کاٹے گا خدائے عزیز قیامت کے دن اُس کی میراثِ بہشت قطع کر دیگا) یعنی

مومن دارِ آخرت میں جنت کا وارث بننے والا ہے لیکن جو مسلمان اپنے وارث کو میراث سے محروم رکھنے کی کوشش کرے گا خدائے شدید العقاب اس کو میراثِ جنت سے محروم کر دے گا۔

بیٹے کو عاق کرنا

بعض لوگ اپنے ناخلف و بے فرمان بیٹے سے ناخوش ہو کر اس کے محروم الارث ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ اس کو اصطلاحِ عام میں عاق کرنا کہتے ہیں۔ یہ اقدام بھی حرام و ممنوع ہے۔ کوئی فاسق فاجر اُس وقت تک محروم الارث نہیں ہو سکتا جب تک وہ اسلامی عقائد میں ہمارے ساتھ مشارکت رکھتا ہے۔ یعنی مسلمان ہے۔ بہت سے لوگ اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیبیوں کا حقِ میراث غصب کر لیتے ہیں وہ بھی متذکرۂ صدر وعید میں داخل ہیں۔ آج ہماری جو مائیں اور بہنیں دنیا میں ہمارے حال پر اس قدر شفقت رکھتی ہیں۔ وہی کل قیامت کو اپنے مغصوبہ حق وراثت کے لیے دربار خداوندی میں بحیثیت مستغیث کھڑی دکھائی دیں گی اور ہم ان کا حق غصب کرنے والے مجرموں کے کٹہرے میں ذلت و خسران کا لباس پہنے دکھائی دیں گے۔ اعاذنا اللہ

وصیت میں ضرر رسانی

حضرت ابو ہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض عورتیں اور مرد ساٹھ برس تک اللہ کی بندگی کرتے رہتے ہیں۔ پھر مرنے کے وقت وصیت کرنے میں ضرر رسانی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں تو ان دونوں کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے (احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ) اگر ورثاء موصی کے مرنے کے بعد کسی تدبیر سے اپنا پورا حق وصول کر لیں اور ظالمانہ وصیت کے ضرر سے محفوظ رہیں تو بھی موصی دارِ آخرت میں اپنی بدسگالی کے وبال سے نہ بچ سکے گا۔

موصی کی ضرر رسانی کی تین صورتیں ہیں۔ یا تو کسی اجنبی شخص کے لیے تہائی

مال سے زیادہ کی وصیت کر جائے۔ یا اپنے کسی وارث کو جسے ترکہ میں سے میراث کا حصہ ملتا ہے وصیت کرے۔ یہ دونوں وصیتیں غیر معتبر ہیں۔ نقصان پہنچانے کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی دوست کو مالی منفعت پہنچانے کی غرض سے کہہ جائے کہ فلاں شخص کا میرے ذمے اتنا قرض ہے حالانکہ اُس سے کوئی قرض نہ لیا ہو۔ یہ وصیت بھی باطل ہے۔ البتہ اگر وہ اس دوست کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تہائی مال میں سے کسی قدر اس کے لیے وصیت کر جائے۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرما ہیں کہ بعض کی عادت ہے کہ وصیت کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور وارث کو محروم رکھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ ہمارا مال ہے جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ان کے بیمار ہوتے ہی اس کے مال سے وارثوں کے حقوق وابستہ ہو جاتے ہیں اللہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص وصیت کرتے وقت خیانت کرے گا۔ وہ ویل میں پھینکا جائے گا اور ویل دوزخ ایک جنگل کا نام ہے۔ اور اعمش نے خیثمہ سے روایت کی ہے کہ خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کہتا ہے کہ فرزند آدمی مجھ پر غالب نہیں آتا اور اگر غالب بھی آتا ہے تو میں اس کو تین باتوں کا حکم کرتا ہوں۔ مال کا غیر حق سے لینا۔ غیر حق میں صرف کرنا اور حق میں خرچ کرنے سے باز رکھنا۔ (تلبیس)

وصیت نامہ لکھ رکھنے کی پسندیدگی

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی ایسی چیز کا مالک ہو جو وصیت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کو یہ زیبا نہیں کہ اس پر دو راتیں اس حالت میں گذر جائیں کہ اس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا موجود نہ ہو (بخاری و مسلم) یعنی جس پر لوگوں کا قرض یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ اپنے پاس اس کی وصیت لکھ رکھے تاکہ اس کی رحلت کے بعد اس کے وارث اس پر عمل کریں۔ اگر لوگوں کی رقمیں کسی کے ذمے واجب الادا ہوں تو اس کے لیے وصیت لکھ رکھنا واجب ہے اور اگر کسی کا لینا دینا نہ ہو تو وصیت کو ضبط تحریر میں رکھنا مستحب ہے۔

فصل ۸۲

یادگاروں اور مزارات کی تعظیم میں افراط

اہل کتاب کا قبروں کو سجدہ گاہ بنانا

بعثت نبوی کے وقت دنیا میں ہر طرف کفر و شرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی یہاں تک کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی نعمت توحید سے محروم ہو چکے تھے۔ اس وقت یہودیت و نصرانیت کا کوئی دینی تصور بھی الیسا نہ تھا جو افراط یا تفریط سے خالی ہو یہودیوں اور عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کے مزاروں اور یادگاروں کی تعظیم و تکریم میں جو افراط کی تھی وہ شرک و وثنیت کی حد تک پہنچ گئی۔ مرض وصال کی شدت کرب میں جبکہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی الٹ دیتے تھے۔ یہ الفاظ آپ کی زبان پر تھے۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (بخاری ومسلم)

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا

یوں تو عیسائیوں کے بے شمار فرقے ہیں لیکن ان میں زیادہ مشہور دو فرقے ہیں رومن کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ۔ عہد رسالت میں مسیحیت اور کیتھولک دونوں لفظ مرادف سمجھے جاتے تھے کیونکہ پروٹیسٹنٹ فرقہ ہنوز عرصہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ وہ بعثت سے بہت پیچھے یعنی ۱۵۲۹ء میں ظاہر ہوا ہے۔ رومن کیتھولک گرجوں میں حضرت مسیح علیہ السلام۔ حضرت مریم اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں رکھی رہتی ہیں جن کی پرستش کی جاتی ہے۔

اسلام کا اولین فرض بت پرستی کا استیصال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا تھے تو اس وقت بھی شرک کی بیخ کنی کا مسئلہ سب

سے زیادہ آپ کے پیشِ نظر تھا۔ جن نفوسِ قدسیہ نے کفارِ قریش کی ستم رانیوں سے تنگ آکر مکہ سے حبشہ کو ہجرت فرمائی تھی اُن میں اُم المومنین ام سلمہؓ اور ام المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی داخل تھیں۔ ان دونوں نے حبشہ میں ایک عظیم الشان گرجا دیکھا تھا جس کو ماریہ کہتے تھے۔ جب آپ نے فرمایا کہ اہلِ کتاب قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں تو حسبِ روایت بخاری و مسلم ان دونوں نے ماریہ کا اور اس کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ نے شدتِ کرب کے باوجود اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے (جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہیں) تو اس کی قبر پر عبادت گاہ بناتے اور اُس میں اس مرنے والے کا مجسمہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ لوگ خدائے عزّ و جلّ کی نگاہ میں بدترین مخلوق ہوں گے۔"

اہلِ کتاب کا سا طریق ضلالت اختیار کرنے کا خدشہ

سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ (یہود و نصاریٰ) اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم ایسا نہ کرنا۔ میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں (مسلم) شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ عنقریب داعیٔ حق کو لبیک کہنے والے ہیں تو آپ کو اُمت کی طرف سے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ مبادا قبر شریف کو سجدہ کریں۔ جیسے یہود و نصاریٰ قبورِ انبیاء کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ نے یہود و نصاریٰ پر لعن طعن کر کے اس کے منع ہونے پر متنبّہ فرمایا۔

اس کے بعد شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ سجدہ دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ سجدہ قبروں کو کریں اور انہی کی عبادت مقصود ہو جیسے بت پرست بت کو پوجتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مقصود اور منظور تو خدا کی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ ان کی قبروں کی طرف نماز ادا کرنا خدا کی رضا اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یہ دونوں طریقے ممنوع اور غیر مشروع ہیں۔ طریق اوّل تو شرک اور کفرِ صریح ہے اور دوسرا بھی حرام قطعی ہے کیونکہ اس میں بھی خدا کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اگرچہ شرک خفی ہے لیکن لعنت دونوں صورتوں میں وارد ہوتی ہے۔ تربتِ نبوی یا کسی مردِ صالح کی قبر کی طرف تبرک اور تعظیم کے لیے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے جس

میں کسی کو اختلاف نہیں۔"

اپنے مرقد منور کے پوجا نہ جانے کی دعا

حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی کہ الٰہی! میری قبر کو بت نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب نازل ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ (مالک مرسلاً) بقول طیبی شارح مشکوٰۃ گویا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یا رسول اللہ! آپ ایسی دعا کیوں فرماتے ہیں؟ تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ میں نے شفقتاً یہ دعا کی ہے کہ مبادا امت مرحومہ بھی اس گمراہی میں گرفتار ہو جائے جس میں یہود گرفتار ہو کر غضب الٰہی کا مورد بنے۔

مولینا اسمٰعیل شہید دہلوی رقم فرما ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھنا، اعتکاف کرنا زیادہ ثواب ہے بلکہ مسجدیں اسی واسطے بنائی گئی ہیں۔ اور وہاں جھاڑو دینا، فرش بچھانا، لوگوں کے آرام کے لیے پانی کا برتن رکھنا، مسجد کی عمارت اچھی بنانا، اس میں چراغ جلانا کارِ ثواب ہے سو پہلی امتوں کے لوگ ایسے کام جو مسجد کے واسطے چاہئیں اپنے پیغمبروں کی قبروں پر کرتے تھے اس لیے اُن لوگوں پر غضب الٰہی پڑا اور وہ درگاہ خداوندی سے راندے گئے کیونکہ ایسے کام انجام دینے سے قبر قبر نہیں رہتی بلکہ بُت ہو جاتی ہے۔ سو ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ میری قبر کو بُت مت کیجیو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ لوگ میری قبر پر ایسی حرکتیں کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی قبر کے ساتھ ایسے کام کرے جو مسجد کے ساتھ چاہئیں اُس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔"

بہرحال خدائے مجیب الدعوات عزّ اسمہٗ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ہر زمانہ کے مقامی حکمران ایسی احتیاطیں اور پیش بندیاں عمل میں لاتے رہے جو آپ کے مرقد منور کے سجدہ گاہ ہونے میں مانع ومزاحم رہیں۔

مرقد منور پر سالانہ اجتماع نہ کرنے کی وصیت

جب ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کی حالتِ زار پر غور کیا کہ اپنے بزرگوں کی قبروں پر ہر سال میلہ اور جماؤ کرتے ہیں اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ قبروں

پر مرادیں مانگتے اور منتیں مان رہے ہیں تو آپ نے بطور پیش بندی وصیت فرمائی کہ میری قبر کو عید گاہ نہ بنانا۔ البتہ مجھ پر درود بھیجنا کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ کو پہنچایا جاتا ہے (نسائی)

مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جیسے عید گاہ میں برسویں دن لوگ اچھی اچھی پوشاک پہن کر عالم بہجت میں ایک معین روز اور تاریخ میں جمع ہوا کرتے ہیں سو تم لوگ میری قبر پر اس طرح اجتماع نہ کیجئو اور اگر تم کو اپنے لیے ثواب اور میرے لیے رفع درجات منظور ہو تو مجھ پر درود بھیجا کرو۔ درود کے لیے قبر سے نزدیک ہونا کچھ ضرور نہیں بلکہ لاکھوں منزلوں سے پڑھو گے تو بھی حق تعالےٰ تمہارا درود مجھے پہنچا دیگا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس کام کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل رحمۃ اس کے بعد لکھتے ہیں :- اس حدیث سے کئی مسئلے معلوم ہوتے ایک یہ کہ آنحضرت کے مزار شریف پر معین تاریخ اور دن میں اجتماع اور جماؤ کرنا درست نہیں۔ پھر جب آپ کی قبر شریف کے واسطے یہ امر منع ہے تو کسی دوسرے کی قبر پر عرس اور جماؤ اور میلا کرنا اور تاریخ معین میں قبر کی زیارت کو جانا اور بھی زیادہ ممنوع ہے۔ دوسرے یہ کہ قبر کے پاس یا قبر کے سبب سے خوشی کے اسباب جمع کرنا درست نہیں جیسے راگ وغیرہ کہ لوگ عرسوں میں کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر اموات کو ثواب پہنچانا ہو تو دور سے بھی ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔ میت کے لیے اللہ سے دعا کریں یا اس کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کریں تو ثواب پہنچ جائے گا۔ قبر کے پاس یا اس کے قریب ہونا ضرور نہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ نے جو فرمایا کہ درود مجھ کو پہنچایا جاتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا یہ گمان سراسر غلط ہے کہ جہاں درود پڑھیں وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آتی ہے۔ پھر بعضے نادان جو کھانے وغیرہ پر فاتحہ پڑھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اس وقت میت کی روح آتی ہے اور اسی لحاظ سے وہاں پر عطر اور پان اور پانی بھی رکھ دیتے ہیں سو یہ سب لغویات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں

عہد حاضر کے جہلا میں عام رواج ہوگیا ہے کہ جب کوئی شخص بلاو مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے یا کوئی حاجت پیش آتی ہے تو بجائے اس کے کہ صبر و استقلال کے ساتھ درگاہ رب العالمین میں ملتجی رہے بزرگوں کی قبروں کی طرف اٹھ دوڑتا ہے اور وہاں کی حاضری کا التزام کرتا ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ ذات رب العالمین کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔ کسی کو قدرت نہیں کہ رنج و غم دور کر سکے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۶: ۱۷)

اے بندے! اگر اللہ تجھ کو (کسی قسم کی) تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس (تکلیف) کے دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھ کو (کسی قسم کا) فائدہ پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ (۲۷: ۶۲)

بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص بے قرار ہو کر اس سے فریاد کرے تو وہ اس بے قرار کی فریاد کو پہنچے اور اس کی مصیبت دور کردے؟

خدا کے سوا کوئی کارساز نہیں اور دنیا کی ہر چیز اسی کے دست اختیار میں ہے۔ وہی مینہہ برساتا، کھیتی اگاتا اپنی مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے۔ وہی مال داروں کو مفلس، فقیروں کو مال دار، رنجوروں کو تندرست اور تندرستوں کو علیل و رنجور کرتا ہے۔ وہی بے اولادوں کو صاحب اولاد اور نامرادوں کو بامراد کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ (۲۳: ۸۸-۸۹)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہیئے کہ اچھا اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ تو آپ ان سے

کہیئے کہ ان سب مقدمات کے مانتے ہوئے تم کیونکر دیوانے
بن جاتے ہو۔

پس ظاہر ہے۔ جو مالک الملک ان صفات عالیہ سے موصوف اور مسبب الاسباب قاضی الحاجات، مُفتِّح الابواب، سامعُ الاصوات، مجیب الدعوات اور قاضی الحاجات ہے اس کے درِ اقدس کو چھوڑ کر مخلوق کے در پر جانا جو خود محتاج ہے انتہا درجہ کی نادانی اور بے عقلی ہے۔

زیارت قبور کا مقصد

قبرستان جانے میں زندوں اور مردوں دونوں کو نفع ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تھا یا رسول اللہ! میں زیارت قبور کے وقت کیا پڑھوں فرمایا یہ پڑھو:۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ؕ (مسلم)	مومن اور مسلمان گھر والوں پر سلام ہو اللہ ہمارے پہلے جانے والوں پر اور پیچھے رہنے والوں پر رحم کرے۔ ہم بھی انشاءاللہ جلد تم سے ملنے والے ہیں۔

یہ دعا تو قبرستان میں قدم رکھتے ہی پڑھنی چاہیئے۔ اس کے بعد کچھ کلام الٰہی پڑھ کر اہل قبور کو اس کا ثواب بخشیں۔ علاوہ ازیں اپنے خاص متعلقین کو جداگانہ ایصال ثواب بھی کریں اپنے استاد، والدین، بھائی، بیوی یا کسی دوسرے قریبی رشتہ دار یا دوست کی قبر ہو تو قبر کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ پاس بیٹھنا اہل قبر کے لیے راحت و تسکین کا باعث ہے۔ یہ تو وہ منافع ہیں جو کسی زائر کے جانے سے اہل قبور کو حاصل ہوں گے اور خود زائر کو ثوابِ زیارت کے علاوہ عبرت ہو گی۔ اور آخرت کی یاد تازہ ہو گی حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کا یہی مقصد بتایا ہے چنانچہ فرمایا:۔

فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُ	قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ زیارتِ قبور

اَلْمَوْتَ (مسلم) — موت کو یاد دلاتی ہے۔

اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا:۔

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ (ابن ماجہ)

میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا (سو اب تم کو اس کی اجازت ہے) تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ زیارت قبور دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کو یاد دلاتی ہے

اس کے سوا زیارت قبور کا کوئی اور مقصد نہیں جو اوپر بتایا گیا۔ مزار خواہ نبی یا ولی کا ہو یا غیر کا۔ عالم کا ہو یا جاہل کا۔ قبرستان میں ہمیشہ اسی غرض و غایت کو لے کر جانا چاہیئے۔

زیارت قبور میں عوام اور خواص کالعوام کا مطمح نظر

قارئین کرام نے اوپر پڑھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اوائل میں مسلمانوں کو زیارت قبور کی ممانعت فرمائی تھی۔ کیونکہ شرک و وثنیت کا زمانہ قریب تھا اور یہ چیزیں لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں۔ اُن سے یکبارگی دست بردار ہونا ان کے لیے مشکل تھا۔ آخر جب توحید اچھی طرح دلوں میں راسخ ہو چکی تو آپ نے زیارت قبور کی اجازت دے دی لیکن جائے صد ہزار افسوس ہے کہ اب چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد عامۃ المسلمین کی اکثریت کی ذہنیت اُسی حالت زار کی طرف عود کر آئی ہے۔ جس میں اہل عرب اپنے دور جاہلیت میں مبتلا تھے۔ اب عوام اس غرض سے قبرستان نہیں جاتے کہ وہاں جا کر عبرت حاصل کریں گے یا اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت کی جائے گی بلکہ اہل اللہ کی قبروں پر تو بالخصوص محض خود غرضی اور مطلب براری کے لیے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اہل قبر سے حاجت روائی اور مشکل کشائی میں مدد مانگیں گے۔ وہاں مرادیں ملیں گی اور بگڑے ہوئے کام سلجھ جائیں گے۔ صدقہ نافلہ نکالنے میں بھی اُن کی نیت بخیر نہیں ہوتی بلکہ اس میں بھی اپنی ہی مقصد براری پیش نظر رہتی ہے۔

مولینا اشرف علی تھانوی رح رقم فرما ہیں کہ بعضے آدمی جو صدقہ نافلہ نکالتے ہیں۔ ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالےٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کریں بلکہ وہ ہر چیز کو کسی پیر

فقیر، شہید یا ولی کے نامزد کر دیتے ہیں۔ سو اگر کوئی بزرگ ہی اس سے مقصود ہے تب تو وہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر بڑی دور یعنی حد شرک تک پہنچ گیا اور بعض غالی جہلاء کا واقعی یہی عقیدہ ہے۔ اور اگر اس عمل سے مقصود حق تعالےٰ ہے اور اُس بزرگ کو محض ثواب ہی بخشتا ہے تو وہ حدِ شرک تک تو نہیں پہنچا اور ظاہراً جائز بھی ہے لیکن عوام بلکہ بعض خواص کالعوام کے حالات وخیالات کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ محض ایصال ثواب ہی ان کا مقصود نہیں بلکہ ان کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اُن بزرگ کو ثواب پہنچے گا تو وہ خوش ہو کر ہماری حاجت روائی میں مدد دیں گے خواہ تصرفِ باطنی سے اور زیادہ تر عقیدہ یہی ہے۔ سو اس کا بھی قریب بہ شرک ہونا ظاہر ہے اور خواہ دعا سے ہو۔ سو احتمالِ دعا کا عقیدہ تو ناجائز نہیں۔ لیکن اس میں بھی دو فاسد عقیدے شامل ہیں۔ ایک اس احتمال کے وقوع کا یقین و اعتقاد کرنا کہ جس پر کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل عقیدہ کرنا کذب نفس اور آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (جس بات کا تمہیں (یقینی) علم نہیں اُس کے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ ۱۷: ۳۶) کی مخالفت ہے۔ دوسرے بعد فرض وقوع دعا کے اس دعا کے بالقطع قبول ہو جانے کا عقیدہ کرنا۔ حالانکہ دعا تو چند انبیاء کے سوا بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے قبول نہیں ہوتی تھی۔

اس کے بعد مولانا اشرف علیؒ لکھتے ہیں کہ مصلحت یہی ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو تو اپنی حاجت کا خیال ایصال ثواب میں نہ ملایا کریں کیونکہ یہ توحید کے خلاف ہے اور اگر کسی نے بہت ہی احتیاط کی تو بھی اخلاص کے تو لازماً خلاف ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ زندہ کو ہدیہ دیا اور وہ یہ سمجھ کر کہ محبت سے دیا ہے خوش ہوا۔ لیکن پھر اُسے معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا ہے تو اس کی طبیعت سخت مکدر ہوئی۔

مولانا تھانویؒ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بعضے لوگ بزرگوں کو اس لیے ثواب پہنچاتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دیں گے۔ سو یہ شرک ہے۔ اور اگر یہ سمجھیں کہ دعا کریں گے اور وہ دعا ضرور قبول ہو گی تو یہ دونوں یہ مزعومات بھی غلط ہیں۔ نہ تو کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کرینگے اور نہ یہ ثابت ہے کہ دعا ضرور قبول ہو گی۔ پس ایسی مشکوک

بات کا یقین کر لینا بھی گناہ ہے۔

حوائج و مصائب میں رجوع الی القبر مامور نہیں ہے

یہ امر عوام اور خواص کالعوام کی عادت مستمرہ میں داخل ہے کہ ہجوم بلیّات میں قبور صالحین کی طرف اُٹھ دوڑتے ہیں اور لاہور کے عوام کو یہ ایک آسان نسخہ مل گیا ہے کہ جونہی کوئی مشکل آن پڑی انھوں نے عالم اضطراب میں شیخ علی ہجویری یا میاں میر صاحبؒ یا شاہ محمد غوثؒ کا رخ کیا۔ خیر القرون میں یہ بات ہمارے اسلاف کرام کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ آئی تھی کہ رفع مشکلات کا حل قبور صالحین میں تلاش کرنا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ خیر القرون کے بعد قبروں کو مرجع انام بننے اور قاضی الحاجات ہونے کا مقام اور مرتبہ کب سے اور کیونکر حاصل ہو گیا؟ سلفِ صالح کے کان اس چیز سے بالکل نا آشنا تھے۔

خدا اور اس کے رسول نے ہمیں کوئی حکم نہیں دیا کہ ہم رفع مشکلات میں انبیاء و اولیاء کی تربتوں کو اپنا ملجا و ماویٰ بنائیں۔ کتاب و سنت اس چیز سے بالکل خاموش ہے اور کتب سیرت و تاریخ سے بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ، تابعین، اتباع تابعین یا دوسرے اسلاف کرام میں سے کسی نے کبھی قبور انبیاء و صالحین کو حاجت روا سمجھا اور اس غرض کے لیے ان کی طرف رجوع کیا ہو۔

صحابہؓ کا مرقد نبوی پر جاکر دعا نہ مانگنا

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ صحابۂ کرامؓ سے یہ تواتر منقول ہے کہ جب ان کو کوئی مشکل پیش آتی تھی مثلاً قحط سالی وغیرہ ہوتی یا دشمن پر فتح حاصل کرنے میں دشواری نظر آتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے ... تے اور مسجدوں یا گھروں میں اس کی بارگاہ کبریائی میں دست بدعا ہوتے۔ لیکن اس قسم کا ایک واقعہ بھی منقول نہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منور یا دوسرے انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف رجوع کیا ہو اور وہاں جاکر دعا مانگی ہو بلکہ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ سے مروی ہے کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جناب عباسؓ بن عبد المطلب کے وسیلے سے طلب باراں کرتے تھے اور کہتے الٰہی! ہم تیری طرف اپنے نبی کو وسیلہ کرتے تھے تو ہم کو باران رحمت

سے سیراب کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری درگاہ میں وسیلہ کرتے ہیں۔ پس ہم کو سیراب کر۔" حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ اس طریق پر استسقاء کرنے سے نزول باران ہوتا تھا۔"

نہ سلف کو علم ہوا اور نہ شارع نے اس کا اظہار فرمایا

علامہ ابن تیمیہ رحؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی قبر کے پاس دعا کرنا افضل ہوتا اور اس میں استجابت دعا کی زیادہ امید ہوتی تو سلف صالح کو سب سے پہلے اس کا علم ہوتا اور وہ لازماً اس پر عمل پیرا ہوتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ افعال کو سب سے بہتر سمجھتے تھے اور اس کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنے میں سب سے زیادہ حریص تھے

علاوہ ازیں منصب رسالت کا مقتضا یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام لوگوں کے سامنے اس کا اظہار فرماتے اور اس کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتے۔ کیونکہ آپ کے ارشاد کے بموجب کوئی نیکی کی بات ایسی نہیں رہ گئی جو آپ نے بیان نہ فرما دی ہو اور کوئی برائی ایسی نہیں جس سے آپ نے امت کو ممانعت نہ فرمائی ہو۔ آپ نے اس قسم کی باتوں سے صریحاً منع کیا ہے اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے فعل کو موجب لعنت قرار دے کر تمام شرکیہ افعال کا سدباب فرمایا ہے۔ آپ نے ذرائع شرک کو روکنے کے لیے احتیاطاً قبر کی طرف منہ کر کے حق تعالےٰ کے لیے بھی نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی اگرچہ نمازی کے دل میں غیر اللہ کی عبادت کا کوئی خیال تک نہ ہو۔

قبروں کے پاس دعا کے مستجاب ہونے کا عقیدہ بے اصل ہے

اور جب غلو پسندوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم مسجدوں کو چھوڑ کر دعا کے لیے مقابر کو کیوں جاتے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں اللہ کا کوئی ولی دفن ہو انزول انوار و برکات کا محل ہے اس لیے وہ قبولیت دعا کے لیے افضل ترین مقام ہے۔" مگر یہ خیال صحیح نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحؒ رقم طراز ہیں:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مزاروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فلاں ولی کی قبر تریاق مجرب ہے اصل یہ ہے کہ قبروں کے مجاوروں اور خوش عقیدہ لوگوں نے ایسی باتیں مشہور کر رکھی ہیں کہ فلاں قبر کے

پاس دعا یقیناً قبول ہوتی ہے اور بعض اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں حاجت کیلیے دعا کی اور وہ مشکل فوراً حل ہوگئی۔ مگر یہ خیال کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے ایک ایسا خیال ہے جس کی اصل کتاب و سنت میں نہیں ملتی۔ اور کوئی صحابی یا تابعی یا کوئی امام اس کا قائل نہیں۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، اسحٰق بن راہویہ اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ سب اس قول کے خلاف ہیں۔

فصل ۸۳

یتیموں پر ظلم

"یتیم لڑکیوں کے حقوق سے بے اعتنائی" کے زیر عنوان (۳۵ ویں فصل میں) یتیم لڑکیوں کی مظلومی پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ مزید گذارش یہ ہے کہ عرب میں جو جاہلی طور طریقے لوگوں پر مسلط ہو چکے تھے ان کے اقتضاء سے ابتداء اسلام میں یتیموں کی حق رسی میں کوئی احتیاط نہ تھی۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (۴:۱۰) — جو لوگ ناحق و ناجائز طور پر یتیموں کے مال خورد برد کرتے ہیں۔ وہ اپنے شکم میں بس انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب (مرے پیچھے) دوزخ میں پڑیں گے۔

تو اہل ایمان خوف کے مارے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ یتیموں کا کھانا الگ پکواتے اور الگ رکھواتے۔ اگر یتیم کا کھانا بچ رہتا اور سڑ جاتا تو پھینکنا پڑتا۔ اس میں تکلیف کا بھی سامنا تھا اور یتیم کا نقصان بھی۔ اس لیے اس بارہ میں بارگاہ نبوی میں عرض معروض کیا گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ سورہ بقرہ آیات ۲۲۰ — اے پیغمبر! لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھا دیجئے کہ یتیموں کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر ان کا نفقہ اپنے نفقے میں شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں اور اللہ مصلحت ... ضائع کرنے والے کو اور مصلحت شناس کو خوب پہچانتا ہے (سورۃ

یتیموں کی بھلائی کے لیے ایک یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دیا کرو۔ جن کو اللہ نے تمھاری معشیت کا ذریعہ بنایا ہے اور ان مالوں میں سے انکو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو (سورۂ نساء آیت ۵) یعنی ان کی تسلی کرتے رہو کہ مال تمھارا ہے۔ تمھاری خیر خواہی کی وجہ سے ابھی تمھارے ہاتھ میں نہیں دیا۔ ذرا سمجھ دار ہو جاؤ تو تمھارے ہی حوالے کر دیا جائے گا۔ اور اگلی آیت میں فرمایا اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو دیکھو اگر ان میں (حفاظت مال کی) صلاحیت موجود ہے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو" یعنی ان کو تھوڑا بہت مال دے کر تجارت میں لگاؤ اور ان کے تجربہ اور عقل کی آزمائش کرو۔ اگر سن بلوغ میں پہنچنے کے بعد ان کو ہوشیار اور لائق دیکھو تو ان کا مال واپس کر دو۔ (۴: ۶)

عام رواج پڑ گیا تھا کہ یتیم کا سرپرست اس خوف سے کہ یہ بالغ ہو کر اپنا مال واپس لے لیگا۔ جلدی جلدی کھا اڑا کر بیٹھ رہتا تھا۔ اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی:۔ (ترجمہ) اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (تو مطالبہ کریں گے) ان کے اموال کو فضول خرچی کر کے جلدی جلدی کھا اڑا نہ ڈالو۔ اور جو (ولی سرپرست) مستغنی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو بچائے رکھے اور جو شخص حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق (بقدر کفاف) کھا لے (تو مضائقہ نہیں) اور جب اُن کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو اس پر گواہ کر لیا کرو اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے (۴: ۶)

یعنی اگر سرپرست حاجتمند ہو تو اس سرپرستی اور حفاظت مال کے عوض میں خدمت کے موافق لے لے اور ان کے بالغ اور ہوشیار ہونے پر جو مال بچے وہ ان کے حوالے کر دے اور ان کو سمجھا دے۔

یتیموں پر نوازش

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں پر بالخصوص بڑی نوازش فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

دعوےٰ دائر کیا۔ لیکن آپ نے یتیم کے خلاف فیصلہ کیا۔ یتیم رو پڑا۔ آپ کو اُس پر رحم آگیا اور مدعا علیہ سے فرمایا کہ یہ نخلستان اس یتیم کو دے ڈالو۔ خدا تم کو اس کے معاوضہ میں جنت میں اس سے بہتر نخلستان عطا کرے گا۔" لیکن اُس حرمان نصیب نے آخرت کا سودا منظور نہ کیا۔ اس فیصلے کے وقت حضرت ابو دحداح صحابی رضہ بھی موجود تھے۔ جھٹ مدعا علیہ سے کہنے لگے اچھا تم میرے باغ کے عوض میں اپنا باغ دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں دیتا ہوں۔ حضرت ابو دحداح رضہ نے اپنا باغ اس شخص کو دے کر رسول خدا کو اور اس یتیم کو خوش کر دیا (استیعاب تذکرہ ابو دحداح رضہ)

یتیموں کی کفالت

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے بھائی محمد بن ابوبکر رضہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یتیم چھوڑ کر رحلت فرما گئے تھے۔ ام المومنین رضہ ان تمام یتیموں کی پرورش فرماتی تھیں۔ (موطائے امام مالک) حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کسی یتیم کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے اگر ایک یتیم اگر ان کے ساتھ شریک طعام ہوا کرتا تھا۔ ایک دن انھوں نے کھانا منگوایا۔ تو اتفاق سے وہ موجود نہ تھا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ آیا۔ حضرت عبداللہ نے پیغام بھیجا کہ ا..ر کھانا بھیجیں۔ مگر گھر سے جواب آیا کہ کھانا ختم ہو چکا ہے۔ انھوں نے اس یتیم کے لیے ستو اور شہد منگوا کر اس کی تلافی فرمائی (ادب المفرد)

صحابۂ کرام رضہ یتیموں کے مال کی خاص طور پر حفاظت کرتے اور اس کو ترقی دینے کی کوشش فرماتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضہ نے اپنی خلافت میں حکم دیا تھا کہ یتیموں کے مال سے تجارت کر کے اسے ترقی دیا کرو تاکہ زکوٰۃ ان کے مال کو ختم نہ کر دے اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ یتیموں کا مال تاجروں کو دیدیا کرتی تھیں تاکہ وہ لوگ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیتے رہیں۔ (موطائے امام مالک) ؛

ختم شد

آخری گذارش

بعض حضرات اس خیال کو غیر صحیح ٹھیراتے ہیں کہ عرب غیر متمدن تھے اور ان میں زنا، جوا اور شراب عام تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب بڑے مہذب اور متمدن تھے اور ان میں فواحش ومنکرات اسی طرح عام تھے جیسے آج کل کی "متمدن اور مہذب" فرنگی اقوام ہیں۔ آزادی کے لحاظ سے عورتوں کو وہی پوزیشن حاصل تھی۔ جو آج یورپ اور امریکہ میں ہے۔"

لیکن اگر یہی بیان صحیح ہو کہ ان میں فواحش ومنکرات اسی طرح عام تھے جس طرح فرنگی اقوام میں پائے جاتے ہیں اور عورتیں بھی اسی طرح آزاد تھیں جیسے فرنگنیں آزاد ہیں تو بھی ظاہر ہے کہ وہ صحیح و صالح تمدن سے کوسوں دور تھے۔ جو اسلام کا طغرائے امتیاز ہے۔ پیغمبر اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ حقّہ نے اُن کو اخلاق وشیم کی جس بلندی پر پہنچایا اُس کی نظیر جریدۂ عالم میں قطعاً ناپید ہے۔

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب "اصلاحات کبریٰ" آج بتاریخ ۳۰ محرم ۱۳۷۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء بمقام انارکلی لاہور پایۂ تکمیل کو پہنچی والحمد للہ اوّلاً وآخراً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ سیّدِنا محمّدٍ وّآلہٖ اجمعین۔

عماد الدین

از

مولانا ابوالقاسم دلاوری

پاکستان کا سواد اعظم حنفی فقہ کا پیرو ہے اور سواد اعظم کے دیندار طبقہ کی سب سے اہم ضرورت حنفی فقہ کے مطابق مسائل نماز کا جاننا ہے نماز جو حیاتِ ایمانی کے لیے روح کا حکم رکھتی ہے۔ اس موضوع پر آج تک اردو زبان میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی۔ جو نماز کے تمام ضروری مسائل کی جامع ہو اور جامعیت کے ساتھ ساتھ ایسے لاطائل جزئیات سے خالی ہو جن سے نمازیوں کو زندگی میں شاذ و نادر ہی سابقہ پڑتا ہے۔

اس ضرورت کے پیش نظر مولانا ابوالقاسم دلاوری نے اپنی علمی و تحقیقی کاوش کو بروئے کار لا کر عماد الدین مرتب کی ہے۔ جس میں نماز کے ضروری مسائل کو ہر پہلو سے حل کیا ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو اس قدر جامع اور مستند ہے۔

سائز ۳۰ × ۲۰ / ۸ صفحات ۴۹۶

قیمت ۸ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور
بندر روڈ کراچی